امریکہ و یورپ کا نظامِ ہم جنس پرستی اور
اسلام کا نظامِ
عفت و عصمت
تقابلی جائزہ

تالیف
محمد ظفیر الدین

1. اسلام سے پہلے عورت کی حیثیت

2. عورتوں کے حق میں اسلام کی اصلاحی جدوجہد

3. اسلام میں عورت کی عفت وعصمت کا تحفظ

4. اسلامی تعلیم سے روگردانی کا انجام

5. شادی سے اجتناب اور اس کے نقصانات

6. شادی روشن خیال مفکرین کی نظر میں

7. مقاصد نکاح اور عفت وعصمت

8. عفت وعصمت کی اسلام میں اہمیت

9. عفت وعصمت اور تعدد ازدواج

10. شادی کرنے والوں کے اختیارات وفرائض

11. شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا

12. بلوغ کے بعد شادی کا حکم اور دیگر ہدایات

13. جائز لطف اندوزی کی اجازت

14. شوہر کے فرائض واختیارات

15. بیوی کے فرائض واختیارات

16. عفت وعصمت کے تحفظ کے لیے چند ضروری قوانین

17. اسلام کا قانون طلاق اور عفت و عصمت کی حفاظت

18. قوانین استئذان

19. دشمنان عفت وعصمت اسلام کی نظر میں

20. قوم لوط کا عمل

عرض ناشر

عصر حاضر میں بے حیائی کے سیلِ بے اماں نے اخلاقیات کے ہر بند کو توڑ دیا ہے۔ اسلام کا یہ محفوظ قلعہ ہر طرف سے دشمنانِ اسلام کی زد میں ہے۔ میڈیا کے دلخراش طرزِ عمل نے اس میں سب سے بڑھ کر گھناؤنا کردار ادا کیا ہے اور اس کے پیچھے اسلام دشمنوں کی گہری سازشوں کی ایک لامحدود داستان ہے مگر صد افسوس کہ خود اہل اسلام نے بھی مغرب کی تقلید شروع کر دی۔ وہ اسے معمولی معاملہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اسلام کی آخری حد ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو حیا کا لبادہ اتار پھینکے پھر جو چاہے کرتا پھر۔''

''اسلام کا نظام عفت وعصمت'' اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے۔ اسلام کے ''نظام حیا'' کا اس میں دلنشیں انداز میں احاطہ کیا گیا ہے۔ مولانا ظفیر الدین نے ہر اسلامی حکم ایسے خوبصورت اور حکیمانہ انداز میں پیش کیا ہے کہ بات دل میں بیٹھتی چلی جاتی ہے پھر ہر جگہ تہذیب نو کے علمبردار ''یورپ'' کی جابجا اخلاقی بدحالی بیان کی ہے۔ اعداد وشمار کے ساتھ ان کے جھوٹے دعوؤں سے پردہ اٹھایا ہے۔ جس سے مغرب سے مرعوب افراد کے ذہنوں کا خبط اتر جاتا ہے اور اسلام کی برتری دلوں میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔

کتاب میں موجود آیات واحادیث کی تخریج اور ضروری اضافے حافظ عمران ایوب اور ابو عمر اشتیاق جبکہ مولانا محمود الحسن اسد اور یوسف سراج بھائی نے تہذیب وتسہیل کا فریضہ ادا کیا۔ یوں اس کتاب کی افادیت مزید دو چند ہوگئی ہے۔ ضروری ہے کہ ہمارے بیٹے بیٹیاں بلکہ گھر کا ہر فرد اس کا مطالعہ کرے۔ جس سے یقیناً زندگی میں ایک انقلاب اور تبدیلی آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے دامن عفت محفوظ رکھے اور عمل کی توفیق بخشے۔ آمین!

محمد سیف اللہ خالد

مدیر دارالاندلس

پیش لفظ

امر واقعہ یہ ہے کہ مغربی تہذیب سے مرعوبیت نے جہاں امت مسلمہ کو لا دینیت، مادہ پرستی، حرص وطمع اور حرام خوری کے جال میں پھنسا دیا وہیں عفت وعصمت کو بھی بری طرح پامال کیا۔ جس نے مسلمانوں کی نوجوان نسل پر تباہ کن اثرات مرتب کیے۔

اس صورت حال میں ضرورت تھی کہ حالات کے دھارے میں بہہ کر اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو جانے والی قوم کو اخلاقی لٹریچر کے ذریعہ سے زریں اسلامی اصولوں سے روشناس کرایا جائے۔ اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے محترم بھائی سیف اللہ خالد حفظہ اللہ نے مولانا ظفر الدین ندوی رحمہ اللہ کی کتاب ''اسلام کا نظام عفت وعصمت'' کا انتخاب کیا، جو اپنے مواد اور طرز نگارش میں مطلوبہ ہدف کے لیے واقعتاً بہترین ہے۔ یہ کتاب اسلام کے قوانین عفت اور مغرب کے مابین ایک بے لاگ تقابلی تجزیہ ہے۔

کتاب کی تخریج وتنقیح کے لیے اللہ تعالیٰ نے راقم الحروف کو توفیق بخشی۔ تخریج کے ضمن میں معیاری نمبر شمار کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ حدیث کے حوالہ میں کتاب اور باب کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اکثر مقامات پر دیگر کتب احادیث کے حوالہ جات بھی نقل کر دیے گئے ہیں۔ احادیث پر حکم لگانے میں زیادہ تر حافظ ابن حجر، شیخ ناصر الدین البانی اور شیخ شعیب ارناؤوط رحمۃ اللہ علیہم کی تحقیق سے استفادہ کیا گیا ہے۔

بعض جگہ پر توضیح اور حواشی کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی کبار ائمہ کے اقوال و فتاوی بھی تائید میں پیش کر دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ادنیٰ سی کاوش کو اخروی فلاح کا باعث بنائے۔ آمین!

حافظ عمران ایوب
رفیق دارالاندلس لاہور
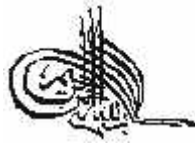
((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ...... اَمَّا بَعْدُ !))

انسان مجموعۂ اضداد ہے۔ خیر وشر، محبت وعداوت اورعبدیت وشیطنت دونوں پہلوؤں کا حامل ہے۔ انسانی صلاحیتوں کا ایک پہلوتو یہ ہے کہ اسے اعلیٰ مخلوق ہونے کا شرف حاصل ہے کیونکہ انسانوں میں سے ہی وہ برگزیدہ ہستیاں منصۂ شہود پر آئیں، جنہیں ہم انبیاء و رسل علیہم السلام کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کو جانوروں سے بھی بدترین مخلوق کا لقب ملا ہے کیونکہ وہ بھی آدم ہی کے گھرانے کے بچے تھے جو ہامان وشداد،فرعون و نمرود کی صورت میں وہ کچھ کرتے رہے جس کے خیال سے آج بھی ہم کانپ اٹھتے ہیں۔

رحمت الٰہی:

مگر رب العالمین کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کی رحمت کا ہاتھ ہمیشہ بڑھتا رہا اور ہر زمانہ میں غیب سے کچھ ایسے ساز و سامان مہیا ہوتے رہے جن سے بگاڑ سنوار اور فساد صلاح کی شکل اختیار کرتا رہا۔ اس سلسلہ میں خاتم المرسلین رسول رب العالمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو رحمۃ للعالمین بنا کر ارحم الراحمین نے انسانی نسلوں کے درمیان لا کھڑا کیا اور خالق کائنات کی طرف سے:

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ (المائدۃ: ۳)

کا اعلان کر کے قرآن آخری دستور العمل کی حیثیت سے بنی آدم کے سپرد کیا گیا، جو انسانی زندگی کے لیے ہمہ گیر جامع نظام حیات پر مشتمل ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق اس کتاب میں راہ نمائی نہ کی گئی ہو۔ دوسرے مسائل ومباحث سے اس وقت بحث نہیں ہے، بلکہ کہنا چاہتا ہوں:

نظام نسل انسانی:

کائنات انسانی کی بقا اور اس کے تحفظ کے لیے رب العزت نے توالد وتناسل کا جو سلسلہ جاری کیا، مرد اور عورت کے نام سے دو جنسیں پیدا کیں، باہم دونوں میں جذب وکشش کے فطری جذبات ودیعت کیے گئے اور ہر صنف میں دوسری صنف کی طلب کا تقاضا رکھا گیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان میں ہر ایک دوسرے کو اپنی تسکین کا ذریعہ سمجھنے پر مجبور ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ دونوں کی زندگی ایک دوسرے کے بغیر نامکمل اور ادھوری بن کر رہ جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مرد، کامل مرد رہتے ہوئے، عورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، اسی طرح عورت، عورت کے لباس میں رہتے ہوئے، مرد کے بغیر مطمئن زندگی نہیں گزار سکتی۔ مگر انسان جلد باز اور عجلت پسند واقع ہوا ہے۔ اس نے زندگی کے اس اجتماعی شعبہ میں بھی افراط وتفریط پیدا کی اور جنسی خواہشات کی راہوں میں بھی ان قدرتی نشان زدہ حدود سے ہٹتا رہا جن سے تجاوز میں خود انسانیت اور انسانی نسلوں کی بربادی تھی۔

اسلام نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں فطرت کی حدود پر انسانیت کو کھینچ کھینچ کر پہنچایا، وہیں جنسی میلان کی راہوں میں بھی اعتدال کا جو فطری وطبعی نقطہ ہو سکتا تھا اس پر چاہا کہ حدود سے ہٹنے والوں کو واپس لایا جائے۔ اس سلسلہ میں آئین وقوانین کا ایک مستقل ضابطہ جو ہمیں عطا کیا گیا ہے، ہم ایک خاص رنگ میں اسی "ضابطۂ حیات" کو آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں تاکہ جن دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر، اپنے رسول ﷺ کی عظمت اور آخرت کا خوف ہو، یہ معروضات ان کی اصلاح کا ذریعہ بن جائیں۔

اسلام سے پہلے عورت کی حیثیت

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے جس زمانہ میں اس شعبۂ زندگی کی آئینی دفعات کو لوگوں کے سامنے رکھا تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ رشتۂ ازدواج کا جو بنیادی مقصد تھا، وہ بھلایا جاچکا تھا، سکون اور آسودگی کی اس کیفیت سے قلوب خالی ہو چکے تھے جو زن و شو کو ایک حقیقت بنا دیتی ہے۔ باہمی پیار اور محبت کا وہ حال ختم ہو چکا تھا جس سے دو خاندانوں اور دو جانوں میں یگانگت اور تعاون کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور نہ کوئی اور نیک اثر اس رشتہ کا باقی رہ گیا تھا۔ اللہ اللہ!! ازدواجی ہنگامہ آرائیوں کی روح ''عفت وعصمت'' تک ایک بے قیمت چیز ہو چکی تھی، چھلکے رہ گئے تھے، مغز غائب ہو چکا تھا۔

عورتوں کی مظلومیت:

ہر جگہ صنف نازک (عورتیں) مردوں کے ظلم وجور کا شکار بنی ہوئی تھیں۔ مرد، مرد نہیں بلکہ نازک و کمزور صنف کے مقابلہ میں جنگلی درندہ تھا۔ کرۂ ارضی کی انسانی بستیوں کا یہ عام حادثہ تھا۔ سچ پوچھیے تو اس سلسلہ میں شائستہ و ناشائستہ، متمدن و غیر متمدن اقوام وافراد میں چنداں فرق باقی نہیں رہا تھا...... چوپایوں اور گھر کے دوسرے ساز و سامان کی طرح عورتیں خریدی اور بیچی جانے لگیں۔ مرد عورت پر اپنی نفسانی خواہشوں کے لیے جبر و تشدد پر اتر آیا۔ حد یہ ہے کہ عورتوں کو بدکاری کا پیشہ تک اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا، یعنی اپنی ہوس رانیوں کا ذریعہ بنانے کے ساتھ ساتھ زرکشی کا ذریعہ بھی مردوں نے ان غریب عورتوں ہی

کو بنا لیا تھا۔

جاہلیت میں عورتیں انسان اور حیوان کے درمیان ایک مخلوق سمجھی جانے لگی تھی، جن کا مقصد نسل انسانی کی ترقی اور مرد کی خدمت کرنا تھا اور یہی وجہ تھی کہ لڑکیوں کی پیدائش باعث ننگ اور عار تھی، پیدا ہونے کے ساتھ ان کو زندہ درگور کر دینا، اسی کو بعضوں نے اپنی شرافت و افتخار کا اقتضا قرار دے رکھا تھا۔ جاہلیت کی تاریخ کے اس خاص حصہ کے متعلق قرآنی معلومات ہی عبرت کے لیے وافی وکافی ہیں۔

بچیوں کی پیدائش کا باپ پر اثر:

باپ کے دل میں لڑکی کی ولادت کی خبر جس اثر کو پیدا کرتی تھی، قرآن میں اسی کی اطلاع ان الفاظ میں دی گئی ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ ﴿٥٩﴾
(النحل: ٥٨، ٥٩)

''ان میں سے جب کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے جس (بیٹی) کی خبر دی گئی ہے اس کی عار سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور اس سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ) ذلت برداشت کر کے اس کو پاس رکھے یا مٹی میں گاڑ دے (تاکہ ذلت سے نجات ملے)۔''

اجمالاً اسی کا اعادہ دوسری جگہ بایں الفاظ کیا گیا ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿١٧﴾
(الزخرف: ١٧)

''ان میں سے جب کسی کو اس چیز کی خبر دی جائے جس کو وہ اللہ تعالیٰ سے مخصوص

کرتا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے اور دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے۔‘‘

جاہلی ذہنیت کی بوالعجبیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن ہی میں بیان کیا گیا ہے کہ جاہل لوگ ایک طرف تو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بھی مانتے تھے، یعنی’’ مقدس دیویوں‘‘ کا عقیدہ بھی ان میں پایا جاتا تھا اور دوسری طرف ان میں سے کوئی بھی کسی لڑکی کا باپ بننے کی ذلت برداشت کرنے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔ اسی ’’فرضی تضاد‘‘ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں پوچھا گیا ہے:

أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا ۚ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾ (الاسراء: ٤٠)

’’کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنایا ہے، بےشک تم بڑی سخت بات کہتے ہو۔‘‘

اسی بات کو خبریہ انداز میں بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ ۙ وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ ﴿٥٧﴾ (النحل: ٥٧)

’’اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لیے وہ چیز جو اپنی خواہش کے مطابق ہو۔‘‘

بچیوں کا بے رحمانہ قتل:

یہ احساس تھا جاہلیت میں معصوم لڑکیوں کے متعلق، پھر کون سا تعجب ہے اگر اکثر لوگ اس ذلت سے بچنے کے لیے بچیوں کو مار ڈالتے ہوں...... انہی سنگ دلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾ (التکویر: ٩،٨)

’’اور جس وقت اس لڑکی سے جو زندہ درگور کردی گئی تھی، پوچھا جائے گا کہ وہ کس

جرم کے بدلے قتل کر دی گئی۔''

قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ذلت و رسوائی کے علاوہ معاشی دشواریوں کا غلط احساس بھی اولاد کو قتل کرنے میں اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں حکم دیا گیا:

وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَٰدَكُم مِّنْ إِمْلَٰقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ (الأنعام: ۱۵۱)

''اپنی اولاد کو ناداری کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔''

سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَٰدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَٰقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْـًٔا كَبِيرًا (الإسراء: ۳۱)

''اپنی اولاد کو ناداری کی وجہ سے قتل نہ کرو کیونکہ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ بے شک ان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔''

کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہی غیر فطری حرکات کی وجہ سے جاہلی معاشرہ میں عورتوں کی کمی ہو گئی تھی اور اس سے وہ حالت پیدا ہو گئی تھی جو حالت ہندوستان کی بعض قوموں میں ''دختر کشی'' کی ظالمانہ رسم نے پیدا کر دی ہے یعنی ایک ایک عورت کی بھاری بھاری قیمتیں ادا کرنا پڑتی ہیں اور یوں ''نسوانی وجود'' کو ان میں بھی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسے عرب جاہلیت کی بعض روایتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ''بیوی'' کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن اس کا مطلب وہی تھا کہ اس کے حاصل کرنے میں کافی قیمت صرف کرنا پڑتی تھی۔

عفت و عصمت کی بربادی:

مگر جاہلیت کے جس دور کے لوگوں پر قرآن میں اس حکم کے نافذ کرنے کی ضرورت

ہوئی یعنی:

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

(النور: ۳۳)

''اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو، بالخصوص اس وقت جبکہ وہ پاک دامن رہنا چاہیں (سوچو تو یہ صرف اس لیے کہ) تم کو دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ حاصل ہو جائے۔''

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ''نسوانیت'' کا مقام ان کی نظروں میں کیا تھا؟ صحیح بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت میں عورتیں رہن بھی رکھی جاتی تھیں۔ محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں کعب بن اشرف کے پاس گیا اور غلہ قرض دینے کی درخواست کی تو اس نے کہا:

((قَالَ ارْهَنُوْنِیْ نِسَائَكُمْ قَالُوْا كَيْفَ نَرْهَنُكَ نِسَآءَ نَا وَ اَنْتَ اَجْمَلُ الْعَرَبِ)) ①

''اس نے کہا تم اپنی عورتیں میرے پاس گروی رکھ دو، انہوں (صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے کہا ہم آپ کے پاس اپنی عورتیں کیسے گروی رکھ سکتے ہیں جبکہ آپ عرب میں سب سے خوبصورت ہیں۔''

اس واقعہ سے بھی اندازہ لگایے کہ عورتیں کتنی مظلوم تھیں اور ان کی عصمت کتنی سستی خیال کی جاتی تھی۔ جاہلیت میں نکاح کا نام تو ضرور تھا، مگر اس کی اکثر صورتیں زنا کی تھیں...... ورنہ اتنی بات تو بہرحال ہے کہ عورت کی عفت و عصمت کی کوئی قدر نہیں تھی۔

جاہلیت کے نکاح:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں تھیں:

---

① بخاری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن الأشرف: ٤٠٣٧۔

۱۔ ایک طریقہ تو یہی تھا جو آج کل رائج ہے۔

۲۔ مرد اپنی منکوحہ بیوی سے کہتا کہ جب تیرا حیض کا خون بند ہو جائے تو پاکی حاصل کرنے کے بعد تو فلاں مرد کے پاس چلی جا اور اس سے فائدہ حاصل کر، یعنی اس غیر مرد سے ہم بستری کر شوہر اپنی اس عورت سے اس وقت تک علیحدہ رہتا، جب تک اس کی عورت کو غیر مرد کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا۔ چنانچہ جب غیر مرد کا حمل واضح ہو جاتا تو اب اگر شوہر کی خواہش ہوتی تو وہ اپنی بیوی کے پاس جاتا۔ایسا جاہلیت میں اس لیے کرتے تھے کہ لڑکا نجیب ہو۔اس کو ''نکاح استبضاع'' کہا جاتا تھا۔گویا تخم حاصل کرنے کا یہ ایک طریقہ تھا۔

۳۔ تیسری شکل یہ تھی کہ ایک عورت کے پاس متعدد مرد آتے اور اس سے زنا کرتے مگر ان کی تعداد دس سے کم ہوتی پھر جب عورت بچہ جنم دیتی اور بچہ کی پیدائش کے کچھ دن بعد عورت ان تمام مردوں کو قاصد کے ذریعہ بلا بھیجتی، کوئی انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ جب سب جمع ہو جاتے...... یہ عورت کہتی، تم اپنے معاملہ سے واقف ہو کہ میرے پاس وطی کے لیے آیا کرتے تھے...... میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے، یہ تمہارا بچہ ہے، تم اپنی پسند سے اس کا کوئی نام رکھو۔ چنانچہ یہ بچہ اس شخص کا ہو جاتا جس کا عورت نام لیتی اور وہ مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔

۴۔ کچھ عورتیں ایسی تھیں جن کے دروازوں پر جھنڈے گڑے رہتے۔ یہ بازاری پیشہ ور عورتیں تھیں۔ جس کا جی چاہتا ان کے پاس جاتا۔ جب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس سے زنا کرنے والے زانی جمع ہوتے پھر قیافہ شناش بلایا جاتا اور وہ اپنے علم پر جانچ کر اس بچہ کو ان مردوں میں سے جس کا کہہ دیتا وہ بچہ اسی کا ہو جاتا اور وہ مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان صورتوں کو بیان کر کے فرماتی ہیں:

((فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ هَدَمَ نِكَاحَ

الْجَاهِلِيَّةِ كُلَّهُ اِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ الْيَوْمَ))[۱]

''محمد رسول اللہ ﷺ جب حق لے کر مبعوث ہوئے تو آپ نے تمام جاہلی نکاحوں کو بند کر دیا صرف اس نکاح کو باقی رکھا جو آج رائج ہے۔''

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت میں عورتوں کی عفت و عصمت اپنی قدر و قیمت سے محروم ہو چکی تھی، جہاں شوہر اپنی رضا مندی سے اپنی بیویوں کو اجنبی مردوں سے تخم حاصل کرنے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ اسی سے اندازہ کیجیے کہ عورت اور اس کی عفت و عصمت کے متعلق جاہلی احساسات ذلت و کمینگی کی کن حدود تک پہنچ چکے تھے۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد یہ سمجھتا تھا کہ میں نے عورت کو مہر کے عوض خرید لیا ہے اور یہی وجہ تھی کہ شوہر کے مرنے کے بعد وہ مال متروکہ بن جاتی تھی۔

نسوانی ناموس کا حشر غیر اقوام میں:

یہ تو آپ نے جاہلیت کی ظلمت میں عرب کا حال دیکھا، اب بتانا یہ ہے کہ عرب سے باہر عورتوں کے ساتھ اور ان کی عفت و عصمت کے ساتھ کیا سلوک برتا جاتا تھا، اس سلسلہ میں ایک مشہور غیر مسلم ڈاکٹر گستاؤلی بان کی شہادت ملاحظہ فرمایے:

''یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے ...... اگر کسی عورت کا بچہ خلاف فطرت پیدا ہوتا تو اس کو مار ڈالتے تھے۔''[۲]

'' اسپارٹا میں اس بدنصیب عورت کو جس سے کسی قومی سپاہی کے پیدا ہونے کی امید نہ ہوتی، مار ڈالتے تھے،جس وقت کسی عورت کے ہاں بچہ ہو چکا ہوتا تھا تو ملکی فوائد کی غرض سے اسے (عورت کو) دوسرے شخص کی نسل لینے کے لیے اس کے

---

۱ بخاری، کتاب النکاح ،باب من قال لا نکاح الا بولی : ۵۱۲۷۔

۲ تمدن عرب : ۳۷۲۔

خاوند سے عاریتاً لے لیتے۔‘‘ ①

’’یونانی اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ تمدن کے زمانہ میں بھی بجز طائفہ کے کسی عورت کی قدر نہیں کرتے تھے۔‘‘ ②

’’عہد قدیم‘‘ کے باب ’’واعظ‘‘ میں لکھا ہے:

’’جو کوئی خدا کا پیارا ہے وہ اپنے آپ کو عورت سے بچائے گا۔ ہزار آدمیوں میں سے میں نے ایک پیارا پایا ہے لیکن تمام عالم کی عورتوں میں ایک عورت بھی ایسی نہیں پائی جو خدا کی پیاری ہوتی۔‘‘ ③

روم میں:

’’مرد کی حکومت اپنی بیوی پر جابرانہ تھی ......جس کا معاشرہ میں کوئی حصہ نہیں تھا اور شوہر کو اس کی جان پر بھی پورا حق حاصل تھا اور یہی حال یونان کا تھا۔‘‘ ④

یہودی قانون:

توریت استثناء باب ۲۵، نمبر ۵ تا ۱۰ میں ہے:

’’اگر ایک جگہ دو بھائی رہتے ہوں اور ان میں سے ایک بے اولاد مر جائے تو اس متوفی کی بیوی کا بیاہ کسی اجنبی سے نہ کیا جائے بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس سے خلوت کرے اور اسے اپنی بیوی بنائے اور بھاوج کا حق اسے ادا کرے اور یوں ہو گا کہ پہلوٹھا جو اس سے پیدا ہو، تو اس کے متوفی بھائی کے نام کا شمار ہو گا، تا کہ اس کا نام اسرائیل سے نہ مٹ جائے۔ اگر یہ شوہر بننے سے انکار کرے تو اس کے بھائی کی بیوی ججوں کے سامنے اس کے نزدیک اپنے پاؤں کی جوتی نکالے اور اس کے منہ پر تھوک دے اور جواب دے اور کہے کہ اس شخص کے ساتھ جو اپنے بھائی

---

① تمدن عرب: ۳۷۳۔ ② ایضاً: ۳۷۳۔

③ ایضاً: ۳۷۳۔ ④ ایضاً: ۳۷۳۔

کا گھر نہ بنائے گا، یہی کیا جائے گا اور اسرائیل میں اس کا نام یہ رکھا جائے کہ یہ اس شخص کا گھر ہے جس کا جوتا نکالا گیا۔''①

کتاب مقدس میں لکھا ہے:

''عورت موت سے زیادہ تلخ ہے۔''②

ہندو قانون:

ہندوؤں کے قانون میں عورت اور اس کی عفت وعصمت کی کیا قدر تھی، اس سلسلہ میں پہلے سوامی دیانند سرسوتی جی مہاراج کی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' سے یہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

'' شادی آٹھ قسم کی ہوتی ہے :ایک براہم، دوسری دیو، تیسری آرش، چوتھی پرجاپت، پانچویں آسر، چھٹی گاندھرب، ساتویں راکشش، آٹھویں پیشاج۔

ان شادیوں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ دولہا دلہن کامل برہمچاری، پورے فاضل دھارمک اور نیک سیرت ہوں، ان کی باہم رضامندی سے ہونے والی شادی کو ''براہم'' کہا جاتا ہے۔''

۲۔ بڑے یگ میں عمدہ طور پر یگیہ کرتے ہوئے داماد کو زیور پہنی ہوئی لڑکی دینا ''دیو۔''

۳۔ دولہا سے کچھ لے کر شادی ہونا ''آرش۔''

۴۔ دونوں کی شادی دھرم کی ترقی کے لیے ہونا ''پرجاپت۔''

۵۔ دولہا دلہن کو کچھ دے کر شادی کرنا ''آسر۔''

۶۔ بے قاعدہ، بے موقع کسی وجہ سے دولہا دلہن کا برضا ورغبت میل ہونا ''گاندھرب۔''

۷۔ لڑائی کرکے جبراً یعنی چھین جھپٹ کر یا فریب سے لڑکی حاصل کرنا ''راکشش۔''

---

① حاشیہ اسلام کے سیاسی نظریے: ۲۱۸/۱۔

② تمدن عرب : ۳۷۳۔

۸۔ سوئی ہوئی یا شراب وغیرہ پی کر بے ہوش ہوئی یا پاگل لڑکی سے بالجبر ہم بستر ہونا ''پیشاج'' کہلاتا ہے۔''[۱]

خاندان کی یا چند بھائیوں کی مشترکہ بیوی کا رواج ہندوستان قدیم کا ایک جانا پہچانا رواج ہے۔[۲]

منوسمرتی ادھیائے ۹ نمبر ۵۹ کا خلاصہ یہ ہے:

''برہمنوں کے یہاں نیوگ کا رواج ہے کہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں خسر وغیرہ کا حکم پا کر عورت رشتہ دار سے یا دیور سے اولاد حسب دلخواہ حاصل کرے۔''[۳]

''ستیارتھ پرکاش'' میں ہے:

''عورت بانجھ ہو تو آٹھویں سال (اگر شادی سے آٹھ سال تک عورت کو حمل نہ ٹھہرے) اور اگر اولاد ہو کر مر جائے تو دسویں سال اور اگر اولاد ہو، لیکن لڑکیاں ہی ہوں لڑکے نہ ہوں تو گیارہویں سال تک اور جو عورت بدکلام ہو تو جلدی ہی اس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے۔''[۴]

ایسے ہی اگر مرد نہایت تکلیف دہندہ ہو تو عورت کو چاہیے کہ اس کو چھوڑ کر دوسری عورت کے خاوند سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کر کے اسی بیاہے خاوند کی وارث کرے۔''[۵]

جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو، تب اپنی عورت کو اجازت دے کہ:

''اے نیک بخت! اولاد کی خواہش کرنے والی عورت! تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر، کیونکہ اب مجھ سے اولاد نہ ہو سکے گی۔ تب عورت دوسرے کے

---

① ستیارتھ پرکاش: باب ٤، ص۱۱۷، ۱۱۸۔

② تمدن عرب: ۳٦۸۔

③ حاشیہ اسلام کے معاشی نظریے: ۲۱۸۔

④ ستیارتھ پرکاش: باب ٤، ص۱۵۲، ۱۵۳۔

⑤ ایضاً۔

ساتھ نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے، لیکن اس بیاہے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کمر بستہ رہے...... ویسے ہی عورت بھی جب بیماری وغیرہ میں پھنس کر اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تب اپنے خاوند کو اجازت دے...... کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کیجیے۔"①

نیوگ کے اور بھی بیسیوں مواقع اس کتاب میں مذکور ہیں...... یہ تو شادی بیاہ کا حال تھا۔ اب عورت کی ذات کے متعلق بھی سنیے:

"ہندوؤں کا قانون کہتا ہے: تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہر، زہریلے سانپ ان میں سے کوئی اس قدر خراب نہیں جتنی عورت۔"②

"ہنود کا قانون کہتا ہے: عورت صغر سنی میں باپ کی مطیع ہے، جوانی میں شوہر کی اور شوہر کے بعد اپنے بیٹوں کی اور اگر بیٹے نہ ہوں تو اپنے اقرباء کی، کیونکہ کوئی عورت ہرگز اس لائق نہیں کہ خود مختار طور پر زندگی بسر کر سکے۔"③

ظہور اسلام سے پہلے قدیم ہندوستانی مقنن نے اس بے اعتباری کو صاف ظاہر کیا ہے کہ کسی عورت کو زانیہ کہنے کے لیے اس قدر کافی ہے کہ وہ کسی مرد کے ساتھ اتنی دیر علیحدہ رہی ہو، جتنی دیر میں انڈا اتلا جا سکتا ہے۔④

مسیحی قانون:

ترتولیان مسیحیت کے ابتدائی دور کا امام ہے، وہ مسیحی تصور کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے:

"وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، وہ شجر ممنوع کی طرف لے جانے والی، خدا

---

① ستیارتھ پرکاش: باب ٤، ص ١٥٢، ١٥٣۔

② ایضاً۔

③ ایضاً۔

④ تمدن عرب: ٣٧٣۔

کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر، مرد کو غارت کرنے والی ہے۔'' ①

کرائی سوسٹم جو ایک بڑا مسیحی امام شمار کیا جاتا ہے، عورت کے حق میں کہتا ہے:

'' ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گر دلربائی، ایک آراستہ مصیبت ہے۔'' ②

عورت سے متعلق مروجہ فقرے:

عورتوں کے متعلق مختلف ملکوں میں جو مروجہ مثالی فقرے ہیں، ان سے بھی عورتوں کی قدر ومنزلت پر روشنی پڑتی ہے:

روسی مثل ہے: '' دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے۔''

اطالیون کا قول ہے: '' گھوڑا اچھا ہو یا برا، اسے مہمیز کی ضرورت ہے۔ عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہے۔''

اسپینی زبان میں مثل ہے: '' بری عورت سے بچنا چاہیے، مگر اچھی صورت پر کبھی بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔'' ③

غیر مذاہب میں ازدواجی تعلقات:

اسلام سے پہلے مرد اور عورت کے ازدواجی تعلق کو اخلاق وروح اور اس کی ترقی کے لیے رکاوٹ تسلیم کیا جاتا تھا۔ علامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں اور حوالہ کے ساتھ لکھتے ہیں:

'' اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب تھے، ان سب میں عورت کو اور عورت و مرد کے ازدواجی تعلق کو بہت حد تک اخلاق وروح کی ترقی و مدارج کے لیے مانع تسلیم کیا گیا تھا۔ ہندوستان میں بودھ، جین، ویدانت جوگ اور سادھوپن کے تمام پیرو

---

① پردہ از مولانا مودودی: ۱۲۔

② ایضاً۔

③ تمدن عرب: ۳۷۳۔

اسی نظریے کے پابند تھے۔ عیسائی مذہب میں تجرد اور عورت سے بے تعلقی ہی کمال روحانی کا ذریعہ تھا۔''①

یہ سارے اقتباسات نقل کرنے کی زحمت اس لیے برداشت کی گئی ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ عورتوں کی عفت وعصمت اور خود ان کی ذات کے متعلق مذاہب وادیان کی حامل امتوں کا حال کیا ہوگیا تھا۔

---

① سیرت النبی: ١٧١/٦۔

عورت کے حق میں اسلام کی اصلاحی جدوجہد

انہی گھنگھور گھٹاؤں میں اسلام کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوا اور اس نے اپنی نورانی کرنوں سے اس ''ظلمت کدہ'' دنیا کو ''صبح سعادت'' سے ہم آغوش کیا، بچھڑی ہوئی انسانیت خاک دھول سے اٹھائی گئی، سینہ سے لگائی گئی اور مظلوموں کو سر اٹھانے کا موقع ملا۔

افراط و تفریط ختم ہوئی، اعتدال کے فطری نقطہ پر اسلام نے انسانوں کو لا کر کھڑا کر دیا، جس کا جو حق تھا وہ اس کو دیا گیا...... جور و ستم کی چکیوں میں پسنے والی صنف نازک (عورت) کو بھی پوری قوت کے ساتھ اسلام نے اپنے دامن حمایت کے سایہ میں لیا، ناموس نسوانی کی قدر و قیمت کے سوال کو زندہ کیا گیا، اس راہ میں کسی قسم کی چشم پوشی روا نہ رکھی گئی، بدکاری اور بے آبروئی کے جتنے سرچشمے تھے، ایک ایک کر کے بند کیے گئے، ازدواجی تعلقات کے آئین و قانون حدود میں لا کر جنسی میلانات کو اعتدال و ضابطہ کا پابند بنایا گیا اور نسل انسانی کے اضافہ کے صحت بخش طریقے نافذ کیے گئے، عائلی زندگی کو خوشگوار ماحول کے قالب میں ڈھالا گیا۔ بجائے لعنت کے عورت رحمت وسکینت کا مظہر ٹھہرائی گئی، ترک نکاح کے راہبانہ نظریہ کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے ازدواجی زندگی پر زور دیا گیا اور اسے ضروری قرار دیا گیا۔

عورتوں کی حیثیت کا اعلان:

پہلا ''قرآنی مشورہ'' نسوانی حقوق کے سلسلہ میں جس کا اعلان کیا گیا، یہ تھا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء:۱)

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم سب کو ایک جاندار سے پیدا کیا اوراس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اوران دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔''

جس کا حاصل یہی ہوا کہ مرد اورعورت ایک ہی سرچشمہ کی دوموجیں ہیں ''انسانیت'' کی حدتک دونوں میں کمی وبیشی کے خیالات کا تعلق واقعہ سے نہیں بلکہ صرف وسوسہ سے ہے۔

اس آیت میں بھی حقیقت واشگاف کی گئی ہے کہ عورت جس کو مرد انسانیت سے خارج سمجھنے کی کوشش کررہے تھے از سرتا پا غلط ہے۔ان دونوں کی ایک ہی جان سے پیدائش ہے اور پھرانہی سے مرد وعورت کی یہ بہتات ہے،عورت کوئی جداگانہ یا الگ مخلوق نہیں بلکہ وہ بھی انسان ہی ہے، جیسے مرد انسان ہیں۔عورت و مرد دونوں کا منبع ومخرج ایک ہی ہے پھران دونوں میں ذاتی تفاوت کیونکر ہوسکتا ہے، بلکہ اس نسبت سے ہرایک کو دوسرے کی قربت پرفخر کرنا چاہیےاور اپنے لیے باعث فخر وعزت سمجھنا چاہیے۔ بلکہ مشہور قرآنی آیت:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات:۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اورتمہاری ذاتیں اور برادریاں بنائیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، ورنہ اللہ کے نزدیک تم میں بڑا عزت والا وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیز گار ہے۔''

اس آیت سے جہاں دوسرے نتائج سامنے آتے ہیں، وہیں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ کوئی مرد ایسا نہیں ہے جس کی پیدائش میں عورت کی شرکت نہ ہو، ایسا مرد جو صرف مرد ہی سے پیدا ہوا ہو، اس کا دعویٰ کون کرسکتا ہے؟ پھرمرد کو کیا حق ہے کہ مردوں کو

باعزت اور عورتوں کو حقیر و ذلیل سمجھے۔ انسانی جسم کی بناوٹ میں مرد کے ساتھ عورت کا حصہ بھی شریک ہے بلکہ طبی تحقیقات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا حصہ اس کی تعمیر میں زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ اللہ، اللہ!

عورت جب ماں بن کر بچے کو اپنے پیٹ میں رکھتی ہے، پھر اسے جنتی ہے، پرورش کرتی ہے، دودھ پلاتی ہے، ذرا سوچیے تو سہی کہ مرد اس کے مقابلہ میں ''بچے'' کے لیے کیا کرتا ہے؟ عورت ہی کے پیٹ میں ہم شکل وصورت پاتے ہیں، اسی کے پیٹ میں ہماری جان کا تعلق ہمارے جسد کے ساتھ قائم ہوتا ہے، بھلا اسی عورت کا وجود باعث عار بن جائے؟ کوئی بات ہو، عورت ہی نے اس وقت ہماری تربیت اور پرداخت کی ہے جب ہم میں چلنے پھرنے کی سکت نہیں تھی، بولنے اور اپنی تکلیف وضرورت بتانے کی طاقت نہیں تھی، اسی نے ہمیں چلنے کا سلیقہ سکھایا، بولنے کی مشق کرائی اور اسی جنس نے سن شعور تک ہماری خدمت کی، بایں ہمہ عورت ذلیل وحقیر ہوگئی؟ تف ہے اس عقل پر جو یہ سوچے، پھٹکار ہے اس زبان پر جو اس خیال کو ظاہر کرے اور ملعون ہے جو اپنے دل میں اس قسم کے بے ہودہ وسوسوں کو جگہ دے۔

بہر حال یہ اور اس طرح کی دوسری قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہی بتایا ہے کہ عورت باعث عار ہرگز نہیں ہے اور ذاتی شرف وعزت میں بھی وہ مرد سے کسی درجہ میں کم نہیں لہٰذا عورتوں کو جانوروں کی طرح ناجائز استعمال کرنا اور ان کے ناموس کو زرکشی کا آلہ بنا لینا، انسانیت کی توہین اور آدمیت کی تحقیر کی بدترین شکل ہے۔

عورتوں کا مقصد:

انسانیت میں کلی اشتراک کے باوجود، دونوں صنفی جنسوں کے اندر بعض عضوی اختلافات میں اس اللہ حکیم کی جو حکمتیں پوشیدہ ہیں، یوں بھی ان سے کوئی ناواقف نہیں ہے۔ ماسوا اس کے کہ اپنی کاریگریوں کے بھید کو جتنا زیادہ کاریگر جانتا ہے اتنا کوئی اور نہیں جانتا، انجان اس کی تہوں تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (الشوریٰ: ۴۹، ۵۰)

”آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عنایت کرتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں دونوں قسم کی اولاد دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ بے شک وہ جاننے والا قدرت والا ہے۔“

پھر بچی کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھانے کی کیا ضرورت اور منہ بگاڑنے کا کیا مطلب؟ یہ تو انسان کی خام عقلی ہے کہ رحمت کو اس نے اپنے لیے زحمت خیال کر رکھا ہے۔ اگر یہ بچیاں جوان ہو کر عورتیں نہ بنیں اور تمہاری شادیاں نہ ہوں ......تو بتایے یہ بچے، یہ تنومند لڑنے والے جوان کہاں سے آئیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کی ماں نے جب منت مانی اور ان کے یہاں خلاف توقع لڑکے کی جگہ لڑکی پیدا ہوئی تو حسرت سے کہنے لگیں:

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ۝ (آل عمران: ۳۶)

”اے پروردگار! میں نے تو وہ حمل لڑکی جنی۔“

پروردگار! یہ تو میرے بچی ہوئی، میری مراد بر نہ آئی، جس مقدس کام کی منت مانی تھی اس میں تو لڑکے کا کام تھا، لڑکی قبول نہیں کی جاتی۔ رب العالمین نے ام مریم کی یہ حسرت بھری آواز سنی تو فرمایا:

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۝ (آل عمران: ۳۶)

”اس کو اللہ تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں جو اس نے جنا اور لڑکا لڑکی کے برابر نہیں ہو سکتا تھا۔“

اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے اور وہ اپنے علم کے مطابق جانتا ہے کہ اس لڑکی کے برابر لڑکا نہیں ہوسکتا ہے۔ جو خیر و برکت اور جو خاندانی اعزاز اس لڑکی سے حاصل ہوگا، لڑکے سے نہیں ہوسکتا تھا۔ تم نے اپنی انسانی روش سے سوچا اور گھبرا گئیں۔ رب العالمین جو کام اس لڑکی کے ذریعہ لینے والا ہے، وہاں تک تمہاری رسائی نہ ہوسکی۔

مستقبل نے بتایا کہ مریم علیہاالسلام کا وجود خود ام مریم کے اعزاز کے لیے اور دنیا کی فلاح و نجات کے لیے کتنا مبارک وجود ثابت ہوا۔ انہی مریم علیہاالسلام سے عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام نے جنم لیا اور بالآخر دنیا کو حق کا پیغام سنایا اور کتنوں کی نجات کا باعث ہوئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسیح علیہ السلام کو جنم دینے والی عورت مسیح پر ایمان لانے والوں کی نگاہوں میں شیطان کے آنے کا راستہ، ناگزیر برائی وغیرہ وغیرہ کیسے ہوگئی؟

قتل کی روک تھام:

پھر اسلام نے آکر لڑکیوں کے قتل سے روکا، فقر و فاقہ کا خوف ان کے دل سے نکالا۔ ’’الرزاق‘‘ کی ’’قوت متین‘‘ پر اعتماد کا جذبہ پیدا کیا اور اعلان کر دیا گیا:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ

(الأنعام: ۱۵۱)

’’تم اپنی اولاد کو افلاس کے سبب سے قتل نہ کرو، ہم ان کو اور تم کو رزق دیں گے۔‘‘

سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا

(الإسراء: ۳۱)

’’تم اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بے شک ان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔‘‘

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قتل اولاد سے بالکلیہ روک دیا، لڑکا ہو یا لڑکی، کسی کا قتل شریعت نے جائز نہیں رکھا اور انسان کی اس جرأت کو برداشت نہیں کیا۔ فقر و فاقہ کا موہوم خیال ان کے دل سے نکالا اور یقین دلایا کہ رزق اور روزی دینے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔ موجودہ غربت میں تم سوچتے نہیں کہ کہاں سے کھاتے ہو؟ کس طرح تم کو روزی ملتی ہے؟ رب العزت روزی کا انتظام کر کے آئندہ نسلوں کو پیدا کرتے ہیں۔ علیم و قدیر کے بجٹ (میزانیہ) میں گنجائش نہ ہو اور لوگوں کو پیدا کرتا چلا جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ خالق، خالق نہیں...... بلکہ کوئی بگڑا ہوا امیر، نواب یا راجہ ہے، جس کے خزانہ میں تنخواہ دینے کے لیے ایک روپیہ تک نہیں مگر لوگوں کو نوکر رکھتا چلا جاتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک!) براہ راست ''رزقی ضمانت'' کا یہ لاہوتی وثیقہ جب نازل ہو چکا ہے:

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ ﴿٦﴾ (هود:٦)

''جتنے زمین میں چلتے پھرتے ہیں، سب کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔''

تو اب اس کے بعد سوچنے والے جو کچھ سوچتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا انکار ہی کر کے سوچتے ہیں۔

لڑکیوں سے حسن سلوک کی ترغیب:

اسلام نے اتنا ہی کر کے نہیں چھوڑ دیا کہ عورت کو اس کا صحیح مقام عطا کیا، لڑکیوں کا قتل بند کر دیا اور رزق کا اندیشہ جو انسان کو کھائے جا رہا تھا، اللہ تعالیٰ پر بھروسا کا سبق دے کر اس فکر سے کنارہ کش کر دیا، بلکہ رسول اللہ ﷺ تو جہاں موقع ملتا لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہو گا اور اتنا قریب ہو گا جتنی آپس میں یہ انگلیاں

نزدیک ہیں۔" اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا۔"①

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"ایک دن میرے پاس ایک عورت آئی جو اپنے ساتھ دو لڑکیوں کو بھی لیے ہوئے تھی، غریب و بے کس تھی۔ اس نے مجھ سے سوال کیا، میرے پاس صرف ایک خشک کھجور تھی، وہی مانگنے والی عورت کو دے دی، اس نے اسے لے کر دو حصے کیے اور آدھی آدھی دونوں بچیوں کو دے دی، خود کچھ نہ کھایا، پھر وہ اٹھی اور چلی گئی۔ آنحضرت ﷺ جب اندر تشریف لائے تو میں نے یہ واقعہ آپ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے سن کر فرمایا: "جو بھی ان لڑکیوں کے لیے تکلیف جھیلتا ہے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے، ان کے لیے یہ لڑکیاں دوزخ کی آگ سے ڈھال بن جائیں گی۔"②

یعنی دوزخ کی آگ لڑکیوں کی پرورش کرنے والوں کو نہ جلائے گی...... مندرجہ بالا دلنشیں انداز بیان کو پڑھیے اور غور کیجیے کہ اسلام نے ان بچیوں کی پرورش اور اچھی پرورش و پرداخت کی کتنی ترغیب دی ہے اور انسان کو کتنے اچھے پیرائے میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک اور واقعہ بیان کرتی ہیں: "ایک غریب عورت آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں تھیں۔ اس مرتبہ میں نے اس عورت کو تین کھجوریں دیں۔ اس ممتا بھری ماں نے ایک ایک کھجور دونوں لڑکیوں کو دی اور تیسری خود کھانے کے لیے اٹھائی۔ منہ تک لا چکی تھی کہ دونوں لڑکیوں نے وہ بھی مانگ لی۔ اس عورت نے خود نہ کھائی اور اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے، جسے خود کھانا چاہ رہی تھی وہ آدھی آدھی دونوں لڑکیوں کو دے دی۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کی یہ ادا مجھ کو بہت بھائی۔ رحمت عالم ﷺ تشریف

---

① مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الاحسان الی البنات: ٢٦٣١۔

② مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الإحسان الی البنات :٢٦٣٩۔ ترمذی: ١٩٤٥۔

لائے تو میں نے مامتا کی ماری ماں کا یہ اثر انگیز قصہ آپ ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَوْ جَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ اَوْ اَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ)) ①

''ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لیے جنت واجب کر دی یا ان کی وجہ سے اسے دوزخ سے آزاد کر دیا۔''

یہ شان تھی رحمت عالم ﷺ کی اور اسلام کی نظر میں یہ عزت افزائی تھی عورتوں کی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی عمر کے آخری ایام میں فرمایا:

''لوگو! خبردار ہو جاؤ، میں تم کو دو کمزوروں کے حقوق کی تاکید کرتا ہوں اور اس میں کوتاہی کرنے سے ڈراتا ہوں۔ ایک یتیم دوسرے عورت۔''②

یہ سارا اہتمام اس لیے تھا کہ عورت کا ناموس، ان کی عزت وعفت محفوظ رہ سکے، معاشرہ میں ان کو وہی مقام دلایا جائے جس کی قدرتی طور پر صنف نازک مستحق تھی۔ لوگ ان کو گری پڑی چیز خیال نہ کریں۔ پھر خود رحمت عالم ﷺ سے لوگوں نے آکر بیان کیا تھا:

''جاہلیت میں میں نے دس لڑکیاں اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کی ہیں۔''

کسی نے کہا:

''میں نے اپنی بچی کو بلایا، وہ ہنستی دوڑتی میرے ساتھ آئی اور جب ایک کنویں کے پاس پہنچی تو میں نے ہاتھ پکڑ کر کنویں میں ڈال دیا، وہ میرے ابا! میرے ابا! پکارتی رہی۔''

یہ سن کر رحمت عالم ﷺ اتنا روئے کہ ریش مبارک تر ہو گئی۔ ③

---

① مسلم، کتاب البر والصلة، باب الاحسان الی البنات: ۲۶۳۰۔ ابن ماجه: ۳۶۶۸۔ ابن حبان: ۴۴۸۔ مسند احمد: ۹۲/۶۔

② مسند احمد: ۴۳۹/۲۔

③ سیرۃ النبی، جلد ششم بعنوان اولاد کا حق۔

یہی وہ گواہیاں ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ جہاں کے ہادی محمد رسول اللہ ﷺ مردوں ہی کے نہیں، بلکہ عورتوں کے بھی پیغمبر اور رسول ہیں۔ مردوں ہی کے لیے نہیں روتے تھے بلکہ عورتوں کی مظلومیت بھی آپ ﷺ کو رلا دیتی تھی۔

میراث میں عورتوں کا حصہ:

اور سچ تو یہ ہے کہ قرآن میں یہ اعلان کر کے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (النساء: ١١)

"اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کی میراث کے بارے میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو مورث چھوڑ کر مرا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کا نصف ملے گا۔"

عورت کو شاید پہلی دفعہ اس کا موقع دیا گیا کہ اپنے مملوکہ مال و جائداد کی بدولت چاہے تو مردوں کی دستگیری کے بغیر ہی راحت و آرام کی زندگی بسر کر سکتی ہے۔

لڑکیاں جو اب تک میراث سے محروم تھیں ان کو اسلام نے میراث دی، غور فرمایئے:

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ (النساء: ١١)

"لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے برابر۔"

اس میں محور لڑکی کو قرار دیا جا رہا ہے، پیمانہ لڑکے کا حصہ نہیں لڑکی کا حصہ بن رہا ہے۔ اسلام نے لڑکیوں کو جب یہ حق دیا تو بہت لوگوں کو تعجب ہوا کہ ان لڑکیوں کو بھی حصہ ملے گا جو جنگ نہیں کر سکتیں اور حصہ بھی اتنا زیادہ۔

مگر اسلام آیا ہی دنیا میں حق داروں تک ان کے حقوق کو پہنچانے کے لیے، ظلم و جور کے قصروں کو ڈھانے کے لیے تھا اور اس دین کا تو منشا ہی یہ تھا کہ ملکیت کا اقتدار مردوں ہی کا مخصوص امتیاز نہیں ہے بلکہ اس اقتدار میں عورت بھی مرد کی شریک ہے۔

اس حقیقت کا اظہار قرآن میں بایں الفاظ بھی کیا گیا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿٧﴾

(النساء: ۷)

’’اس چیز میں جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ کر مرجائیں مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اور عورتوں کے لیے بھی۔ جو حصہ قطعی طور پر مقرر ہے، خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر۔‘‘

ماں کی حیثیت سے:

عورت خواہ کسی قالب میں ہو ماں ہو، بیٹی ہو، بیوی ہو، محض عورت ہونے کی وجہ سے، ملکیتی اقتدار سے محروم نہیں ہوسکتی۔ ماں کا ذکر کر کے فرمایا گیا:

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ﴿١١﴾

(النساء: ۱۱)

’’میت کے ترکہ میں اگر میت کی اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اور اگر اس میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی حصہ ہے اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔‘‘

اس آیت میں جہاں باپ کو وارث قرار دیا گیا ہے، وہاں ماں بھی وارث قرار دی گئی ہے۔ کہیں تہائی حصہ اور کہیں چھٹا حصہ، مگر ایسا نہیں کیا کہ ماں چونکہ عورت ہے اس لیے وہ وراثت سے محروم ہے اور حصہ پانے کی حق دار نہیں۔

بیوی کی حیثیت سے:

عورت نے لڑکی ہونے کی حیثیت سے بھی حصہ لیا اور ماں ہونے کی حیثیت سے بھی حق دار ٹھہری، اب ملاحظہ کیجیے بیوی ہو کر بھی وہ حصہ پاتی ہے، یہاں بھی وہ محروم نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ
فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ
وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ
إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ
مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴿١٢﴾

(النساء: ۱۲)

"اس ترکہ میں سے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اور ان کی اولاد نہ ہو تو تم کو آدھا ملے گا اور اگر ان کے کچھ اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا۔ بہرحال یہ میراث ہے، وصیت کر گئی ہوں تو وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد ملے گی اور جس کو تم چھوڑ جاؤ اور تمہارے کوئی اولاد نہ ہو تو ان بیبیوں کو ترکہ چوتھائی حصہ ملے گا اور اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا، مگر یہ میراث تمہاری وصیت پوری کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد ملے گی۔"

یہاں پر جیسے شوہر بیوی کا وارث گردانا گیا ہے ٹھیک اسی طرح بیوی کو بھی شوہر کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ کوئی نہیں ہے جو بیوی کو اس کے شوہر کے مال سے محروم کر دے۔

عورت خسارہ میں نہیں:

اب رہا حصہ کی مقدار کا مسئلہ، سو اگر غور کیا جائے تو حالات کے لحاظ سے بہ نسبت مرد کے عورتیں ہی نفع میں نظر آئیں گی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ عورت جب بیوی بن کر کسی کے گھر جاتی ہے خواہ باپ کے گھر سے کچھ بھی لائی ہو، بڑی سے بڑی جائداد کی مالکہ بن کر ہی شوہر کے گھر کیوں نہ آئی ہو، لیکن باوجود اس کے بیوی اور بیوی سے پیدا ہونے والے بچوں کے سارے مصارف کا قانوناً و شرعاً شوہر ہی ذمہ دار ہے۔ ایسی صورت میں عورت کو جو بھی حصہ ملا اس کام کے لیے کافی ہے کہ اللہ نہ کرے کوئی صورت ایسی پیش آجائے کہ شوہر کی امداد سے وہ محروم ہو جائے تو اتفاقی حوادث کی ان صورتوں میں اپنے مال سے مستفید ہوسکتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو روپیہ کی جگہ آٹھ آنے بھی اس نقطۂ نظر سے عورت کے لیے کافی و وافی ہیں اور اسی قسم کی عمیق مصلحتیں آپ کو عورتوں کے دوسرے حصوں کے متعلق نظر آئیں گی۔

ماں کے روپ میں عورت کا احترام:

پھر ایک اور طریقہ سے عورتوں کی حرمت و عزت بڑھائی کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا اور اس کی محبت جو اولاد کے ساتھ ہوتی ہے اس کو جتایا اور قرآن پاک میں صراحتاً یہ حکم بھی دیا ہے کہ ماں باپ کے سامنے کبھی ''ہوں اور اف'' تک نہ کہو، ظاہر اور باطن دونوں طرح ماں کی عزت کرو۔ زبان بھی نرم ہو اور قلب میں بھی جھکاؤ ہو۔ ①

رحمت عالم ﷺ وقتاً فوقتاً قرآنی اجمال کی تفصیل کر کے بتایا کرتے تھے، کبھی فرماتے کہ

---

① ﴿ فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳، ۲۴)
اس آیت میں والدین کی عظمت کا بیان ہے۔

تمہاری ماں سب سے زیادہ تمہاری تعظیم وتکریم کی مستحق ہے۔ ① ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ ②

بغیر ماں باپ کی خوشنودی ، اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل نہیں ہوسکتی۔ ③ یہ اور اس طرح کی بیسیوں احادیث میں ماں کے غیر معمولی احترام وتکریم پر زور دیا گیا ہے۔

الغرض اسلام میں عورتوں کا صحیح مقام جب متعین کر دیا گیا اور گزشتہ غلط احساسات کی جگہ یہ ذہن نشین کرا دیا گیا کہ عورتوں کا کام صرف نسل بڑھانا اور مردوں کی فقط خدمت گزاری ہی نہیں ہے بلکہ وہ بھی دنیا میں عروج اور قدر ومنزلت کی اسی طرح مستحق ہے جیسے مرد۔ اس کی پوری تفصیل آپ کو فقہ کی کتابوں میں مل سکتی ہے، میں نے صرف چند کلیاتی اشاروں کا بطور ضروری تمہید کے ذکر کر دیا۔ اصل مقصود جسے اس کتاب میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ''نسوانی ناموس'' اور عفت وعصمت کی حفاظت ونگرانی کے سلسلہ میں جو ضوابط اسلام میں مقرر کیے گئے ہیں اور آئینی حدود میں لاکر مسلمانوں کی زندگی پر ان کی پابندی لازم کی گئی ہے، اسی مسئلہ پر تبصرہ کروں۔

---

① بخاری، کتاب الأدب، باب من احق الناس بحسن الصحبة : ۵۹۷۱۔

② نسائی، کتاب الجهاد، باب الرخصة فی التخلف لمن له والدة : ۳۱۰۴ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔

③ ترمذی، کتاب البر والصلة، باب الفضل فی رضا الوالدین : ۱۸۹۹۔

اسلام میں عورت کی عفت وعصمت کا تحفظ

اس نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ عورتوں کی عصمت اتنی اہم چیز ہے جس کا بدل دنیا کا سارا مال و متاع بھی نہیں بن سکتا۔ عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے دولت صرف ہوسکتی ہے نہ کہ حصول دولت کے لیے عورتوں کی ناموس کا فروخت کرنا جائز ہوسکتا ہے۔ الغرض جو ہماری ''ماں، بیٹی'' اور ہماری ''بیوی'' ہے۔ (العیاذ باللہ!) اس کو بیسوا اور بازاری عورت بنا کر رسوا اور ذلیل کرنے پر وہی راضی ہوسکتا ہے جو اپنی ''انسانیت'' اور انسانی حمیت و غیرت کا دیوالیہ نکال چکا ہو۔

انسانیت سوز رواج کا خاتمہ:

جاہلیت کا یہ دستور کہ شوہر اپنی بیوی کو غیر مرد کے پاس عمدہ نسل لینے کے لیے بھیج دے، ایک عورت نو نو مردوں کو بیک وقت اپنے آپ سے ہم بستر ہونے کا موقع دے، ان انسانیت سوز، حمیت گداز رواج کا خاتمہ، جیسا کہ آپ پڑھ چکے، اسلام نے ہمیشہ کے لیے کر دیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان گزر چکا ہے:

((فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ هَدَمَ نِكَاحَ الْجَاهِلِيَّةِ كُلَّهَ اِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ الْيَوْمَ)) [1]

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب حق لے کر معبوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے سارے

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح الا بولی: ۵۱۲۷۔

نکاحوں کی بنیاد ڈھادی سوائے اس کے جو آجکل رائج ہے"۔

صرف ان طریقوں ہی کو نہیں روکا، بلکہ دوسرے ان تمام طریقوں کو بھی حرام قرار دے دیا جس سے عفت وعصمت پر زد پڑ سکتی تھی، جس سے نسل اور میراث میں گڑبڑ پیدا ہوتی تھی، جس سے صلہ رحمی اور مروت کی شہ رگ کٹتی تھی اور ان کو زنا کا نام دے کر لوگوں کو آگاہ کر دیا گیا اور قرآن ہی میں اعلان کیا گیا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰٓ إِنَّهُۥ كَانَ فَٰحِشَةً وَسَآءَ سَبِيلًا ﴿٣٢﴾ (بنی اسرائیل: ۳۲)

"اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو، بلا شبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور برا راستہ ہے۔"

زنا اور اس کے مفاسد:

اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ زنا نہ کرو، بلکہ فرمایا: "زنا کے قریب بھی مت جانا۔" جس کا مطلب یہی ہے کہ زنا ہی نہیں بلکہ ہر وہ کام اور طریقہ جو زنا کے پنجے تک پہنچانے والا ہو، سب ہی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے اور اگر غور کیا جائے تو قرآن کے ان اجمالی الفاظ میں بعض لطیف اشارے بھی آپ کو مل سکتے ہیں۔ یعنی فطرت انسانی میں جو نفرت اور برائی کا احساس زنا کے متعلق پایا جاتا ہے اس کی طرف " فَاحِشَةٌ " کے لفظ سے اشارہ فرماتے ہوئے "سَآءَ سَبِيلًا " (برا ہے راہ کے اعتبار سے) کے الفاظ سے اگر سمجھا جائے تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے نسب میں اختلاط اور گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا اثر میراث، مسائل حرمت، حقوق کی پامالی اور اخلاق پر پڑتا ہے اور سلسلہ بسلسلہ نامعلوم یہ کہاں جا پہنچتا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ضمن میں زنا کے مفاسد کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ زنا سے نسب مختلط اور مشتبہ ہو جاتا ہے، آدمی یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ زانیہ کی یہ اولاد کس مرد سے ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بچہ کی پرورش کا کوئی مرد بھی ذمہ

دار نہیں بنتا، بچہ ضائع ہو جاتا ہے (یا خود ماں ایسے بچہ کو مار کر پھینک دیتی ہے) یا وہ غریب بچہ سرپرست نہ ہونے کی وجہ سے نتیجتاً تباہ و برباد ہو جاتا ہے، جو عالم کی ویرانی اور انقطاعِ نسل کا سبب بنتا ہے۔

۲۔ زانیہ پر دسترس شرعی قانون میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ اس نے کسی کے ساتھ باضابطہ نکاح نہیں کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اس عورت پر ہر شخص قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا اور وجہ ترجیح کسی کو بھی حاصل نہ ہوگی، پھر اس راہ میں تباہیوں اور بربادیوں کے جو طوفان اٹھتے رہتے ہیں، معاشقہ اور آوارگی کی تاریخ میں اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ زناکار عورت کو زنا کی لت پڑ جاتی ہے، طبع سلیم رکھنے والے مرد کو ایسی عورت سے گھن آتی ہے۔ پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی سلیم الطبع شخص اس سے شادی کرنے کے لیے اپنے کو آمادہ نہیں کر سکتا، محبت و الفت تو خیر دور کی بات ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو عورت زنا میں مشہور ہو جاتی ہے، اس سے لوگ عموماً نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور سوسائٹی میں وہ حقیر اور ذلت آمیز نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

۴۔ زنا کا جب دروازہ کھل گیا، کوئی مستقل قاعدہ قانون باقی نہ رہا تو پھر کسی خاص مرد کو کسی خاص عورت سے کوئی خاص لگاؤ نہیں رہے گا، جس کو جہاں موقع مل گیا اور جس نے جس کو بلایا، وہاں دونوں مل گئے اور جو کچھ کرنا چاہیں کر گزریں گے اور یہی حال حیوانات کا ہے، پھر انسان وحیوان میں کونسا فرق باقی رہ جائے گا؟

۵۔ عورت سے صرف یہی مقصود نہیں ہے کہ اس کے پاس پہنچ کر جنسی تقاضے پورے کیے جائیں بلکہ مقصد یہ بھی ہے کہ دو جان مل کر ایک دوسرے کے رفیق و شریک ہوں، گھر کے کاموں میں بھی، کھانے پینے میں بھی، بچوں کی تعلیم و تربیت میں بھی اور زندگی کی دوسری ضروریات میں بھی، پھر غم میں بھی اور خوشی میں بھی، تنگ حالی میں بھی اور خوش

حالی میں بھی۔ یہ ساری باتیں اس وقت تک قطعاً پوری نہیں ہوسکتیں جب تک عورت کسی ایک کی جائز طریقہ پر ہوکر نہ رہے اوراس کی شکل یہی ہوسکتی ہے کہ زنا کو بالکلیہ حرام قرار دے دیا جائے اور نکاح کے قانونی دائرہ میں عورت اور مرد کے تعلقات کو محدود کیا جائے۔

٦۔ ہم بستری پردہ کی بات ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کا تذکرہ اشارتاً کیا جاتا ہے اور جوکوئی اس کام کو کرتا ہے تو پردہ کی اوٹ میں کہ کسی کی نگاہ نہ پڑنے پائے۔ پس معلوم ہوا کہ اس کو کم سے کم کرنا قرین عقل وقیاس ہے اور اس کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ جائز طور پر ایک عورت ایک مرد کی ہوکر رہے، ورنہ پھر یہ چیز حاصل نہیں ہوسکتی۔

یہ وہ چھ خرابیاں ہیں جو بالکل عیاں ہیں۔ [١]

ایک نوجوان کو آنحضرت ﷺ کی نصیحت:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ایک روایت نقل کی ہے، جس کے راوی حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ایک نوجوان خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اوراس نے درخواست کی کہ یارسول اللہ ﷺ! مجھے زنا کی اجازت دی جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی گستاخی بہت بری معلوم ہوئی اور ہر ایک نے اس کو ڈانٹا اور اس کے اس سوال پر نفرت کا اظہار کیا۔

آنحضرت ﷺ نے اس جوان سے فرمایا: ''قریب آجاؤ۔'' وہ قریب آگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ۔'' وہ بیٹھ گیا۔ اب آپ ﷺ نے اس کو سمجھانے کے لیے سوال وجواب شروع کردیے:

آنحضرت ﷺ : ''کیا تم اس (زنا کے) کام کو اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو؟''

نوجوان : ''نہیں یارسول اللہ!''

---

١ تفسیر کبیر: ٥/٣٩٤۔

آنحضرت ﷺ : ''دوسرے لوگ بھی اس برائی کو اپنی ماں کے لیے پسند نہیں کرتے۔''

آنحضرت ﷺ : ''اس زنا کو تم اپنی بیٹی کے حق میں اچھا جانتے ہو؟''

نوجوان : ''میں آپ پر نثار ہوں، نہیں یا رسول اللہ!''

آنحضرت ﷺ : ''دوسرے لوگ بھی اس بدکاری کو اپنی بیٹیوں کے لیے اچھا نہیں جانتے۔''

آنحضرت ﷺ : ''اس زنا کو تم اپنی بہن کے لیے پسند کرتے ہو؟''

نوجوان : ''نہیں! اللہ کی قسم! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔''

آنحضرت ﷺ : ''لوگ بھی اسے اپنی بہنوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔''

آنحضرت ﷺ : ''اچھا اس برے کام کو تم اپنی پھوپھی کے لیے پسند کرو گے؟''

نوجوان : ''نہیں یا رسول اللہ ﷺ!''

آنحضرت ﷺ : ''دوسرے لوگ بھی اپنی پھوپھی کے لیے زنا کو پسند نہیں کرتے۔''

آنحضرت ﷺ : ''یہ بتاؤ تم زنا کو اپنی خالہ کے ساتھ گوارا کرلو گے؟''

نوجوان : ''نہیں یا رسول اللہ ﷺ!''

آنحضرت ﷺ : ''دوسرے لوگ بھی زنا کو اپنی خالہ کے ساتھ گوارا نہیں کر سکتے۔''

اس طرح اس مسئلہ کو جب اس کے ذہن نشین کر چکے تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اور دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَ طَهِّرْ قَلْبَهُ وَ حَصِّنْ فَرْجَهُ)) [1]

''اے اللہ! اس کے گناہ معاف کر دے، اس کا دل پاک فرما دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔''

---

[1] مسند احمد : ۵/۲۵۶، ۲۵۷۔ طبرانی کبیر: ۷۷۵۹ ۔ شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو صحیح ہے ۔ مسند احمد : ۲۲۲۱۱۔

راوی کا بیان ہے کہ اس تقریر اور دعائے نبوی کا یہ اثر ہوا کہ اس شخص کو کبھی اس کے بعد زنا کا خیال نہ گزرا، بات بھی کتنے پتے کی بیان فرمائی گئی۔ غور کیجیے! کوئی ایسی عورت ہے جو کسی کی ماں نہ ہو، بہن نہ ہو، بیٹی نہ ہو، پھوپھی نہ ہو، خالہ نہ ہو؟ پھر یہ کیا انسانیت ہے کہ کسی کی ماں، بہن، بیٹی اور پھوپھی وغیرہ سے ناجائز ہم بستری کی جائے۔

زنا کائنات کی مرکزی طاقت سے تصادم ہے:

ایک اور مقام پر قرآن نے زنا کی برائی کا تذکرہ کیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾ (النساء: ٢٢)

”تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو، مگر جو بات گزر گئی۔ بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور نہایت نفرت کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔“

اس آیت میں بھی زنا کو ”بے حیائی“ اور ” سَآءَ سَبِيلًا “ سے تعبیر کیا ہے اور ایک لفظ اور بڑھایا یعنی ” مَقْتًا “ جو لفظ تو ایک ہے لیکن کائنات کی مرکزی طاقت سے تصادم کی تعبیر یہ ہے کہ اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ زنا کے انجام کو قرآن نے کہاں تک پہنچا دیا۔ اسی تصادم ہی کے آثار ہیں جنہیں آئے دن ہم دیکھتے رہتے ہیں۔

عفت پر بیعت:

اس سے بھی اس جرم کی سنگینی کا احساس ہونا چاہیے کہ عورتوں سے بیعت جن الفاظ میں رسول اللہ ﷺ لیتے تھے، قرآن میں ان کو بھی محفوظ کر دیا گیا ہے یعنی عورتوں سے عہد لیا جاتا تھا:

وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ ﴿١٢﴾ (الممتحنة: ١٢)

’’وہ بدکاری نہیں کریں گی اور نہ اولاد کو قتل کریں گی اور نہ ایسا افترا باندھیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان تراشا ہوگا۔‘‘

زنا کی برائیوں کی انتہا نہیں مثلاً زنا کے شیوع (پھیل جانے) کے بعد شر وفتن کے چشمے ابل پڑتے ہیں، قوم میں کشت وخون کی گرم بازاری ہوتی ہے، اعمال واخلاق کی مٹی پلید ہو جاتی ہے۔ ملک کا معیار اخلاق گر جاتا ہے۔ زنا کار قوم کی رفعت وعظمت کا قصر رفیع زمین بوس ہوجاتا ہے، شان وشوکت ملیامیٹ ہوجاتی ہے۔ پھر انسانیت میں جونہی کمزوری آئی امن وامان خطرہ میں گھر جاتا ہے، غریبوں کی جان لب پر آجاتی ہے، ملک صحت کے اعتبار سے نیچے آجاتا ہے اور جوانان قوم خصوصاً اور عام افراد عموماً متعدی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

زنا جرم عظیم ہے:

زنا کے انہی مفاسد کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے زنا کو قتل کے بعد شمار کیا ہے کہ یہ گو قتل نہ سہی لیکن انجام کے اعتبار سے قتل سے کم بھی نہیں ہے۔ قرآن نے جہاں اللہ کے نیک بندوں کی صفات کا تذکرہ کیا ہے وہاں یہ بھی ذکر کیا ہے:

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿۶۸﴾

(الفرقان: ۶۸)

’’اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے، ہاں مگر حق پر اور زنا بھی نہیں کرتے اور جو شخص ایسے برے کام کرے گا تو اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا۔‘‘

آیت مذکورہ کا مفہوم بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفر وشرک اور قتل ناحق کی طرح زنا بھی عظیم جرم ہے، ایسا گناہ ہے جو سوائے توبہ، ایمان اور عمل صالح کے معاف نہیں ہوتا۔

خود اس آیت سے متصل یہ بیان ہے:

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾

(الفرقان: ٦٨)

''قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل ہو کر رہے گا۔''

قرآن کے ان الفاظ پر غور کیجیے اور سوچیے کہ سزا کے ان ہولناک حالات سے دوچار کرنے والے جرائم میں ایک جرم زنا بھی ہے۔

شرک کے بعد بڑا گناہ زنا ہے:

بات بھی کچھ ایسی ہی ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَا مِنْ ذَنْبٍ بَعْدَ الشِّرْكِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ نُطْفَةٍ وَضَعَهَا رَجُلٌ فِيْ رَحِمٍ لَا يَحِلُّ لَهُ))[①]

''شرک کے بعد کوئی گناہ اس نطفہ سے بڑھ کر نہیں ہے، جس کو کوئی شخص کسی ایسے رحم میں رکھے جو شرعاً اس کے لیے حلال نہیں تھا۔''

شاید اسی بنیاد پر مسلمانوں میں مشہور بھی ہو گیا کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ زنا

---

① تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۵۵۔ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں بقیہ راوی مدلس ہے جو اگر لفظ ''عن'' سے روایت کرے تو محدثین کے نزدیک اس کی روایت قابل حجت نہیں ہوتی۔ (تقریب التہذیب: ۷۴۱۔ میزان الاعتدال: ۱/ ۳۳۱) اس کی سند میں ایک اور راوی ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم غسانی بھی ضعیف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ''ردئ الحفظ'' کہا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ میزان الاعتدال: ٤/ ٤٩٨۔ تقریب التہذیب: ۸۰۳۱۔

ہے۔ایک اور حدیث میں زنا ہی کے متعلق رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَزْنِي الزَّانِيُ حِيْنَ يَزْنِيُ وَ هُوَ مُوْمِنٌ))①

''زناکار جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا۔''

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں تو کم از کم زنا کے وقت ایمان زانی کو چھوڑ کر جدا ہو جاتا ہے۔گویا مومن مومن رہتے ہوئے اس جرم کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔

بوقت زنا ایمان کی حالت:

ایک دوسری حدیث میں اس حدیث کی وضاحت بھی موجود ہے۔رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا زَنَی الرَّجُلُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِیْمَانُ کَانَ عَلَیْهِ کَالظُّلَّةِ فَاِذَا انْقَلَعَ رَجَعَ اِلَیْهِ الْاِیْمَانُ))②

''بندہ جب زنا کرتا ہے اس وقت ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے اوپر سائے کی مانند رہتا ہے اور زانی جب فعل زنا سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان اس کی طرف پلٹ آتا ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا اتنی بری چیز ہے اور اس قدر معیوب فعل ہے کہ اس کے ارتکاب کے وقت ایمان کانپ اٹھتا ہے اور گھبرا کر اس کے جسم سے الگ ہو جاتا ہے، اس کی غیرت برداشت نہیں کرتی کہ اس حالت میں اس سے چمٹا رہے۔ہاں جب وہ فارغ ہوتا ہے، اس کا دل اس کو ملامت کرتا ہے اور دل میں احساس گناہ پیدا ہوتا ہے تو پھر وہ ترس کھا کر

---

① بخاری، کتاب الحدود، باب الزنا و شرب الخمر : ٦٧٧٢۔

② ابوداؤد، کتاب السنة ، باب الدلیل علی زیادة الایمان و نقصانه : ٤٦٩٠۔ حاکم : ٢٢/١۔ اس کی سند صحیح ھے ،شیخ البانی رحمه الله نے اسے صحیح قرار دیا ھے اور امام حاکمؒ اور امام ذھبیؒ نے بھی اسے صحیح کھا ھے۔ ھدایة الرواة : ٨٣/١۔

پلٹ آتا ہے اور ایمان کو غیرت کیوں نہ آئے؟ کہ خود رب العزت کو ایسے فعل پر غیرت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس نے فحش کاموں کو حرام قرار دے دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (الاعراف: ۳۳)

''آپ فرمایے کہ میرے رب نے تمام فحش باتوں کو حرام کیا ہے، ان میں جو علانیہ ہوں ان کو بھی اور جو پوشیدہ ہوں ان کو بھی اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو (بھی حرام کیا ہے)۔''

غیرت حق:

حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لے تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''چار عینی گواہ پیش کرے۔'' مگر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو فطرتاً غیر معمولی غیور تھے، وہ فرمانے لگے: ''اگر میں اپنی عورت کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لوں تو میری غیرت برداشت نہ سکے گی، میں اسی وقت تلوار اٹھاؤں گا اور اسے دو ٹکڑے کر دوں گا۔'' آنحضرت ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سعد کی غیرت پر تعجب کیوں کرتے ہو؟ اللہ گواہ ہے میں خود ان سے بہت زیادہ باغیرت ہوں اور میری غیرت سے بڑھ کر خود رب العزت کی غیرت ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام ظاہر و باطن فحش کاموں کو حرام قرار دے دیا۔ یہ فحش کام علانیہ ہوں یا چھپ کر۔''[1]

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج کو گرہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نے ایک بلیغ

---

[1] مسلم، کتاب اللعان: ۱۴۹۸۔ بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الاعراف: ۴۶۳۷۔

خطبہ دیا اور اسی خطبۂ کسوف میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

((يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَّزْنِىَ عَبْدُهُ اَوْ تَزْنِىَ اَمَتُهُ وَ اللّٰهِ ! لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا))[1]

''اے امت محمد! اللہ کی قسم! اس بات سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو غیرت نہیں ہوتی کہ کوئی مرد یا عورت زنا کرے اور واللہ! جو کچھ میں جانتا ہوں تم جانتے تو بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔''

اور اہمیت جتانے کے لیے اس کے بعد ہاتھ اٹھایا اور فرمایا: ''اے اللہ! کیا میں نے پہنچا نہیں دیا؟'' یعنی منشا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ضروری حکم اس کے بندوں تک میں نے پہنچا دیا۔ آنحضرت ﷺ کے ان الفاظ کو بار بار پڑھیے اور زنا کی قباحت اور خروج ایمان والی حدیث پر غور کیجیے۔ ایک اور آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فواحش سے روکا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ (النحل: ٩٠)

''بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال، احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کو اس لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔''

یہ وہ آیت ہے جو ہر جمعہ کو عموماً خطبہ میں پڑھی جاتی ہے اور اس طرح اس آیت میں جو احکام درج ہیں ان کی اہمیت بیان کی جاتی ہے، زنا سے اس شد و مد کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو روکا ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ یہ اپنے انجام اور نتیجہ کے اعتبار سے اتنا مہلک جرم ہے جس کی دنیوی و اخروی تباہ کاریوں کا احاطہ آسان نہیں۔

---

[1] بخاری، کتاب الکسوف، باب الصدقة فی الکسوف: ١٠٤٤۔

یوسف علیہ السلام کا اعلان حق:

یوسف علیہ السلام کا واقعہ جسے قرآن پاک نے نقل کیا ہے، اس سے بھی زنا کی برائی اور اس کے مفاسد پر روشنی پڑتی ہے۔ جب عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کو خرید کر اپنی بیوی زلیخا کے سپرد کیا کہ اس غلام کی نگہداشت کرو تو زلیخا نے اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی مگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا اور یوسف علیہ السلام نے جوانی کے میدان میں قدم رکھا ہی تھا کہ زلیخا یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی اور دل کشی اور ہوش ربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو اس کام پر آمادہ کر لے جس کی تعلیم زلیخا کو اس کے نفس نے دی تھی۔ عیش و نشاط کے سارے سامان فراہم، نفسانی جذبات اپنے شباب پر، محبت اور پیار کی مسلح فوج سامنے، تنہائی کا عالم، سارے دروازے اور کھڑکیاں بند، تمام خطروں اور کل اندیشوں سے بظاہر اطمینان، پھر جوانی قیامت کا روپ بھرے کھڑی، شبابی قوت و طاقت کا سمندر موجزن، تجرد کی زندگی میں جنسی میلان کا صبر آزما تلاطم اور ایسے وقت میں ایک حسن و جمال کی ملکہ اور غارت گر اپنے آپ کو خود حضرت یوسف علیہ السلام پر پیش کرتی ہے۔ الغرض:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ (یوسف: ٢٣)

''اور جس عورت کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے، وہ عورت ان سے اپنا مطلب نکالنے کے لیے ان کو پھسلانے لگی اور سارے دروازے بند کر دیے اور کہنے لگی آجاؤ (تم ہی سے کہتی ہوں)۔''

آسمان دیکھ رہا تھا، زمین دیکھ رہی تھی، ملائکہ دیکھ رہے تھے کہ یعقوب علیہ السلام کا چشم و چراغ اب کدھر جاتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے بلانے میں شیطانی قوت کی طرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا تھا، مگر اللہ کے بندے یوسف علیہ السلام سب کچھ دیکھتے ہیں اور چاہتے تو جو کچھ

عزیز مصر کی بیوی چاہتی تھی اسے کر گزرتے لیکن جیسا کہ قرآن ہی میں اطلاع دی گئی ہے:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾

(یوسف: ۲۳)

''(یوسف نے کہا:) اللہ بچائے وہ میرا مربی ہے، انہوں نے مجھے اچھی طرح سے رکھا ہے، (میں ایسا ظلم نہیں کرسکتا) بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔''

زانی ظالم ہے اور ظالم کو دنیا اور آخرت میں فلاح نصیب نہیں ہوگی اور اگر میں زنا کا ارتکاب کروں تو خود میں بھی ظالم بن جاؤں گا۔ پھر کیسے جرأت کی جائے؟ رب کا احسان بھول جانا اور اس کی دی ہوئی قوت کو اسی کے حکم کے خلاف استعمال کرنا، اسی کا نام تو شیطنت ہے، شیطان کا قصور رہی اس کے سوا کیا ہے کہ توانائیوں کا جو ذخیرہ خالق کائنات کی طرف سے اس کو ملا ہے وہ ان توانائیوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کاموں کی بجائے اس کی نافرمانی کے کاموں میں استعمال کرتا ہے۔

زنا مظالم کی جڑ:

اس آیت میں زانی کو جو ظالم قرار دیا گیا ہے، یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں، ذرا غور کریں تو یقین کرنا پڑے گا کہ زنا دنیا کے سارے مظالم کی جڑ ہے، دنیا کی ساری برائی زنا کاری میں پائی جاتی ہے، پھر زانی کے ظالم ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے:

ا۔ زانی کا فعل زنا خود اپنے اوپر بھی ظلم ہے کہ اس سے اخلاق واعمال کی مٹی پلید ہوتی ہے، خون اور روپیہ بے مقصد ضائع ہوتے ہیں، مادۂ تولید جو باعث افزائش نسل انسانی ہے ناحق برباد ہوتا ہے، صحت پر ناخوشگوار اثر پڑتا ہے، ذلت اور رسوائی ہوتی ہے۔ ذاتی خوف وہراس میں مبتلا رہتا ہے، حزن وملال سے دوچار ہوتا ہے، متعدی مرض سوزاک وآتشک وغیرہ کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ بے حیائی، فریب کاری، جھوٹ، بدنیتی، خود غرضی، نفسانی خواہش کی غلامی، ضبط نفس کی کمی، خیالات کی آوارگی اور دوسری بیسیوں

جسمانی، ذہنی اور روحانی امراض میں زنا آدمی کو مبتلا کر دیتا ہے۔

۲۔ زنا اپنے خاندان پر بھی ظلم ہے کہ زنا کار خاندان کی عزت کو داغ لگاتا ہے اور پھر خاندان کے لیے برائی کا ایک نمونہ قائم کرتا ہے، اہل خاندان اور بال بچوں کے لیے زنا کی شاہراہ بناتا ہے۔

۳۔ زنا نسوانی عفت و عصمت کی لوٹ ہے۔ زانی ڈاکو ہے کیونکہ وہ ایک کمزور ارادے والی ذات کو اپنی ہوسناکیوں کا تختۂ مشق بناتا ہے، شرم و حیا کی چٹانوں کے نیچے عورت کی فطرت جو قدرتاً دبی ہوئی ہے، ان چٹانوں کو یہی پاجی زانی اٹھا لیتا ہے، جس کے بعد عورت جس کے لیے کسی مرد سے خواہ اس کا باپ اور بھائی کیوں نہ ہو گفتگو میں جو فطری حیا دامن گیر ہوتا تھا وہ ختم ہو جاتا ہے، اب وہ ایک بیباک، فتنہ پرداز عورت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، آنکھوں کا پانی اس کے ڈھل جاتا ہے، بے حیائی کے کاموں پر دلیر ہو جاتی ہے۔

اور آج عصمت فروشی کے جتنے بھی بازار نظر آتے ہیں، وہ درحقیقت زانی مردوں ہی کے کھولے ہوئے بازار تو ہیں، یہ سب انہی کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

۴۔ عورت بہرحال کسی خاندان ہی کی عورت ہوتی ہے۔ کسی کی بیٹی، کسی کی بہن، کسی کی بیوی یا ماں ہوگی۔ سوچیے تو سہی کہ زانی مرد کن رسوائیوں کی سیاہی عورت کے خاندان والوں کے چہروں پر پھیرتا ہے کہ بسا اوقات خودکشی تک، ان ہی رسوائیوں کے غیر معمولی احساس نے لوگوں کو پہنچا دیا۔

۵۔ اور عورت کسی مرد کی اگر باضابطہ منکوحہ ہے تو دوسرے مفاسد کے ساتھ ساتھ غیر کے حق ناموس پر یہ کیسی شرمناک مداخلت اور بے جا اور ظالمانہ حملہ ہے۔

۶۔ زنا بچہ پر بھی ظلم ہے کیونکہ یا تو اسے ضائع کر دیا جائے گا اور بے قصور قتل کیا جائے گا یا باپ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نگرانی اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کا کوئی مرکز باقی

نہیں رہتا اور اگر کسی طرح بچہ کو پروان چڑھنے کا موقع مل بھی جائے تو سیاہی کے اس داغ کو اس غریب کی پیشانی سے کون دھو سکتا ہے جو خود اس کے ناجائز باپ کے ہاتھوں اس کی پیشانی پر لگا ہے۔ معاشرہ میں ذلیل نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، بسا اوقات زنا سے پیدا ہونے والے بچے امراض خبیثہ کو اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں عموماً جو گونگے، بہرے اور لنگڑے لڑکے پیدا ہوتے ہیں یعنی جو نوعی کمالات میں سے کسی کمال سے محروم ہو کر پیدا ہوتے ہیں، بظاہر قدرت کی طرف ان کوتاہیوں کو منسوب کرنے والے منسوب کر دیا کرتے ہیں، لیکن موجودہ طبی تحقیقات کی روشنی میں پتا چل رہا ہے کہ ان کوتاہیوں کی زیادہ تر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جن کے تعلق و واسطہ سے بچے دنیا میں قدم رکھتے ہیں، آئندہ نسلوں کی امانت جن کے سپرد ہوتی ہے وہ امانت میں خیانت سے کام لیتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کے پھلنے پھولنے کا دارومدار ہی ''جذبۂ امانت'' کے اس احساس پر مبنی، اس کی ذمہ داریوں میں ہلکی سی غفلت قوم کی قوم کو جسمانی، دماغی اور روحانی بربادیوں کی آندھیوں کے سامنے لے آتی ہے۔

اس مسئلہ کی ہمہ گیری کے لیے ''طبیعات'' کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ زنا کا لفظ تو ایک بسیط مختصر سا لفظ ہے، لیکن اس کے مفاسد کا دائرہ خاندانوں اور قوموں کو اپنے احاطہ میں عموماً لے آتا ہے۔

زنا پر کال کوٹھڑی کو ترجیح:

کچھ بھی ہو، اسی سے اندازہ کیجیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کی کال کوٹھڑی میں قید کی زندگی کو اس جرم کے اقدام پر ترجیح دی اور دعا مانگی:

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٣﴾ (یوسف: ۳۳)

''اے میرے رب! جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو مجھے جیل خانہ میں جانا ہی زیادہ پسند ہے اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں گے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔''

احادیث میں بھی اس ''جرم'' کی اہمیت کے مختلف پہلوؤں پر جو اشارے کیے گئے ہیں، غور کرنے والے سوچیں گے تو عبرت وبصیرت کے مسلسل اسباق ان ہی حدیثوں میں ان کو ملتے چلے جائیں گے۔ ان میں سے چند احادیث کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

زنا کے سلسلہ میں ارشادات نبوی:

☜ ایک دفعہ یہودیوں کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ ''آیات بینات'' کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

((لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَ لَا تَزْنُوا ...... وَ لَا تَقْذِفُوا مُحْصَنَةً))[1]

''نہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک ٹھہراؤ، نہ زنا کرو ......اور نہ کسی پاک دامنہ کو زنا سے متہم کرو۔''

جس سے معلوم ہوا کہ جن جرائم کی برائیاں فطرت انسانی کے لیے واضح اور کھلی ہوئی ہیں ان میں ایک زنا بھی ہے۔

☜ اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یعنی اکبر الکبائر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنانا حالانکہ اس نے ہی پیدا کیا۔'' اس شخص نے پوچھا کہ اس کے بعد پھر کونسا کام؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے بچے کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ وہ ساتھ کھائے

---

[1] ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة بنی اسرائیل : ۳۱۴۴۔ نسائی فی السنن الکبریٰ : ۸۶۵۶۔ شیخ البانیؒ نے اس روایت کو ضعیف ترمذی میں ضعیف قرار دیا ھے ۔

گا۔'' اس نے پوچھا کہ پھر کون سا یا رسول اللہ ﷺ ؟ آپ نے فرمایا:

((اَنْ تَزْنِیَ حَلِیْلَةَ جَارِكَ))①

''تیرا اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا۔''

- آنحضرت ﷺ نے زنا کی برائی مختلف پیرایہ میں بیان کی اور چاہا کہ لوگ اچھی طرح اس کی برائی سے واقف ہو جائیں اور اس بدترین کام سے باز آجائیں۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دوزخ میں لوگ زیادہ تر اپنے منہ اور اپنی شہوت کی جگہ کی بدولت ڈالے جائیں گے۔''②
- ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ سب قیامت کی علامتیں ہیں: ۱۔علم کا اٹھ جانا۔۲۔ جہالت کا عام ہونا۔۳۔شراب کا پیا جانا۔۴۔زنا کاری کا پھیل جانا۔۵۔اور یہ کہ مردوں کی تعداد کم پڑ جائے تا آنکہ پچاس عورتوں کا ذمہ دار صرف ایک مرد باقی رہ جائے۔''③

زنا کی ہلاکتیں:

- اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَا ظَهَرَ الرِّبَا وَالزِّنَا فِي قَرْيَةٍ اِلَّا اَذِنَ اللّٰهُ بِاِهْلَاكِهَا))④

''کسی بستی میں جب سود اور زنا پھیل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بستی کی ہلاکت کی اجازت مرحمت فرما دیتا ہے۔''

---

① بخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ "ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جهنم : ٦٨٦١ ۔ مسلم : ٨٢۔ ابوداؤد : ٢٣١٠۔ ترمذی : ٣١٨٢۔

② ان الفاظ کے ساتھ تو مجھے حدیث نہیں ملی البتہ اس معنی کی احادیث مندرجہ ذیل حوالہ جات سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ترمذی:٢٤٠٩ ۔ابن ماجہ: ٣٩٧٣۔

③ بخاری، کتاب العلم، باب دفع العلم و ظهور الجهل : ٨١۔

④ الجواب الکافی : ٢٢٠۔

جس سے معلوم ہوا کہ زنا کاری کبھی آبادی کی ویرانی کا موجب بن جاتی ہے اور پوری آبادی کو برباد کر ڈالتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا غضب اس آبادی پر مسلط ہو جاتا ہے جس میں زنا کاری پھیل جاتی ہے۔

مصیبت:

- صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب خلیفۃ المسلمین ہوئے اور بیعت عامہ ہو چکی، جس میں تمام مسلمان شریک ہوئے تو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بحیثیت خلیفہ پہلا خطبہ ارشاد فرمایا:

"دیکھو جس قوم نے بھی اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیا اللہ نے اسے ذلیل کر دیا ہے اور جس قوم میں بھی بدکاری پھیل جاتی ہے، اللہ اس میں مصیبت کو پھیلا دیتا ہے۔"[۱]

پہلے خلیفۂ رسول نے اپنے اولین خطبۂ خلافت میں ان کلمات کو ارشاد فرما کر عفت وعصمت کے متعلق اسلام کے جس نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے اس سے مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ عروج و اقبال کی زندگی کے تباہ کرنے میں ...... سیاہ کاریوں کو کس حد تک دخل ہے۔ گویا جو کچھ اب پیش آیا اسی کی پیشین گوئی مسلمانوں کے سب سے پہلے خلیفہ نے کر دی تھی۔

کثرت موت اور طاعون:

- خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے:

((وَلَا فَشَا الزِّنَا فِيْ قَوْمٍ قَطُّ اِلَّا كَثُرَ فِيْهِمُ الْمَوْتُ))[۲]

"کسی قوم میں زنا کے عام ہونے کی وجہ سے موت کی بھی کثرت ہو جاتی ہے۔"

- ایک لمبی حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ عیوب اور اس کے اثرات کے متعلق خبر دی ہے، منجملہ اور باتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

---

① تاریخ ملت: ۴۰/۲۔

② مؤطا، کتاب الجهاد، باب ما جاء فی الغلول: ۲۶۔

''جس قوم میں زنا کاری پھیل جاتی ہے اور بلا روک ٹوک ہونے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو طاعون (پلیگ) کی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اور ایسے دکھ درد میں مبتلا کرتا ہے جس سے ان کے اسلاف نا آشنا تھے۔''①

خشک سالی:

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ قَوْمٍ یَظْهَرُ فِیهِمُ الزِّنَا اِلَّا اُخِذُوا بِالسَّنَةِ وَ مَا مِنْ قَوْمٍ یَّظْهَرُ فِیهِمُ الرُّشَا اِلَّا اُخِذُوا بِالرُّعْبِ))②

''کسی قوم میں جب زنا پھیل جاتا ہے تو اسے قحط سالی کی مصیبت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور رشوت کی گرم بازاری ہوتی ہے تو اس پر خوف طاری کر دیا جاتا ہے۔''

انسان جب ''عفت وعصمت'' کے چہرہ کو داغدار کرتا ہے، شرعی حدود کی اس راہ میں پروانہیں کرتا اور جائز و ناجائز کی تفریق مٹا دیتا ہے تو اس وقت پوری قوم فتنہ میں ڈال دی جاتی ہے۔

بنی اسرائیل جو دنیا کی چنی ہوئی امتوں میں ایک خاص تاریخی امت ہے اس میں بھی فتنہ عورتوں ہی کی راہ سے آیا اور جب فتنہ آیا تو پوری کی پوری امت ہی تہس نہس ہو کر رہ گئی، نبی کریم ﷺ نے اسی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

((فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَ اتَّقُوا النِّسَاءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَةَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ كَانَتْ فِی النِّسَاءِ))③

---

① ابن ماجه، کتاب الفتن، باب العقوبات: ٤٠١٩۔

② مسند احمد: ٢٠٥/٤۔

③ مسلم، کتاب الرقاق، باب اکثر اهل الجنة الفقراء و اکثر اهل النار النساء و بیان الفتنة بالنساء: ٢٧٤٢۔

’’دنیا اور عورتوں سے بچو، اس لیے کہ بنی اسرائیل کا سب سے پہلا فتنہ عورتوں میں سے ہی تھا۔‘‘

اسلامی تعلیم سے روگردانی کا انجام

اسلامی نقطۂ نظر کا اجمالی نقشہ بقدر ضرورت آپ کے سامنے پیش ہو چکا، اب آیئے ذرا اپنے زمانہ کی کچھ روداد سن لیجیے۔

امریکہ میں زنا اور اس کے نتائج:

امریکہ جو اس وقت دنیا میں ممتاز ملک مانا جاتا ہے، وہاں زنا کاری کی وبا کا نتیجہ یہ ہے:

''تیس چالیس ہزار کے درمیان بچوں کی اموات صرف موروثی آتشک کی بدولت ہوتی ہیں۔ سوزاک میں کم از کم ساٹھ فیصد نوجوان مبتلا ہیں، اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں ہیں۔ شادی شدہ عورتوں کے اعضائے جنسی پر جتنے آپریشن کیے جاتے ہیں، ان میں پچھتر فیصد ایسی نکلتی ہیں جن میں سوزاک کا اثر پایا جاتا ہے۔''[1]

جج ''لنڈسے'' لکھتا ہے، جو ''ڈنور'' کی عدالت ''جرائم اطفال'' کا صدر ہے اور اس حیثیت سے وہ جرائم کا کافی تجربہ رکھتا ہے:

''ہائی سکول کی عمر والی چارسو پچانوے لڑکیوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے صنفی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے۔ ان میں صرف پچیس ایسی تھیں جن کو حمل ٹھہر گیا تھا۔''[2]

---

① پردہ از مولانا مودودی: ۹۶۔

② پردہ از مولانا مودودی: ۹۶۔

اسی جج ''لنڈ سے'' کا امریکہ کے متعلق بیان ہے:

''امریکہ میں ہر سال کم از کم پندرہ لاکھ حمل ساقط کیے جاتے ہیں اور ہزاروں بچے پیدا ہوتے ہی قتل کر دیے جاتے ہیں۔'' ①

اسی امریکہ کی ایک رپورٹ بھی پڑھ لیجیے اور اس سے اندازہ لگایے کہ زنا کاری کا انجام کیا ہوتا ہے۔ یہی ''لنڈ سے'' جن کا قول پہلے نقل کر چکا ہوں، ان کا اپنا اندازہ ہے کہ ہائی سکول کی کم از کم پینتالیس فیصد لڑکیاں سکول چھوڑنے سے پہلے خراب ہو چکی ہوتی ہیں۔

آتشک، سوزاک اور دوسری برائیاں:

زنا کی جسمانی اذیتوں کا ذکر کرتے ہوئے ''انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (۴۵/۴)'' کے حوالے سے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''امریکہ کے دوا خانوں میں اوسطاً ہر سال آتشک کے دو لاکھ اور سوزاک کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے، ساڑھے چھ سو دوا خانے صرف انہی امراض کے لیے مخصوص ہیں۔ مگر لوگ سرکاری دوا خانوں میں جانے سے زیادہ پرائیویٹ ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں، جن کے پاس آتشک کے اکسٹھ فیصد اور سوزاک کے نواسی فیصد مریض جاتے ہیں۔'' ②

امریکہ میں جن عورتوں نے مستقل پیشہ اختیار کر لیا ہے ان کی تعداد کا کم از کم اندازہ چار پانچ لاکھ کے درمیان ہے ...... قحبہ خانوں کے علاوہ بکثرت ملاقات خانے ہیں جو اس غرض کے لیے آراستہ کیے جاتے ہیں کہ ''شریف اصحاب اور خواتین'' جب باہم ملاقات کرنا چاہیں تو ان کی ملاقات کا انتظام کر دیا جائے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ایک شہر میں ایسے اٹھتر (۷۸) مکان تھے، دوسرے شہر میں تینتالیس (۴۳)، ایک اور شہر میں تینتیس (۳۳)۔ ان

---

① پردہ از مولانا مودودی: ۷۱۔

② پردہ: ٦٨۔

مکانوں میں صرف کنواری لڑکیاں ہی نہیں جاتیں بلکہ بہت سی شادی شدہ عورتوں کا بھی وہاں گزر ہوتا ہے۔ ایک مشہور ریفارمر کا بیان ہے:

''نیو یارک کی شادی شدہ آبادی کا پورا تہائی حصہ ایسا ہے جو اخلاقی اور جسمانی حیثیت سے اپنی ازدواجی ذمہ داریوں میں وفادار نہیں ہے۔''①

''زنا'' نے امریکہ میں یہ قیامت برپا کر دی ہے کہ بلوغ سے پہلے لڑکے لڑکی کی محبت اور مباشرت دونوں شروع ہو جاتی ہیں۔

کنسے رپورٹ:

۴۸ء میں ''ڈاکٹر ہنلی کنسے'' نے ایک مبسوط رپورٹ پیش کی ہے اور یہ رپورٹ ڈاکٹر کنسے اور ان کے ساتھیوں نے بارہ ہزار امریکی مردوں سے ملاقات کر کے تیار کی ہے اور ان کے خفیہ حالات معلوم کیے ہیں۔ کنسے رپورٹ کے بموجب:

''استلذاذ بالنفس'' (مشت زنی وغیرہ) میں نوے فیصد امریکی مرد زندگی کے کسی نہ کسی حصہ میں مبتلا رہے۔

''استلذاذ بالمثل'' (اپنے ہم جنس سے بدکاری) امریکی مردوں کی ایک تہائی آبادی نے کم از کم اپنی زندگی میں ایک مرتبہ اس شوق کی تکمیل کی۔ گویا ستر لاکھ امریکی مرد استلذاذ بالمثل میں مبتلا ہیں۔

چار فیصد لوگ تمام عمر ''امرد پرست'' رہتے ہیں۔

''استلذاذ بالضد'' (زنا) پندرہ سال کی عمر تک ۲۵ فیصد...... چھبیس سے چالیس سال کی عمر تک ۹۰ فیصد...... سولہ سے بیس سال کی عمر تک غیر فاحشہ عورتوں سے اختلاط کی تعداد ۴۰ فیصد ہے۔

''تعلیم کے اعتبار سے'' جن کی تعلیم ''گرامر سکول'' تک ہوتی ہے، اس میں ۸۴

---

① پردہ: ۶۷، ۶۸۔

فیصد کو عورتوں سے اختلاط کا سابقہ رہا ہے۔

''ہائی سکول'' تک تعلیم پانے والوں کا تناسب غیر عورتوں سے اختلاط میں ۷۷ فیصد ہے اور ''کالج'' کے تعلیم یافتہ افراد کا تناسب زنا میں ۴۹ فیصد ہے۔ یہ اکیس سال عمر والوں کی تعداد ہے۔

''شادی شدہ مردوں میں نصف تعداد ایسی ہے جنہوں نے اپنی بیوی کے سوا غیر عورتوں سے دوران ازدواج اختلاط کیا ہے۔''①

انگلستان میں زنا کی وبا:

انگلستان جو اپنی جدت پسندی میں بہت مشہور ہے، اس کے متعلق وہیں کا ایک انگریز ''جارریئلی اسکاٹ'' اپنی کتاب ''تاریخ الفحشاء'' میں لکھتا ہے:

''پیشہ ور عورتوں کے علاوہ بڑی تعداد ان عورتوں کی ہے جو آمدنی میں اضافہ کے لیے زناکاری کے پیشہ کو بھی ضمنی طور پر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اب جوان لڑکی کے لیے بدچلنی اور بے باکی بلکہ سوقیانہ اطوار تک فیشن میں داخل ہو گئے ہیں۔ ایسی لڑکیوں اور عورتوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے جو شادی سے پہلے صنفی تعلقات بلا تکلف قائم کر لیتی ہیں اور وہ لڑکیاں اب شاذ کے حکم میں ہیں جو کلیسا کی قربان گاہ کے سامنے نکاح کا پیمان وفا باندھتے وقت صحیح معنی میں دوشیزہ ہوتی ہوں۔''②

''انگلستان میں کم از کم اندازہ کے مطابق ہر سال نوے ہزار حمل اسقاط کیے جاتے ہیں۔ شادی شدہ عورتوں میں اس کا تناسب اس سے بھی زیادہ ہے۔''③

---

① اسلام اور جنسیات: ۸۴،۸۵۔

② پردہ: ۷۲۔

③ پردہ: ۴۵۔

فرانس میں بدکاری:

انگلستان کے بعد تھوڑا سا حال فرانس کی بدکاری اور اس کے نقصانات کا بھی سن لیجیے:

''جنگ عظیم کے ابتدائی دوسالوں میں جن سپاہیوں کو محض آتشک کی وجہ سے رخصت دے کر ہسپتالوں میں بھیجنا پڑا، ان کی تعداد پچھتر ہزار تھی۔ ایک متوسط درجہ کی چھاؤنی میں بیک وقت ۲۴۲ سپاہی اس مرض میں مبتلا ہوئے۔''

''ایک ماہر فرانسیسی ڈاکٹر کا بیان ہے:

''فرانس میں ہر سال صرف آتشک اور اس کے پیدا کردہ امراض کی وجہ سے تیس ہزار جانیں ضائع ہوتی ہیں۔''[۱]

''جنگ عظیم سے پہلے موسیو بیولو فرانس کے اٹارنی جنرل نے اپنی رپورٹ میں ان عورتوں کی تعداد پانچ لاکھ بتائی ہے جو جسم فروشی کا دھندہ کرتی ہیں، اس فن کے لیے اشتہار سے پورا کام لیا جاتا ہے۔''[۲]

یہ مختصر سے اقتباسات میں نے اس لیے پڑھنے کی زحمت دی کہ آپ غور کرسکیں کہ زنا کاری کے مفاسد کیا ہوتے ہیں اور ان سے قوم و ملک کا کتنا زبردست جانی، مالی، اخلاقی اور سیاسی نقصان ہوتا ہے اور پھر یہ بھی سوچیں کہ زنا کاری کی سزا میں جو امراض پیدا ہوتے ہیں وہ کتنے سخت اور مہلک ہوتے ہیں۔ مزید یہ بھی ذہن نشین کرلیں کہ دنیا کا کوئی کامیاب ترین علاج بھی زنا کاری کے ''دنیاوی عذاب'' سے نہیں بچا سکتا اور ان بڑے مہذب، متمدن اور ترقی یافتہ ملکوں کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے اس کو سامنے رکھ کر غور کریں کہ اسلام نے جن مفاسد کی طرف اشارے کیے ہیں وہ کتنے صحیح ہیں اور قوانین عفت مرتب کرکے اس نے دنیا پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

---

۱ پردہ: ۵۷۔
۲ پردہ: ۵۰۔

تحفظ عفت وعصمت اور شادی

اتنی مہلک اور خطرناک برائی جو انسان کو ہر اعتبار سے سخت سے سخت نقصان پہنچاتی ہے، اس کی روک تھام کی جس شدو مد سے ضرورت تھی ، وہ کسی ذی عقل سے مخفی نہیں اور صرف روک دینا ہی کافی نہیں ہوتا جیسا کہ آپ عیسائیوں اور دوسری قوموں میں اس کا انجام دیکھ رہے ہیں ، بلکہ اس کے لیے مستقل قوانین وضوابط کی ضرورت تھی اور اسلام نے یہی کیا، انسان کی فطرت کو جانچا اور اس کے مطابق علاج اور پرہیز کی تاکید کی۔ اسلام نے غیر مذاہب کی طرح افراط وتفریط کا راستہ اختیار نہیں کیا، بلکہ انسانی مزاج کو پرکھ کر اعتدال کا طریقہ پسند کیا۔

نکاح کا حکم:

زنا کے نقصانات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا کہ مرد اور عورت جن کو شادی کی ضرورت محسوس ہو ،ضرور شادی کریں کہ عفت وعصمت کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ اور ان کی جنسی خواہشات کی تسکین کا بہترین حل یہی ہوسکتا ہے۔رب العزت نے شادی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ﴾

(النور: ۳۲)

’’اور تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہوں ان کا بھی۔‘‘

''اَیَامیٰ'' اَیُمٌ کی جمع ہے،اس کا استعمال مرد اور عورت دونوں کے لیے ہے۔ جس مرد کی بیوی نہ ہو اس کو ''اَیُمٌ'' بھی کہتے ہیں اور جس عورت کا شوہر نہ ہو اس کو بھی ''اَیُمٌ'' کہتے ہیں۔ پھر چاہے سرے سے ابھی شادی نہ ہوئی ہو یا شادی ہوئی تھی مگر شوہر یا بیوی کا انتقال ہو گیا۔ یعنی ''رَجُلٌ اَیُمٌ'' بھی کہا جاتا ہے اور'' اِمْرَأَۃٌ اَیُمٌ'' بھی۔''①

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تفسیری ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''یعنی احرار (آزاد لوگوں) میں جو غیر شادی شدہ ہوں خواہ مرد، خواہ عورت اور خواہ ابھی ان کا نکاح ہی نہ ہوا ہو، یا وفات و طلاق سے اب تجرد ہو گیا ہو، تم ان کا نکاح کر دو اور اسی طرح تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس نکاح کے لائق ہو یعنی حقوق زوجیت کو ادا کر سکے اس کا بھی نکاح کر دیا کر و اور محض اپنی مصلحت کے خیال سے باوجود غلام، لونڈیوں کو ضرورت ہونے کے ان کی اس مصلحت کو فوت مت کیا کرو۔''②

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رشتۂ ازدواج کے قیام کی تاکید فرمائی ہے اور ان تمام مرد و عورت کی شادی کر دینے کا حکم دیا ہے جن کو شادی کی ضرورت ہو، حتیٰ کہ غلام جو بڑی حد تک بے بس ہوتا ہے، اس کے متعلق بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی بھی شادی ضروری ہے، اگر ان میں حقوق زوجیت ادا کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے اور پھر اس ذمہ داری کو رب العزت نے قوم کے سر ڈالا ہے تاکہ اس کی اہمیت کا احساس پیدا ہو اور اشارہ کیا گیا ہے کہ شادی کے جو فائدے ہوتے ہیں اس سے پوری قوم مستفید ہوتی ہے اور شادی نہ کرنے کے جو نقصانات ہیں ان کا اثر بھی پوری قوم پر پڑتا ہے۔ کوئی ذی عقل انسان اس بات سے انکار کی جرأت نہیں کر

---

① ابن کثیر: ۲۸۶/۳۔
② بیان القرآن: ۱۷/۷۔

سکتا کہ جائز شادی کا رواج اگر بند کر دیا جائے تو پوری قوم کے اخلاق گندے ہو جائیں گے۔اس آیت کے اگلے حصہ میں رب العزت نے اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ کسی موہوم خدشہ کو حیلہ بنا کر اس نیک رشتہ کے قائم کرنے سے بچنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے، جس پر آگے بحث ہوگی۔

اس آیت سے اتنی بات بہرحال کھل کر معلوم ہوگئی کہ جو مرد یا عورت شادی کے لائق ہو ان کی شادی کر دی جائے اور یہ شادی کرنے کی ذمہ داری ولی کے سر بھی ہے اور قوم کے مضبوط دوش پر بھی، کوئی اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔

نکاح فقہاء کی نظر میں:

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ شادی کرنا واجب ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں، احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ جنسی میلان جب حد برداشت سے باہر ہو جائے اور خطرہ شرعی حدود کے توڑنے کا سامنے آجائے یعنی ظن غالب اس خطرہ میں مبتلا ہو جانے کا ہو تو اس وقت نکاح کرنا مومن کے لیے واجب ہو جاتا ہے لیکن اگر بے تابی حد سے نہ گزری ہو تب نکاح سنت مؤکدہ ہے۔اسی طرح اگر ظن غالب ہو کہ حقوق زوجیت ادا نہیں ہوں گے تو اس وقت نکاح کی قید میں اپنے آپ کو مقید کرنا شرعاً ناپسندیدہ یعنی مکروہ ہے بلکہ حقوق زوجیت کے متعلق جسے عجز کا یقین ہو، ایسے آدمی کے لیے تو نکاح حرام ہے۔

نکاح میں تحفظ عفت:

بہرحال مذکورہ بالا قرآنی حکم کے سوا احادیث میں بھی ایسا بڑا ذخیرہ موجود ہے جن میں شادی کی تاکید و ترغیب پائی جاتی ہے اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خود شادی کرنے والوں پر ضروری ہے کہ جونہی وہ شادی کی ضرورت محسوس کریں شادی کرلیں۔آنحضرت ﷺ نے

ارشاد فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنكُمُ الْبَاءَ ةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ))①

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں جو اسباب جماع کی قدرت رکھتا ہو اس کو نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ یہ نگاہ کو محفوظ رکھتا ہے اور شہوت کی جگہ کو بہت بچاتا ہے۔''

اس حدیث میں جہاں نوجوانوں کو شادی کا حکم دیا گیا ہے، وہاں شادی کے فائدے بھی بیان کر دیے گئے ہیں کہ شادی سے عفت وعصمت کی حفاظت ہوگی اور حرام کاری سے آدمی بچ جائے گا۔ اس حدیث میں خطاب اگرچہ نوجوانوں ہی کو ہے لیکن جنسی میلان میں جن کے فتور اور ضعف کی کیفیت پیدا نہ ہوئی ہو گو نوجوان نہ بھی ہوں ان کو بھی نکاح کرنا چاہیے۔

نکاح اور افزائش نسل:

دوسری حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((تَزَوَّجُوا الْوَلُودَ وَ تَنَاسَلُوا فَإِنِّي مُبَاهٍ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))②

''بہت جننے والی عورت سے شادی کرو اور نسل بڑھاؤ، اس لیے کہ میں قیامت کے دن تمہاری (کثرت کی) وجہ سے فخر کروں گا۔''

اس حدیث میں نکاح کا حکم بھی دیا گیا ہے اور اس کا مقصد بھی بیان کیا گیا ہے کہ شادی کا منشا توالد و تناسل اور نسل انسانی کی بقا ہے، تا کہ قوم کے افراد کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ))③

---

① بخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءة فلیصم: ٥٠٦٦۔

② تفسیر ابن کثیر: ٣٨٣/٣۔

③ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب النهی عن تزویج من لم یلد من النساء: ٢٠٥٠۔ یہ حدیث صحیح هے۔ آداب الزفاف: ١٣٢۔ ارواء الغلیل: ١٧٨٤۔

''خوب محبت کرنے والی اور بہت بچے دینے والی عورت سے شادی کرو، اس لیے کہ میں تمہاری اور امتوں پر کثرت سے فخر کروں گا۔''

اس حدیث میں نسل کو بڑھانے کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شوہر سے محبت والفت کرنے والی عورت ہو کہ معاشرتی زندگی کو خوشگوار بنانے کی یہی واحد تدبیر ہے، زن وشو میں محبت والفت ہی کے رشتہ میں سارے خاندان کی خوشی کا راز پوشیدہ ہے۔

نکاح اور پاکدامنی:

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شادی کرنے سے انسان بہت ساری برائیوں سے بچ جاتا ہے، بلکہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ دنیا سے پاک وصاف جائے اور اس کا دامن عفت وعصمت ملوث نہ ہو تو اس کی شکل یہی ہے:

((مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّلْقَی اللّٰهَ طَاهِرًا مُّطَهِّراً فَلْیَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ))[1]

''اللہ تعالیٰ سے جو شخص پاک وصاف ملنا چاہے اس کو شریف عورتوں سے شادی کرنی چاہیے۔''

اس حدیث میں شادی سے جو عفت وعصمت اور پاک دامنی حاصل ہوتی ہے اس کا بڑا بلیغ بیان ہے بلکہ اس میں جو الفاظ آئے ہیں ان سے سمجھا جائے تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ شادی کرنے سے اللہ تعالیٰ دوسرے گناہوں سے بھی آدمی کو بچا لیتا ہے اور یہ کہ شادی آدمی کی ہدایت اور نجات کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

---

[1] ابن ماجه، کتاب النکاح، باب تزویج الحرائر والولود : ۱۸۶۲۔ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں کثیر بن سلیم راوی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اسے ضعیف کہا ہے۔ تقریب التهذیب : ۵۶۴۸۔ امام ابن مدینی رحمه الله اور امام ابو حاتم رحمه الله نے اسے ضعیف کہا ہے۔ امام نسائی رحمه الله نے اسے متروک کہا ہے اور امام ابو زرعة رحمه الله نے بھی اسے کمزور کہا ہے۔ میزان الاعتدال : ۴۰۵/۳۔ شیخ البانی رحمه الله نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔السلسة الضعیفة :۱۴۱۷۔

دیکھا بھی گیا ہے کہ جس کی شادی نہیں ہوتی اور جائز طور پر جنسی میلان پورے نہیں ہو پاتے وہ عموماً مختلف گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، خواہ ان گناہوں میں لوگ غیر ارادی طور پر ہی کیوں نہ مبتلا ہو جاتے ہوں لیکن شادی شدہ آدمی کے پاس چونکہ بچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے عموماً ان گناہوں سے اس کا رشتہ خود بخود کٹ جاتا ہے، ان لوگوں کے برعکس جو شادی بھی نہیں کرتے اور پاک دامنی کی زندگی بھی گزارنا چاہتے ہیں، خواہ مخواہ کش مکش کی ایسی زندگی گزارتے ہیں جس کے متعلق کچھ کہا نہیں جا سکتا ہے کہ کس وقت ان سے کیا حرکت سرزد ہو جائے۔

ایک حدیث میں نکاح کو ''نصف دین'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ارشادِ نبوی ہے:

((اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ نِصْفَ الدِّیْنِ))[1]

''بندہ نے جب شادی کر لی تو اس نے نصف دین پورا کر لیا۔''

غور کیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ گناہوں کے بڑے حصہ کا تعلق جنسی میلانات ہی سے ہے، شرعی اور آئینی حدود میں اپنے آپ کو جکڑ دینے کے بعد اسباب کی حد تک بے راہ روی کے خطرات کم ہو جاتے ہیں۔

نکاح رسولوں کی سنت ہے:

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے شادی کی؟ میں نے جواب دیا نہیں تو انہوں نے کہا:

((تَزَوَّجْ فَاِنَّ اَخِیْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ کَانَ اَکْثَرُهُمْ نِسَاءً یَعْنِیِ النَّبِیَّ صَلَی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ))

''شادی کرو، کیونکہ اس امت کے سب سے بہتر فرد بیویوں کے اعتبار سے سب

---

[1] بیهقی فی شعب الایمان :٥٤٨٦۔ یه حدیث شواهد کی بنا پر حسن درجه تك پهنچ جاتی هے ۔السلسلة الصحیحة : ٦٢٥۔

سے زیادہ تھے۔ان کی مراد نبی کریم ﷺ تھے۔''

پھر یہ بھی مسلم ہے کہ نکاح تمام انبیاء ورسل کی سنت رہی ہے اور تقریباً تمام رسولوں نے شادیاں کی ہیں اور بال بچوں والی زندگی گزاری ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ۚ

(الرعد: ۳۸)

''اور یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں اور بچے بھی دیے۔''

غیر شادی شدہ آنحضرت ﷺ کی نظر میں:

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص مسکین ہے جس کی بیوی نہیں ہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ''گو وہ کثیر المال ہو، تب بھی؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں! گو وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو۔'' (اگر بیوی نہیں ہے تو وہ مسکین ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''وہ عورت بھی مسکین ہے جس کا شوہر نہیں ہے۔'' لوگوں نے پوچھا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اگرچہ اس کے پاس بہت زیادہ مال و دولت ہو تب بھی مسکین ہی ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! تب بھی وہ مسکین ہی ہے۔'' ①

یہ اور اس طرح کی بیسیوں حدیثیں ہیں جو صراحتاً نکاح کی ترغیب دیتی ہیں، ان تمام حدیثوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں عقد نکاح پر کتنا غیر معمولی اصرار کیا گیا ہے۔ مقصد وہی ہے کہ جنسی میلان کو حدود میں رکھ کر افزائش نسل کا ذریعہ بھی اس کو بنایا جائے اور عفت وعصمت کے انمول سرمایہ کی حفاظت کا بھی واحد ذریعہ یہی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں بالکل صحیح فرمایا ہے:

---

① جمع الفوائد: ۱/۲۱٦۔

((وَ یَتَزَوَّجُ لِکَسْرِ الشَّھْوَۃِ وَ اِعْفَافِ النَّفْسِ وَ تَکْثِیْرِ النَّسْلِ))[1]

''شادی شہوت توڑنے، نفس کو عفیف بنانے اور نسل کی کثرت کے لیے کی جاتی ہے۔''

رہبانیت پیغمبر اسلام ﷺ کی نظر میں :

یہی وجہ ہے کہ جب کبھی رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ نکاح سے بعض لوگ پرہیز ہی کو بہتر سمجھتے ہیں تو ان کو فہمائش کر کے شادی کر لینے پر آمادہ کیا۔

حدیث میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے عورتوں سے کنارہ کشی کر لی اور خصی ہو جانے کا ارادہ ظاہر کیا کہ شہوت کی زحمت سے نجات پائیں اور فارغ البالی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور رات دن اسی میں مشغول رہیں۔ نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے اس جذبہ کی تردید فرمائی اور بالآخر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو اس ارادہ سے باز آنا پڑا۔[2]

ایک حدیث میں ہے کہ تین شخص نبی کریم ﷺ کے دولت کدہ پر آئے اور آپ کی ازواج مطہرات میں سے ایک سے آپ ﷺ کی عبادت کے متعلق پوچھا۔ جب ان سے آپ ﷺ کی عبادت کی کیفیت بیان کی گئی تو اس کو سن کر انہوں نے جو رائے ظاہر کی اس سے معلوم ہو رہا تھا کہ شاید وہ آپ کی اس عبادت کو کم سمجھ رہے ہوں۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ کہاں آنحضرت ﷺ جن کے سارے گناہ رب العزت نے معاف کر دیے اور کہاں ہم سراپا گنہگار۔ ایک نے کہا کہ میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا اور شادی سے پرہیز کروں گا۔

جب آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

---

① فتح الباری : ۹/۱۳۳۔

② بخاری، کتاب النکاح، باب ما یکرہ من التبتل و الخصاء : ۵۰۷۳۔

''تم لوگوں نے ایسی باتیں کہی ہیں؟'' پھر فرمایا: ''سنو! اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے بڑھ کر متقی ہوں، لیکن بایں ہمہ روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں یعنی روزہ چھوڑ بھی دیتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، نکاح بھی کرتا ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ پس جو بھی میرے طریقہ سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔''[1]

اس حدیث کے آخری حصہ سے مجھے ثابت کرنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جنہوں نے فخریہ انداز میں کہا تھا کہ وہ عورتوں سے علیحدہ رہیں گے اور شادی سے پرہیز کریں گے۔ رحمت عالم ﷺ نے اپنا عمل پیش فرما کر ان کے خیال کی تردید کی اور آخر میں فرمایا:

((اَتَزَوَّجُ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ))[2]

''میں شادی کرتا ہوں، پس جو میرے طریقہ سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عکاف بن بشر تمیمی رضی اللہ عنہ ایک دن خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا: ''اے عکاف! تمہاری بیوی ہے؟'' حضرت عکاف رضی اللہ عنہ نے جواب: ''نہیں۔'' آنحضرت ﷺ نے پوچھا: ''لونڈی؟'' حضرت عکاف رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ بھی نہیں۔'' یہ جواب سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''صلاحیت رکھتے ہو اور خوشحال بھی ہو پھر بایں ہمہ تم نے شادی سے گریز کیا:

((اِذْ اَنْتَ مِنْ اِخْوَانِ الشَّیَاطِیْنِ))[3]

---

① بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح: ۵۰۶۳۔
② بخاری، باب کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح: ۵۰۶۳۔
③ جمع الفوائد، کتاب النکاح۔

”تب تو تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو۔“

پھر بعد میں آنحضرت ﷺ نے ان کی شادی کرادی۔

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی خدمت نبوی ﷺ میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک جوان مرد ہوں، زنا کا خطرہ محسوس کرتا ہوں اور اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ شادی کرسکوں۔ان کا منشا یہ تھا کہ خصی ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ خاموش رہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھریہی عذر بیان کیا اوراجازت کی درخواست کی۔ اب کی دفعہ بھی آپ ﷺ نے خاموشی ہی اختیار فرمائی۔ تیسری مرتبہ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا سوال دہرایا۔اب آنحضرت ﷺ نے خاموشی توڑی اور فرمایا:

”اے ابوہریرہ! جو کچھ ہونے والا ہے وہ لکھا جا چکا ہے، تم خصی ہو یا نہ ہو، پھر تم خواہ مخواہ ایک موہوم خدشہ کی وجہ سے غلط اقدام کی اجازت طلب کرتے ہو۔“[①]

اسی بنیاد پر اپنے آپ کو خصی کر لینا اسلام میں ناجائز ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو سختی سے اس بات سے منع فرماتے تھے کہ ہم عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں اور فرماتے تھے کہ تم لوگ شادی کرو۔[②]

بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی معاشی حالت اگر نکاح کی ذمہ داریوں کے قبول کرنے کی اجازت نہ دیتی ہو تو ایسے اشخاص کو حکم دیا گیا ہے کہ روزے رکھ کر جنسی میلان کے زور کو توڑیں لیکن اختصاء یعنی اپنے آپ کو خصی بنانے کی اجازت اسلام میں نہیں دی گئی۔ روزہ ہی کو خصی بنانے کا قائم مقام قرار دیا گیا۔

بہرحال پیغمبر اسلام ﷺ نے اس شد و مد سے نکاح سے کنارہ کشی کرنے والوں کی اس

① بخاری، کتاب النکاح، باب ما یکرہ من التبتل والخصاء: ۵۰۷۶۔

② مسند احمد: ۲۴۰/۳، ح ۱۳۵۴۹۔ شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو صحیح لغیرہ قرار دیا ھے۔

لیے تردید فرمائی کہ یہ اقدام نہایت غلط تھا اور اسلام کی روح کے خلاف ایک ایسی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دی ہے، اس کا یہ مصرف کسی طریقہ سے مناسب نہیں تھا۔ اگر اللہ نہ کرے یہ بات اس وقت رد نہ کی جاتی تو آج اس کا بڑا خطرناک انجام ہوتا۔

پاکیزہ نفس عورت رسول اللہ ﷺ کی نظر میں:

اسلام کا نقطۂ نظر انہی وجوہ سے عورت کے متعلق راہبانہ وسوسوں سے بالکل مختلف ہے جن کا ذکر عیسائی راہبوں کے اقوال کی روشنی میں ہو چکا ہے، بجائے زہر کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلدُّنیَا کُلُّھَا مَتَاعٌ وَ خَیرُ مَتَاعِ الدُّنیَا الْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ))[1]

''پوری دنیا متاع ہے اور بہترین متاع نیک عورت ہے۔''

جس دین میں عورت دنیا کی بہترین نعمت ہو اس میں یہ کیونکر برداشت کیا جاسکتا ہے کہ اس کو ناپاک قرار دیا جائے اور اس سے کنارہ کشی کا حکم فرمادیا جائے۔ باقی رہا یہ سوال کہ نیک عورت دنیا کی بہترین پونجی ہے؟ سوچا جائے تو آسانی سے بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ عورت مرد کو بہت سے خطرات اور گناہوں سے محفوظ رکھتی ہے، طبیعت کو اس سے تسکین حاصل ہوتی ہے اور فطری بے چینیوں کے ازالہ کا ذریعہ وہی ہے اور یہ ایک مسلم بات ہے کہ انہی امور کے حصول کے بعد آدمی یکسوئی سے کوئی نیک کام سرانجام دے سکتا ہے اور برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ ورنہ نفسیاتی خواہشات کی ادھیڑ بن سے فرصت ملنا ہی محال ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنیَا النِّسَاءُ وَ الطِّیبُ وَ جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَینِی فِی

---

[1] مسلم، کتاب الطلاق، باب خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ: ۱۴۶۹۔

الصَّلٰوۃِ)) [1]

''دنیا کی چیزوں میں سے میرے دل میں عورت اور خوشبو کی محبت ڈالی گئی اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز کو بنایا گیا ہے۔''

ترغیب نکاح کے ساتھ وعدۂ غناء:

مذکورہ بالا احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام انسان کو اور خصوصیت سے اپنے پیروکار کو جائز طور پر شادی کرنے کی بے حد ترغیب دیتا ہے اور آپ یہ تو پڑھ ہی چکے ہیں کہ جنسی میلان کا تقاضا ناقابل برداشت حد تک پہنچ جائے تو اسلام میں نکاح واجب ہو جاتا ہے۔ فقہائے اسلام کا یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ معاشی خطرات کو خواہ مخواہ محسوس کر کے نکاح سے جو کترانا چاہتے تھے قرآن میں انہی کو حکم دیا گیا ہے کہ:

إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾

(النور: ٣٢)

''اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ کشائش والا ہے۔''

معاشی مسائل کے متعلق صرف عقلی مشوروں پر جینے والے جن اوہام اور وساوس میں تہ و بالا ہوتے رہتے ہیں، وہی اکثر سوچتے ہیں کہ شادی کیسے کریں؟

افلاس نے گھر میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے، بیوی اور پھر بال بچوں کی خوراک و پوشاک کا کیا انتظام ہوگا؟

اس قسم کی تنگ خیالیوں کے معاملہ میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے دلاسا اور تسلی دی

---

[1] نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء: ۳۳۹۱۔ شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ھے۔صحیح سنن نسائی

گئی ہے کہ اس مسئلہ کو اتنا پریشان کن نہ بناؤ، رزق کا معاملہ میرے ہاتھ میں ہے۔قرآن میں بار بار اطمینان دلایا گیا ہے کہ:

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق:۳)

''اور وہ اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو خیال بھی نہیں گزرتا۔''

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ (الانعام:۱۵۱)

''ہم تم کو اور ان کو رزق دیں گے۔''

مطلب یہی ہے کہ حال پر مستقبل کو قیاس نہیں کرنا چاہیے۔" اَلرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ " پر اعتماد کر کے چاہیے کہ جب نکاح کا زمانہ آجائے تو آدمی نکاح کر لے اور اس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، بیوی اور پھر بال بچوں کے نان ونفقہ کا سامان من جانب اللہ ہوگا۔ممکن ہے بیوی کی شراکت سے خیر و برکت بڑھ جائے۔شادی کے بعد خود شادی کرنے والے میں مستعدی اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے، کبھی خود بیوی ہاتھ بٹاتی ہے اور کبھی اس طرح کا کوئی دوسرا سامان فراہم ہو جاتا ہے۔مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس ٹکڑے کے تفسیری ترجمہ میں فرماتے ہیں:

''اور احرار (آزاد) کے نکاح میں اس اپنے عزیز یا عزیزہ کے شوہر یعنی پیغام دینے والے کے فقر و افلاس بالفعل کو جبکہ بالقوۃ اس میں مادۂ اکتساب و خدمت عیال ہوتا ہے، مت سمجھا کرو، کیونکہ اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔پس نہ عدم غنا کو مانع نکاح سمجھیں اور نہ نکاح کو مانع غنا۔اس کا دارو مدار مشیت پر ہے، اگر فقر کے ساتھ مشیت متعلق ہو جائے، تو باوجود نکاح نہ ہونے کے بھی ہو جائے گا اور اگر غنا کے ساتھ مشیت متعلق ہو جائے تو باوجود نکاح ہونے کے بھی نہ ہوگا۔پس ایسے ارتباطات وہمیہ باطلہ پر کیوں نظر کی جائے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے، جس کو چاہے غنی کر دے اور سب کا حال

خوب جاننے والا ہے، جس کو غنا کا اہل دیکھے غنی کر دے جس کو فقر کا اہل جانے فقیر کر دے۔''①

فقر و فاقہ کے شکوک وشبہات کا حل:

اس تفسیری ترجمہ سے انسان کے ان سارے شکوک وشبہات کے جواب مل جاتے ہیں جو انسانی عقل میں پیدا ہو سکتے ہیں، باوجود اختصار کے اس میں ہر پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ نکاح کے بعد بھی اگر کسی کا فقر قائم نظر آئے تو اس کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ دراصل مشیت الٰہی سے متعلق ہے، مگر چونکہ یہاں پہنچ کر انسان کو خصوصیت سے فقر وافلاس کے شبہات پیدا ہوتے ہیں، اس لیے اس موقع پر قرآن پاک نے خصوصیت سے اس موہوم خطرہ کا تذکرہ کر کے انسان کو اس سے نکالنے کی کوشش کی ہے۔ قرآن پاک نے ایک دوسری جگہ بھی اس طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاءَ ۚ

(التوبۃ: ۲۸)

''اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آئندہ تم کو غنی کر دے گا۔''

اس آیت میں بھی غنا کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر معلق کیا گیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ موہوم فقر سے ڈر کر ضروری کام چھوڑنا نہیں چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فقر کے بعد بھی غنا پیدا کر دیتا ہے۔ بہرحال ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ رب العزت نے انسان کو شادی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ فقر کو حیلہ بنا کر نکاح سے کترانا بے ہودہ خیال قرار دیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے کھل کر وعدہ کیا ہے کہ اگر اس میں استعداد وصلاحیت ہے اور اس نے فوری محتاجی اور تنگدستی کے خطرات کو دل سے نکال ڈالا ہے تو ایسی حالت میں وہ کوئی نہ کوئی سامان ضرور کر دے گا۔ ہاں انسان کا فریضہ ہے کہ وہ حصول رزق کے لیے تدابیر اختیار کرے اور اس

① بیان القرآن: ۱۷/۷۔

کے لیے جد وجہد کرے کیونکہ :

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾ (النجم:٣٩)

''انسان کے لیے وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تاثر:

قرآن پاک کی اس آیت:

إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ ﴿٣٢﴾ (النور:٣٢)

''اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔''

اس کو پڑھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نکاح کی رغبت دلاتا ہے اور اس شخص کو شادی کا حکم دیتا ہے جس میں شادی کی صلاحیت پائی جائے اور ساتھ ہی غنا کا وعدہ فرماتا ہے۔''

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نکاح کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرمایا ہے، اس پر عمل کرو اور رب العزت کی اس امر میں اطاعت کرو، اس سلسلہ میں اس نے تم سے جو کچھ وعدہ فرمایا ہے وہ پورا کرے گا۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شادی کے ذریعہ غنا تلاش کرو، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((اِلْتَمِسُوا الْغِنٰی فِی النِّكَاحِ))[1]

''غنا نکاح میں تلاش کرو۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

① تفسیر ابن کثیر: ٣/٣٨٣۔

((ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَوْنُهُمْ، اَلْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَكَاتَبُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْأَدَاءَ وَالنَّاكِحُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْعَفَافَ))①

''جن کی مدد اللہ پر لازم ہے تین ہیں، ایک مجاہد جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، دوسرا وہ مکاتب (غلام جو آزاد ہونے کی قیمت ادا کرنے کا معاہدہ کرلیتا ہے) جو ادا کا ارادہ رکھتا ہے اور تیسرا نکاح کرنے والا جو عفت و پاک دامنی کا ارادہ کرتا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''عورتوں سے شادی کرو، وہ تمہارے یہاں مال اور دولت لانے کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کی آمد کی وجہ سے روزی میں برکت دے گا۔''②

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''جو شخص اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرکے شادی کرے اور دل میں اس کی خوشنودی کا جذبہ رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اس شخص کی مدد کرے اور اس کو برکت عطا کرے۔''③

حالت فقر میں اجازت نکاح:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے فقر کا شکوہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نکاح کرنے کا حکم فرمایا۔④ ماحصل یہ ہے کہ فوری فقر اور تنگ دستی کا خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل خیال

---

① ترمذی، کتاب فضائل الجهاد، باب ما جآء فی المجاهد و الناكح و المكاتب و عون الله اياهم: ١٦٥٥۔ ابن ماجه: ٢٥١٨۔ یہ حدیث حسن درجه کی هے هداية الرواة: ٣/٢٤٦۔

② جمع الفوائد: ١/٢١٦۔

③ جمع الفوائد: ١/٢١٦۔

④ حاشیه بیان القرآن: ٨/١٧۔

نہیں فرمایا اور نہ اس کی وجہ سے کسی کو نکاح کی اجازت دینے میں پس وپیش فرمایا۔

حدیث کی کتابوں میں واقعات مذکور ہیں کہ آپ نے فوری فقر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شادی کا حکم دیا۔ کسی کے پاس کچھ نہ تھا صرف لوہے کی ایک انگوٹھی تھی اور آپ نے اسے شادی کا حکم دے دیا۔ کسی صحابی کی تعلیم قرآن پر شادی کرادی کہ جس کے پاس اس کے سوا کوئی دولت نہ تھی ۔ کوئی خدمت نبوی میں آیا اور شادی کی خواہش ظاہر کی اور اس کے پاس ایک ازار (لنگی) کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے اسے شادی کی اجازت دے دی۔ کسی نے اپنی بیوی کو صرف جوتا دیا اور آپ نے شادی کی اجازت دے دی۔ حد یہ ہے کہ ایک مٹھی ستو اور کھجور پر شادی کی اجازت دے دی۔ (۱)

ان حدیثوں کو پیش کر کے کہنا یہ ہے کہ عہد نبوی میں خود رحمت عالم ﷺ کے سامنے اس طرح کے واقعات پیش آئے، جو بتاتے ہیں کہ تنگ دستی اور فقر وفاقہ کے اس عالم میں شادی کی اور کرائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے خیر وبرکت دی اور رزق کا سامان فرمایا۔

اسلام نے شادی کو اتنی اہمیت کیوں دی؟ اور پیغمبر اسلام ﷺ نے لوگوں کی شادی ایسی تنگدستی میں کیوں کرائی؟ سوچا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ سارا اہتمام اس لیے عمل میں آیا کہ عفت وعصمت کی حامل پاکیزہ زندگی میسر آئے اور اس طرح جائز طور پر بچے پیدا ہوں، جس سے پاکبازی پھیلے اور پھر دنیا میں اخلاق اور عزت وآبرو کی مٹی پلید نہ ہو سکے۔

نکاح سے بالکل مجبوری کی حالت میں عفت کی تاکید:

ہاں انسان میں شادی کی جب بالکل صلاحیت نہ ہو، نہ بالفعل اور نہ بالقوہ، وہ دائمی طور

---

(۱) بخاری: ۵۱۳۵۔ مسلم: ۱۴۲۵۔ ترمذی: ۱۸۸۹۔ ابوداؤد: ۲۱۱۰۔ ابن ماجہ: ۱۹۱۷۔ جس روایت میں ہے کہ ایک مٹھی ستو اور کھجوریں دے کر شادی کی اجازت دی وہ ضعیف ہے (ہدایۃ الرواۃ: ۲۸۴/۳) اسی طرح جس میں ہے کہ جوتے کے جوڑے پر شادی کی اجازت دے دی وہ بھی ضعیف ہے۔ (ضعیف ابن ماجہ للألبانی: ۳۶۹۔ ارواء الغلیل: ۱۹۲۶۔

پر مجبور ہو یا اس کو بیوی نہ مل سکے تو ایسی حالت میں اسلام نے اجازت دی ہے کہ اس وقت تک شادی روکی جاسکتی ہے جب تک انسان میں صلاحیت و استعداد پیدا نہ ہو جائے یا بیوی نہ مل جائے، مگر اس حالت میں بھی اسے عفت اور پاک دامنی کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ

(النور: ٣٣)

''ایسے لوگ جن کو نکاح کی استعداد نہیں ہے وہ ضبط کریں تا آنکہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔''

مختصر یہ ہے کہ اسلام نے رشتۂ ازدواج پر زور ڈالا ہے اور بالکل مجبوری کی حالت میں حکم دیا ہے کہ ضبط نفس اور پاک دامنی سے کام لے اور ضبط نفس کی جو جائز صورت ہو عمل میں لائے۔ رحمت عالم ﷺ نے ایسے مجبور آدمی کے لیے حکم دیا ہے کہ روزہ رکھ کر خواہشات نفسانی کا زور توڑے، ایسا نہ ہو کہ شہوت کا غلبہ کہیں بدکاری پر آمادہ کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَ مَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ))[1]

''جو شخص اسباب جماع پر قدرت نہ رکھتا ہو، اس پر روزہ لازم ہے کہ وہ شہوت کو توڑتا ہے۔''

کتب احادیث میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق آتا ہے کہ وہ مجبوری کی وجہ سے شادی نہ کر سکے، حالانکہ نکاح کی ان کو ضرورت تھی، آنحضرت ﷺ نے ان کو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور انہوں نے اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو گناہ سے محفوظ رکھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے شادی کا سامان فراہم کر دیا تو پھر انہوں نے شادی کر لی۔

---

① بخاری، کتاب الصوم، باب الصوم لمن خاف علی نفسه العزبة: ١٩٠٥۔

شادی سے اجتناب اور اس کے نقصانات

نکاح کا یہ تاکیدی حکم مصلحت وحکمت پر مبنی ہے۔انسان کی سرشت (طبیعت) میں جنسی میلان رکھا گیا ہے ، بلوغ کے بعد اس میلان کے آثار کا ظہور شروع ہوتا ہے اور بتدریج شدت پذیر ہوتے ہوئے تقاضے کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔سوتے جاگتے، چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اسی احساس کو اپنے اوپر غالب ومستولی پاتا ہے۔دل اور عقل میں جنگ جاری رہتی ہے۔طبیعت حدود کی پروا کیے بغیر ابھارتی ہے کہ خواہش پوری ہو،خواہ جس ذریعہ سے بھی ہو،عقل خواہش پر لگام لگاتی ہے۔الغرض طبیعت اور عقل کی اس کشمکش میں کبھی عقل کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور کبھی طبیعت ہی عقل کو دبا دیتی ہے،غیر ازدواجی زمانہ خصوصاً ایام شباب میں ...... یہی کشمکش ہے جس سے گزرنے والے گزرتے رہتے ہیں۔

مگر انسان جب شادی کر لے اور حصول خواہش کے لیے جائز راستہ پیدا ہو جائے تو پھر وہ اس خود آفریدہ کشمکش سے نجات پا جاتا ہے اور لا حاصل خیالات کی ادھیڑ پن سے محفوظ ہو کر وقت کو صحیح مصارف میں صرف کرنے کا موقع خود بخود مل جاتا ہے۔طمانیت اور یکسوئی میسر آتی ہے اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جو کام یکسوئی اور دل کی طمانیت کے ساتھ انجام پائے گا وہی نتیجہ خیز ہو گا۔

مقاصد نکاح:

زن وشو کے باہمی جنسی تعلقات کے تین ضروری مقاصد بیان کیے گئے ہیں یعنی یہ نسل

انسانی کے اجرا کا ذریعہ ہے۔ یہ تو خیر عام بات ہے، قیام قیامت تک آدمی کا وجود اسی کا رہین منت ہے۔ پہلی بات تو یہ ہوئی، دوسرا طبی نفع بھی ہے کہ مادۂ تولید اگر جسم سے خارج نہ ہوتو طرح طرح کے امراض کا خطرہ رہتا ہے اور طبعی تقاضے کی تکمیل سے لذت وسرور، یہ تیسرا فائدہ ہے۔ ماہرین، ڈاکٹروں اور حکیموں کی رائے ہے کہ انسانی صحت کی حفاظت کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب جماع بھی ہے۔ ①

مادۂ تولید اور اس کا اخراج:

جالینوس کا قول ہے کہ مادۂ تولید پر آگ اور ہوا غالب ہے اور اس کی طبیعت گرم و تر ہے، اس کا فاضل حصہ جب بھی روک لیا جاتا ہے یا رک جاتا ہے اور اسی طرح ایک عرصہ تک رکا رہتا ہے تو اس سے کئی مہلک قسم کی بیماریاں جنم لیتی ہیں ۔کبھی وسواس کی بیماری لگ جاتی ہے،کبھی جنون کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور کبھی مرگی کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔نیز مادۂ تولید کا اخراج معتدل صحت پر خوشگوار اثر ڈالتا ہے۔ بہت سی بیماریوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے، ورنہ رکاوٹ سے ایک زہریلا مادہ تمام جسم میں دوڑ جاتا ہے جو صحت کے لیے مضر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے زیادتی کے وقت انسانی طبیعت اس کے باہر نکالنے پر مجبور ہوتی ہے۔ ②

''نفیسی'' جو طب کی مشہور کتاب ہے، اس کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت سے مقاربت اس وقت کرنا چاہیے جب طبعی خواہش پوری قوت سے اس کی متقاضی ہو،طبیعت کا واقعی تقاضا ہو، تکلف اور جبری تصورات وخیالات کا نتیجہ نہ ہو۔طبعی تقاضے کی علامت یہ ہے کہ مادۂ تولید میں گویا اضطراب و التہاب کی کیفیت محسوس ہو ، بے قراری کا سا حال طاری ہو جائے، یہی مقاربت کا صحیح وقت ہے۔ورنہ بغیر اس کے صحت کو اس فعل سے نقصان ہی پہنچتا ہے۔

آخر میں علامہ نفیسی لکھتے ہیں:

---

① زادالمعاد: ۳/۱٤٦۔

② زاد المعاد: ۳/ل۱٤٦۔

((وَ حِيُنَئِذٍ لَا بُدَّ مِنَ الْجِمَاعِ وَ دَفْعِ الْمَنِيِّ لِاَنَّهُ اِذَا تُرِكَ وَ كَثُرَ فِي الْاَوْعِيَةِ خَنَقَ الْحَارَ الْخَرِيُزِيِّ وَ اَطْفَاءَهُ وَيَلْزَمُ ذٰلِكَ اَنْ يَبْرِدَ وَ يُبَرِّدَ الْبَدَنَ)) ①

''اور اس وقت مقاربت اور مادۂ تولید کا خارج کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر اسے ترک کر دیا جائے گا اور ظرف میں زیادہ ہو جائے گا تو حرارت غریزی (فطری حرارت) کا یہ گلا گھونٹ دے گا اور اسے بجھا دے گا اور یہ لازم ہوگا کہ وہ خود ٹھنڈا پڑ جائے اور بدن کو بھی ٹھنڈا کر دے۔''

مادۂ تولید کا حبس اور اس کے نقصانات:

نقصان یہیں ختم نہیں ہو جاتے، بلکہ اور بھی مفاسد پیدا ہوتے ہیں:

((وَ قَدْ يَسْتَحِيُلُ الْمَنِيُّ اِلٰى طَبْعِيَّةٍ سَمِّيَّةٍ وَ يُرْسِلُ اِلَى الْقَلْبِ وَالدِّمَاغِ بُخَارًا رَدِّيًا سَمِّيًا يُوجِبُ الْغَشِيَّ وَالصَّرْعَ وَ نَحْوَهُمَا)) ②

''مادۂ تولید زہر آلود طبیعت میں بدل جائے گی اور یہ زہر آلود مادہ دل اور دماغ کی طرف زہر آلود ردی بخار کو روانہ کر دے گا جو غشی، مرگی اور اس طرح کی دوسری بیماریوں کا موجب ہوگا۔''

پھر آگے لکھتے ہیں:

''مادۂ تولید جو خود نکلنے کے لیے بے چین ہو، تو اس کا خارج کرنا ضروری ہے، تاکہ وہ غذا قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکے۔'' ③

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے بہت درست لکھا ہے کہ مقاربت سے بالکل کنارہ کش نہیں ہونا چاہیے، ورنہ جس طرح اس کنویں کا پانی خراب ہو جاتا ہے جس کا پانی نہیں نکالا جاتا۔ یہی

---

① نفیسی: ۴۱۳۔
② نفیسی: ۴۱۳۔
③ نفیسی: ۴۱۳۔

حشر مکمل پرہیز کا بھی ہوگا۔ محمد بن زکریا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ترک مقاربت پر کچھ عرصہ قائم رہے تو اس کے اعصاب کی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں، اس کے سوت بند ہو جاتے ہیں اور نسلی عضو سکڑ کر رہ جاتا ہے۔ ①

ایک جگہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((وَ رُبَّمَا غَلَبَتْ عَلَی الرَّجُلِ شَهْوَتَهُ فَيَتَضَرَّرُ بِالتَّاخِيْرِ فِيْ بَدَنِهِ اَوْ قَلْبِهِ اَوْ فِيْ بَصَرِهِ)) ②

''بسا اوقات مرد پر جنسی میلان کا تقاضا غالب ہو جاتا ہے، اگر اس تقاضے کی تکمیل میں تاخیر سے کام لیا جائے گا تو بدن کو نقصان پہنچتا ہے، اسی طرح دل کو بھی اور بینائی کو بھی۔''

اِن تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ شادی کرنا ضروری ہے، کیونکہ مادۂ تولید کا اخراج تقاضے کی شدت کے وقت نہ کیا جائے گا تو صحت بھی بگڑتی ہے اور اس کے سوا بھی دینی و دنیوی نقصانات کا آدمی نشانہ بن جاتا ہے۔

آوارگی اور زنا کا راستہ:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مادۂ تولید کی پیداوار میں جب زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا بخار دماغ کی طرف چڑھتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوب صورت عورتوں کو دیکھنا آدمی کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے اور ان کی محبت دلوں میں جگہ بنانے لگتی ہے۔ اس بخار کا ایک حصہ شرمگاہ کی طرف بھی آتا ہے، جس کی وجہ سے تقاضے میں شدت پیدا ہوتی ہے اور مقاربت کی قوت ابھرتی ہے اور یہ عموماً نوجوانی کے دور میں ہوتا ہے اور شادی نہ ہونے کی صورت میں بالآخر یہ چیز زنا

① زاد المعاد: ۱٤٦/۳۔

② نووی شرح مسلم: ٤٥٠/۱۔

کے لیے ابھارتی ہے۔ اس کے اخلاق کردار گندے ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور ایک دن شہوت اسے بڑے خطروں میں ڈال دیتی ہے۔“ ①

ہم بستری کے فائدے:

رحمت عالم ﷺ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ)) ②

”اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو اسباب مقاربت پر قدرت رکھے اسے چاہیے کہ وہ نکاح کرلے، نکاح نظر کو نیچا کرتا (حیا پیدا کرتا) ہے اور شرمگاہ کا محافظ ہے۔“

جالینوس نے اپنی کتاب ”حفظ الصحة“ میں لکھا ہے:

”بیوی سے اختلاط مخصوص اعتدال کے ساتھ تندرستی کے مختلف ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے اور بہت سے امراض کی شفا ہے۔“ ③

علامہ نفیسی لکھتے ہیں:

”مقاربت کرنے سے حرارت غریزی بڑھتی ہے اور یہ فعل بدن کو غذا قبول کرنے کی صلاحیت بخشتا ہے، انسان کو خوش رکھتا ہے، غصہ کو ختم کرتا ہے، بے ہودہ خیالات کو دور کرتا ہے اور بہت سے سوداوی اور بلغمی امراض کے لیے مفید ہے۔ ترک مقاربت صحت کے لیے مضر ہے اور اس سے پرہیز کرنے والا بہت سی تکلیفوں اور مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“ ④

---

① حجة الله البالغه: ۱۲۲/۲۔

② مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النكاح...... الخ: ۱۴۰۰۔

③ حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام: ۱۱۔

④ نفیسی: ۴۱۵۔

جائز ہم بستری اور تزکیۂ قلب:

مولانا مدنی مدظلہ اپنے ایک ارادت مند کو لکھتے ہیں:

((اَمَّا قَوۡلُکُمۡ اِنَّ الۡبَاطِنَ مَعَ الۡاِشۡتِغَالِ بِالزَّوۡجَةِ لَا یُمۡکِنُ فَلَا کَادَ أُسَلِّمُهُ فَاِنَّ الۡجِمَاعَ یُصَفِّی الۡقَلۡبَ وَ یَزِیۡلُ الۡکُدُوۡرَاتِ الرُّوۡحِیَّةَ وَ قَدۡ قَالَ شَارِحُ کِتَابِ الۡقَاضِیۡ عِیَاضٍ رَحۡمَةُ اللّٰهِ عَلَیۡهِ کُلُّ شَهۡوَةٍ یُسَوِّدُ الۡقَلۡبَ اِلَّا الۡجِمَاعَ فَاِنَّهٗ یَزِیۡدُهٗ صَفَاءٌ)) ①

''تمہارا یہ کہنا کہ شادی کرنے کے بعد باطن کی اصلاح ناممکن ہے میں اسے تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ مقاربت تو دل کو جلا بخشتی ہے اور روحانی آلائشوں کو صاف کرتی ہے۔ کتاب قاضی عیاض کے شارح نے کہا ہے: ''ہر شہوت قلب کو سیاہ کرتی ہے مگر ایک مقاربت کا فعل کہ اس سے دل کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔''

ہم بستری میں اعتدال:

مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اعتدال کی حدود کو توڑ کر اسی مشغلہ میں آدمی ڈوب جائے کیونکہ یہ بے اعتدالی بھی سخت مضر ہے۔ اوپر جالینوس اور نفیسی کے جو اقوال نقل کیے گئے ہیں ان میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ اس فعل میں اعتدال کا لحاظ ازبس ضروری ہے۔ صادق اور سچے تقاضے کے بعد ہی یہ مفید ہے، ورنہ خواہ مخواہ زور و جبر سے آمادہ ہو کر اس میں مشغول ہونا بے حد مضر ہے۔ نفیسی لکھتے ہیں:

((وَ الۡاِفۡرَاطُ فِی الۡجِمَاعِ یُسۡقِطُ الۡقُوَّةَ وَیَضُرُّ الۡعَصۡبَ فَیُوۡقِعُ فِی الرِّعۡشَةِ وَالۡفَالِجِ وَالتَّشَنُّجِ وَ یُضۡعِفُ الۡبَصَرَ)) ②

---

① مکتوبات شیخ الاسلام: ۳۱/۲۔

② نفیسی: ۴۱۶۔

''مقاربت کی کثرت قوت کو گھٹا دیتی ہے، رگ پٹھوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ پھر رعشہ، فالج اور تشنج اس سے پیدا ہوتا ہے اور بینائی کی قوت کمزور ہوتی ہے۔''

معلوم ہوا کہ مقاربت کی زیادتی انسان کو سخت نقصان میں ڈالتی ہے۔ اس سے پرہیز بڑی حد تک ضروری ہے، یہ اس حد تک رہے جو اس کی صحت کے لیے مفید ہو اور دین کے کاموں میں الجھنوں سے محفوظ رکھے۔

جائز راستوں کا ترک اور اس کا عبرت ناک انجام:

جب اتنی بات ثابت ہو چکی کہ مادۂ تولید کا خارج ہوتے رہنا صحت کے لیے ضروری ہے، قدرت نے جو فطری طریقہ اس کے اخراج کا مقرر کر دیا ہے اس سے انحراف کر کے جو مادۂ تولید کو غیر فطری راہوں سے نکال کر برباد اور ضائع کرتے ہیں ان کو قدرت کے انتقام سے ڈرنا چاہیے۔ آدمی آئندہ نسلوں کا امین ہے، اس امانت کے ساتھ خیانت ہولناک مستقبل کو سامنے لاتی ہے، اتنا ہولناک کہ جس کا اندازہ اس وقت نہیں ہوتا جس وقت خیانت کرنے والے اس امانت میں خیانت سے کام لیتے ہیں اور غیر فطری راہوں سے اس کو ضائع کرتے ہیں۔

محمد بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک جماعت جس نے مقاربت کا فطری طریقہ چھوڑ دیا تھا اور مادۂ تولید کو غیر فطری راہوں سے ضائع کرتے تھے، میں نے دیکھا کہ ان کے بدن ٹھنڈے پڑ گئے، ان کی تیزی میں سستی آ گئی، بلا سبب ان پر حزن و ملال چھایا رہنے لگا، ان کی امنگیں پژمردہ ہو کر رہ گئیں اور ان کا ہاضمہ خراب ہو گیا۔

غیر فطری طریقوں میں نقصانات:

جو لوگ مادۂ تولید کو غیر فطری طریقوں سے نکالتے ہیں ان کی صحت دائمی طور پر خطرہ میں گھر جاتی ہے اور پھر وہ عورت کے قابل نہیں رہتے جس سے ملک کا بڑا نقصان ہوتا ہے،

آدمی کی پیداوار رک جائے گی اور عورتیں بے سہارا رہ جائیں گی۔ استمنا بالید (اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کرنے والے) یا عادت قوم لوط کو اختیار کر کے جو اپنے جسم اور اپنی روح پر ستم کے پہاڑ توڑتے ہیں، ملعونوں کا یہ طبقہ جس پر اللہ کی، اللہ کے فرشتوں کی لعنتیں برستی ہیں،اپنے لیے بھیانک نتیجوں کو مرنے سے پہلے اسی زندگی میں جن شکلوں میں دیکھ لیتا ہے اسی سے اندازہ کرسکتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کو کن حالتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آج دنیا کے جعلی دوا فروشوں کا تختۂ مشق ساری دنیا میں اللہ کا پھٹکارا ہوا یہی طبقہ بنا ہوا ہے، جو کچھ اس پر گزرتی ہے کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا۔ اندر ہی اندر کڑھتا ہے اور لوگ اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کے نقصانات کا اندازہ کرنے کے لیے یہ اقتباس پڑھیں جو ایک معتمد حکیم کی تحریر ہے:

''استمنا بالید' اس بدخصلت اور قبیح حرکت کی ابتدا تو افریقہ سے ہوئی لیکن عرب، مصر ہندوستان بلکہ دنیا کے تمام مہذب اور غیر مہذب ممالک میں یہ بدعادت قدیم ایام سے کم وبیش برابر جاری ہے۔ اکثر طالب علم، مجرد لوگ اور ریاکار زاہد ہی اس مرض میں مبتلا ہوا کرتے ہیں۔

یہ ایک ایسا قبیح اور شنیع فعل ہے کہ جس کی بدولت بہت سے خاندان تباہ ہوئے اور ہو رہے ہیں، برادران وطن کی عام ناطاقتی اور کمزوری اس کی بین شہادت ہے۔ صرف یہی اکیلی حرکت ناشائستہ آج کل ہماری نسلوں کو بے حد کمزور بنا رہی ہے جوانوں کی جوانی خاک میں ملانے والی، شباب کی امنگوں اور حوصلوں پر پانی پھیرنے والی اور ترقی وترفع کے ولولوں کو ملیامیٹ کرنے والی یہی بدترین خصلت ہے۔کاش! اس وبائے عام کے مہلک نتائج اب بھی جوانوں کے سامنے آئیں۔ کاش! ان کی آنکھیں کھلیں اور سینکڑوں واقعات سے عبرت و بصیرت حاصل کریں۔ یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس تباہ کن عادت میں (۸۰) اسی

فیصد آدمی گرفتار ہیں اور اس کے اندازے کے لیے بہترین معیار وہ روزانہ کے خطوط ہیں جو حکیم صاحب قبلہ دام اقبالہم کی خدمت میں تجویز دوا علاج کے لیے آتے ہیں۔

یہ اپنے ہاتھوں سے اپنی بہترین زندگی کو خاک میں ملا کر، زندہ درگور ہو کر ہمیشہ کف افسوس ملتے رہتے ہیں، ان نتائج کا اثر قلب و دماغ ،جگر و معدہ ،گردوں اور آلات تولید پر یکساں پڑتا ہے۔

ایک اور قبیح و شنیع حرکت بھی ہوتی ہے ،وہ اغلام ہے ،اس کے نتائج بھی قریب قریب جلق ہی جیسے ہوتے ہیں اور اس علت کا گرفتار بھی ایسی ہی پریشانی اٹھاتا ہے جیسے مجلوق۔ ان دونوں صورتوں میں عضو مخصوص کے پٹھے بالکل کمزور ہو جاتے ہیں اور ماند پڑ جاتے ہیں نیز رطوبات فاسدہ جمع ہو کر اس کو فعل طبعی سے روک دیتی ہے اور اسی وجہ سے ضعف انتشار اس کا اولین نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ بات مانی جا چکی ہے کہ ہاتھ میں ایک قسم کی سمیت (زہریلا پن) ہوتی ہے۔''[1]

غیر فطری راستوں سے تکمیل شہوت اسلام کی نظر میں :

اسلام نے اسی لیے نسل انسانی کے ساتھ ان خباثت کرنے والوں کی سخت سزائیں مقرر کی ہیں۔ حدیث نبوی ہے :

((مَنْ وَجَدْتُّمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوْا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ))[2]

''تم جس کو دیکھو کہ وہ قوم لوط کا عمل کرتا ہے تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر ڈالو۔''

---

① حاذق : ۲۲۵،۲۲۶۔

② ابوداؤد، کتاب الحدود، باب فیمن عمل عمل قوم لوط:۴۴۶۲۔ ترمذی : ۱۴۵۴۔ ابن ماجہ : ۲۵۶۱۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ ارواء الغلیل : ۲۳۵۰۔

مادۂ تولید کی بربادی ہی کی شکل یہ بھی ہے کہ کوئی بیوی کے ساتھ عمل قوم لوط کا ارتکاب کرے۔ حدیث میں یہ بھی ہے:

((لَا يَنظُرُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ اِلٰى رَجُلٍ اَتٰى رَجُلًا اَوِ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ)) ①

''اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا جو کسی مرد یا عورت سے اغلام کرتا ہے۔''

اسی انسانی امانت کی خیانت کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ جس کی طرف حدیث ہی میں اشارہ کیا گیا ہے اور سخت سزا تجویز کی گئی ہے یعنی:

((مَنْ اَتٰى بَهِيْمَةً فَاقْتُلُوْهُ)) ②

''جو کسی چوپایہ سے وطی کرے اس کو قتل کر ڈالو۔''

مادۂ تولید کو ہاتھ وغیرہ سے نکال کر ضائع کرنا، اسلام میں اس کی بھی سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے۔

((اَلنَّاكِحُ بِالْيَدِ مَلْعُوْنٌ)) ③

''ہاتھ سے منی نکالنے والا ملعون ہے۔''

مشاہدہ بتا رہا ہے کہ ناکردنی کرنے والوں کے چہرہ کی رونق غائب ہو جاتی ہے۔ ایک پھٹکارا ہوا اور بے رونق آدمی معلوم ہوتا ہے، اپنی تندرستی کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات مردمی اور رجولیت کی قوت کو بھی یہی عادت کھو دیتی ہے۔

بہر حال جو کچھ اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا، اس سے اتنی بات کھل کر سامنے آ گئی کہ وہ تمام طریقے جو غیر فطری ہیں، اسلام میں سختی کے ساتھ ان کے سد باب کی کوشش کی گئی ہے۔

---

① ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراھیة اتیان النساء فی أدبارھن: ۱۱۶۵۔

② ابوداؤد، کتاب الحدود، باب فیمن اتی بھیمة: ۴۴۶۴۔ نسائی فی السنن الکبریٰ: ۷۳۴۰۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (ارواء الغلیل: ۲۳۴۸)۔

③ یہ حدیث تلاش کرنے کے باوجود نہیں مل سکی۔ واللہ اعلم۔

کیونکہ شخصی، خاندانی اور عام انسانی نقصانات کا دروازہ ان سے کھل جاتا ہے۔قوم کی قوم اور نسل کی نسل کو انہی بری عادتوں نے تہس نہس کر کے رکھ دیا ہے۔

اجتماعی حیثیت سے نکاح کی افادیت:

اسلام میں صرف جائز فطری راہ کھلی رکھی گئی ہے کہ ہر حیثیت سے وہ مفید ہی مفید ہے، یہ جائز طریقہ وہی نکاح کا طریقہ ہے۔مذاہب وادیان، آئین وقوانین سب ہی میں اس فطری جائز طریقہ کو کھلا رکھا گیا ہے۔اسی رشتہ پر خاندانی اور قبائلی زندگی کا دار و مدار ہے۔نکاح کا طریقہ اگر نہ ہو تو نظام حیات درہم برہم ہو جائے اور مدنیت وارتقاء کا نام ونشان مٹ جائے۔

کون نہیں جانتا کہ عمر کے ایک مخصوص حصہ میں آکر مرد کو عورت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تاکہ اس سے تسکین حاصل کرے اور عورت کو مرد کی تلاش ہوتی ہے جس کا سہارا لے کر وہ اپنی سب سے بڑی دولت عصمت کو محفوظ رکھ سکے اور پھر دونوں مل کر پاکدامنی کی زندگی گزاریں اور حوادث زمانہ کے وقت ایک دوسرے کے معاون ہوں۔مرد کے پاس عقل ہے دل نہیں، عورت کے پاس دل ہے عقل نہیں، یعنی ہر ایک کا ایک پہلو کمزور ہے۔جب تک دونوں مل نہ جائیں، کسی کی بھی زندگی مکمل نہیں ہوسکتی اور شادی کرنا اجتماعی حیثیت سے بھی ضروری ہے کہ مذکورہ فوائد کے ساتھ اجتماعی شیرازہ بندی میں سہولت پیدا ہو،تعلقات اور باہمی انس ومحبت دو خاندانوں کو جوڑ دے۔اگر شادی نہ ہو تو باپ کہاں سے آئے گا؟ ماں کون ہوگی؟ بہن بھائی کا رشتہ کس طرح پیدا ہوگا؟ شوہر اور بیوی کون کہلائے گا؟ سسر اور سالا کون بنے گا؟ رضاعی اور غیر رضاعی رشتہ کی شاخ کس درخت سے پھوٹے گی؟ بھائی چارہ دنیا میں کہاں سے جنم لے گا اور باہمی تعلقات کی جڑ کیونکر مضبوط ہوگی؟

شادی کی یہ اہمیت آپ طبی اور مذہبی حیثیت سے پڑھ چکے،اب یہ بھی ملاحظہ کیجیے کہ دنیا کے موجودہ مفکرین اور روشن خیال اس سلسلہ میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

بھارتی مفکرین کا بیان:

ہمارے ملک ہندوستان کے مشہور لیڈر اور بھارت کے پہلے ہندوستانی گورنر جنرل مسٹر راجگو پال اچاریہ کہتے ہیں:

''عورتوں کے لیے شادی کرنا بہت ضروری ہے۔ ڈاکٹری، انجینئرنگ اور سیاست دانی بلاشبہ باعزت پیشے ہیں مگر گھربار کی نگرانی اور بچوں کی پرورش بھی کچھ کم قابل عزت نہیں ہے۔فوجی کارخانوں میں کام کرنا اور دفتروں میں حاضری دینا خواہ کتنا ہی اہم ہو،لیکن گھریلو زندگی کے نوک و پلک درست کرنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے، میں نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں جو تجربہ حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کے اخلاق کی تکمیل ماں بن کر ہی ہوسکتی ہے۔''①

ایک انگریز عورت کی رائے

ایک فاضل فرنگی عورت لکھتی ہے:

---

① زمزم لاہور، ۱۷ اگست ۴۵ء۔

''عورت کا اولین فریضہ شادی، مادریت اور خانہ داری ہے، معاشرہ کا فرض ہے کہ ہر عورت کے لیے اس کے مواقع بہم پہنچائے اور جو عورت اس کی تلاش میں ہو اسے وہ آسانی سے مل جائے، جیسے مرد کو ذریعۂ معاش۔''①

مغربی مفکر کا مشورہ:

ایک مغربی مفکر این تھونی ایم لوڈ و ویسی اپنی کتاب ''عورتوں کا تحفظ'' میں لکھتا ہے:

''اس امر پر زور دینا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر عورت کے لیے ایک خاص عمر تک ازدواجی زندگی کو مقصود زندگی قرار دیا جانا چاہیے اور یہ امر والدین کے ذہن نشین کرنا چاہیے کہ ازدواج ہی وہ اصل غرض ہے جس کے لیے لڑکیوں کی تربیت کی جانی چاہیے۔ انسانیت کے بہترین پہلوؤں کی تکمیل ماں بننے سے ہوتی ہے اور اس کے علاوہ جو چیز بھی ایک عورت حاصل کرے وہ اس سے کمتر درجہ رکھتی ہے اور وہ لوگ جو اسے عالم شباب میں یہ فریب دیتے ہیں کہ اس کے لیے ماں بننے سے بڑھ کر یا اس کے برابر اور مشاغل بھی ہیں، وہ نہ صرف صنف نازک کے بلکہ نوع انسانی کے بھی دشمن ہیں۔''②

یہی مصنف اپنی اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتا ہے:

''چونکہ عورت کامل طور پر زندگی اور اس کی افزائش کے کاروبار میں ڈوبی ہوئی ہے، اس لیے اس حقیقت کا صاف طور پر اور بلا خوف تردید اعلان ہونا چاہیے کہ تمام وہ لوگ جو اسے یہ سکھاتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی اور شغل اس کا اصلی شغل ہے، تمام وہ لوگ جو مسائل حاضرہ کے گورکھ دھندہ میں اسے نسوانیت کے بارے میں ایسے قصے کہانیوں سے پریشان کرتے ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اصلی

---

① صدق جدید لکھنؤ، ۱۸ جنوری ۵۲ء۔

② ندائے حرم کراچی جمادی الاولیٰ :۶۹۔

نسوانیت زندگی اور اس کی افزائش سے علیحدہ کوئی چیز ہے۔غرضیکہ وہ تمام لوگ جو اسے مرد اور بچہ سے دور رہتے ہوئے مسرت ،اطمینان اور راحت کی توقعات دلاتے ہیں جھوٹے ہیں۔''[1]

---

① ندائے حرم کراچی، جمادی الاولی: ۱۳۶۹ھ ۔

مقاصد نکاح اور عفت وعصمت

یہ چند نمونے بطور مثال نقل کیے گئے ہیں، ورنہ انسانی تاریخ کا ایسا کونسا حصہ ہے جس میں ازدواجی زندگی کی اہمیت محسوس نہیں کی گئی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہمیں اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ دوسرے منافع وفوائد کے ساتھ ''رشتۂ ازدواج'' کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ عفت وعصمت اور ناموس وآبرو کی انمول دولت جو انسان کو بخشی گئی ہے، اس دولت کی حفاظت کا ضامن ازدواج کا یہی آئینی طریقہ ہے جسے ہم نکاح کہتے ہیں اور اب مسئلہ کے اسی پہلو پر گفتگو کی جائے گی۔

نکاح میں چار ضروری شرطیں:

قرآن پاک نے جہاں محرمات کا ذکر کیا ہے وہاں اس کو ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ ۚ (نساء: ٢٤)

''اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں، اس طرح کہ تم مال خرچ کر کے ان سے نکاح کرو بشرطیکہ اس سے مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ

کہ شہوت رانی۔‘‘

یعنی محرمات کے علاوہ جو عورتیں ہیں، وہ چار شرطوں کے ساتھ حلال ہوتی ہیں:

۱۔ دونوں طرف سے ایجاب وقبول پایا جائے۔جس کی طرف ﴿اِنْ تَبْتَغُوْا﴾ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

۲۔ مال دیا جائے جس کو اصطلاح میں ’’مہر‘‘ کہتے ہیں جس کی ﴿بِاَمْوَالِكُمْ﴾ کا لفظ وضاحت کررہا ہے۔

۳۔ یہ کہ عورت کو قبضہ میں لانا اور جائز طریقہ سے رکھنا مقصود ہو کہ طرفین کو عفت وعصمت اور اخلاق کی دولت نصیب ہو۔ محض مادۂ تولید کا ضائع کرنا مقصود نہ بنالیا جائے۔ جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے کہ دل کی بھڑاس نکلی، منہ کالا کیا اور چلتے بنے۔ ماحصل یہ ہے کہ شادی اس مقصد سے کی جائے کہ عورت کو بیوی بنا کر ہمیشہ رکھیں گے اور عورت اس کے پاس پاکدامن بن کر رہے گی۔ مطلب یہی ہے کہ ازدواجی رشتہ وقتی نہیں ہے یعنی ’’متعہ‘‘ کا حصہ نہیں ہے کہ چند مہینوں کے لیے رکھا اور پھر علیحدہ ہو گئے، جس پر ﴿مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ﴾ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔

۴۔ چوتھی بات یہ ہو کہ دوستی مخفی نہ ہو کہ ناجائز عشق ومحبت کی زنجیر میں جکڑے ہوں اور کسی کو علم نہ ہو۔ بلکہ رشتۂ ازدواج کے لیے ضروری ہے کہ کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کے شرعی گواہ ہوں، عام اعلان اور شہرت ہو تو بہتر ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ کی پانچویں آیت میں: ﴿وَلَا مُتَّخِذِيْ اَخْدَانٍ﴾ آیا ہے۔

نکاح سے حصول عفت:

’’احصان‘‘ کا لفظ جو قرآن میں آیا ہے وہ ’’حصن‘‘ سے مشتق ہے، جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ یعنی انسان شادی کرکے عفت وعصمت کے قلعہ میں آجائے اور برے اخلاق سے محفوظ ہو جائے، جو شادی کا بنیادی مقصد ہے۔ ایسا نہ ہو کہ صرف لطف اندوزی کا ارادہ ہو اور

بس۔ ﴿مُحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسَافِحِیۡنَ﴾ کا لفظ بتا رہا ہے کہ بغیر اس مہتم بالشان چیز کے، جس کو عفت کہتے ہیں، نکاح نکاح نہیں ہے۔ نکاح جس طرح مردوں کے لیے پاک دامنی اور اعلیٰ اخلاق کا ذریعہ ہے، عورتوں کے نکاح کا مقصد بھی یہی ہے:

فَانۡكِحُوهُنَّ بِإِذۡنِ أَهۡلِهِنَّ وَءَاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِٱلۡمَعۡرُوفِ مُحۡصَنَٰتٍ غَيۡرَ مُسَٰفِحَٰتٍ وَلَا مُتَّخِذَٰتِ أَخۡدَانٍ ۚ

(نساء: ۲۵)

''سو ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لیا کرو اور ان کے مہر ان کو دستور کے مطابق دے دیا کرو، اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں، نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی۔''

اس آیت میں کھلے لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ شادی سے عورتوں کا مقصد بھی یہی ہو کہ وہ عفت و عصمت کی زندگی گزاریں گی، اخلاق و کردار کو بلند رکھیں گی اور اپنے داعیات فطرت کو اپنے شوہر کے ذریعہ پورا کریں گی۔ بدکاری، چھپے چوری آشنائی اور عفت میں خیانت نہیں کریں گی۔ سورۂ مائدہ میں بھی اس مضمون کو ادا کیا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

ٱلۡيَوۡمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمۡ وَطَعَامُكُمۡ حِلٌّ لَّهُمۡ ۖ وَٱلۡمُحۡصَنَٰتُ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنَٰتِ وَٱلۡمُحۡصَنَٰتُ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ مِن قَبۡلِكُمۡ إِذَآ ءَاتَيۡتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحۡصِنِينَ غَيۡرَ مُسَٰفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِيٓ أَخۡدَانٍ ۗ

(المائدۃ: ۵)

''آج تمہارے لیے ہر پاکیزہ چیز حلال کی گئی ہے اور جو لوگ کتاب دیے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے اور پارسا عورتیں اہل کتاب کی، یہ سب بھی حلال ہیں، جبکہ تم ان کو معاوضہ دے دو، اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ۔ نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔''

اس آیت میں ترغیب دی گئی ہے کہ شادی کرتے وقت پاکدامن عورت کی تلاش وجستجو ہونی چاہیے اور رشتۂ ازدواج کے قیام کے وقت اول نظر پاکدامنی اور عفت وعصمت ہی پر ہونی چاہیے اور آخر میں مردوں کی پاکدامنی اور عفت واخلاق کا بھی مطالبہ ہے۔ گویا اسلام نے بتایا کہ شادی کے ذریعہ گوہر عصمت محفوظ رکھا جائے اور دونوں صنفیں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوں اور فطری پیاس بجھائیں، ہاں صرف شہوت رانی اور خواہش پوری کرنا پیش نظر نہ ہو ورنہ حیوانی اور انسانی زندگی میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔

عفت وعصمت کی اہمیت:

ماحصل یہ ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ شادی کر کے صنفی تقاضوں کی تکمیل کا موقع زن وشو کو حدود اللہ کے اندر رہ کر حاصل ہو، کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ بلا شبہ عفت وعصمت ایسی بیش قیمت چیز ہے کہ اس پر دنیا کی ساری چیزیں قربان کی جاسکتی ہیں مگر یہ کبھی جائز نہیں ہوسکتا کہ کسی دوسری چیز پر عفت کو قربان کر دیا جائے۔

یہ درّ عفت اگر خطرہ میں گھر جائے ،حدود اللہ ٹوٹنے کا خطرہ سامنے آجائے اور شادی کا جو بنیادی مقصد ہے وہی زد میں آجائے تو ضرورت کے وقت شادی کی گرہ کھول دی جائے گی، مثلاً زن وشو کے تعلقات آپس میں کشیدہ ہوجائیں کہ ایک کو دوسرے سے نفرت ہو جائے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرسکیں تو ایسی حالت میں اسلام علیحدگی کی اجازت دیتا ہے مگر یہ برداشت نہیں کرتا کہ رشتۂ ازدواج میں بندھے ہوئے ہوں اور عفت اور پاک دامنی کھو دی جائے۔ اسی وجہ سے ایسی حالت میں طلاق کی اجازت ہے تاکہ عورت آزاد ہو جائے اور وہ اپنا کوئی جائز سامان کر لے اور مرد کو بھی آزادی حاصل ہو جائے اور یہ بھی ضرورت سمجھے تو کسی دوسری عورت سے اپنا جائز رشتہ قائم کر لے اور اسی بنیاد پر عورت کو خلع کا حق دیا گیا ہے کہ وہ ظالم شوہر کے پنجہ میں گرفتار ہو کر بے بس نہ ہو جائے بلکہ اگر وہ ایمان داری سے سمجھتی ہے کہ موجودہ شوہر کے ساتھ رہ کر حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکے گی تو شوہر کو مہر کا کچھ حصہ یا سارا مہر دے کر شوہر سے طلاق حاصل کرسکتی ہے۔

اور اسی عفت کی اہمیت کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے مرد کو اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ وہ چار ماہ سے زیادہ ایلاء (عورت کے پاس نہ جانے کی قسم) کو باقی رکھے اور عورت سے ہم بستری کرنے سے قسم کھالے، بلکہ اگر چار ماہ تک مرد اپنی اس قسم پر باقی رہا تو پھر اس کے بعد اس کو حق نہیں ہے کہ عورت کو اپنی قید میں رکھے، کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عورت داعیات فطرت سے مجبور ہو کر عصمت کا فانوس توڑ ڈالے اور اپنی پاک دامنی کھو دے اور اسی عفت وعصمت کی اہمیت کا یہ اثر ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے والوں کو اسلام نے تاکیدی حکم دیا ہے کہ تم ایک عورت پر ایسا نہ جھک پڑو کہ دوسری لٹکی رہ جائے:

فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ

(النساء:١٢٩)

''پس ایک ہی کی طرف نہ جھک پڑو کہ دوسری کو لٹکی ہوئی چھوڑ دو۔''

شاید یہ چیز معلقہ کے لیے حدود اللہ توڑنے کی وجہ بن جائے اور شادی کا جو عظیم مقصد ہے، وہ فنا ہو کر جائے۔ نکاح کے سلسلہ میں جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں، ان سے بھی مقصد کی تائید ہوتی ہے کہ عفت وعصمت کا دامن کسی بھی حال میں ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

محبت ورحمت:

نکاح کا دوسرا بنیادی مقصد یہ ہے کہ رشتۂ ازدواج کے ذریعہ مرد اور عورت ان دو صنفوں میں باہم محبت اور پریم ہو، انس اور خلوص ہو اور ان میں سے ہر ایک کو طمانیت اور سکون قلب میسر آئے جو اجتماعی زندگی میں ترقی اور عروج کا ذریعہ ثابت ہو۔ تہذیب وتمدن سے جو چیزیں متعلق ہیں ان کو باہمی اشتراک عمل سے آگے بڑھا سکیں اور پھر اس طرح وہ ملک اور قوم کے لیے باعث حوصلہ افزائی ہوں، خود ان کی زندگی کے لیے شادی باعث راحت ومسرت اور اطمینان وسکون ہو۔ قرآن پاک نے جو اسلوب بیان اختیار کیا ہے وہ بس اسی کا حصہ ہے، ارشاد رب العزت ہے:

﴿وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ (الروم: ۲۱)

''اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان کے پاس چین حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان پیار اور مہربانی پیدا کر دی۔''

اس آیت میں رب العزت نے مقاصد نکاح کو بیان کرتے ہوئے ارکان نکاح کو بتائے ہیں کہ اس رشتہ سے جو پہلی چیز حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے سے تسکین خاطر اور اطمینان میسر ہوتا ہے اور پھر ہر ایک دوسرے کی بے چینی میں سہارا ہو اور جب کبھی اور جس وقت بھی طبیعت انسانی میں جنسی اضطراب پیدا ہو تو ان تقاضوں کی تکمیل کا ایک جائزِ آئینی فطری ذریعہ سامنے موجود رہے۔ اسی مسئلہ کی طرف کتنے بلیغ پیرایہ میں پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے:

((اِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ وَ تُدْبِرُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ فَإِذَا اَبْصَرَ اَحَدُكُمُ امْرَأَةً فَلْيَأْتِ أَهْلَهُ فَإِنَّ ذٰلِكَ يَرُدُّ مَا فِيْ نَفْسِهِ)) ①

''بلاشبہ عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور اسی کی صورت میں واپس ہوتی ہے۔ تم میں سے جب کوئی کسی عورت کو دیکھے (اور وہ اس کو اچھی لگے) تو وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہو، اس (تدبیر) سے اجنبی عورت کا اثر دل سے جاتا رہے گا۔''

ہیجانی کیفیت کا علاج:

جن کا جنسی میلان قوی ہوتا ہے، طبعاً عورت کی طرف ان کی نگاہیں اٹھ جاتی ہیں اور عورت اپنی قدرتی ہیئت سے مرد کے خوابیدہ جذبات کو جگا دیتی ہے، اس سے بچنے کی تدبیر اسلام نے بتائی ہے، تو اگر ایسی بات سامنے آ بھی جائے اور کسی عورت کی دید باعث ہیجان ہو تو

① مسلم، كتاب النكاح، باب ندب من رأى امرأة ...... الخ: ۱۴۰۳۔

ایسے نازک موقع پر آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی کے پاس چلے جاؤ اور اس خواہش کو پورا کرو جو پیدا ہوئی ہے تا کہ شیطان تمہارے دل میں وسوسہ ڈالنے کی جرأت نہ کرے اور نہ تم کو گناہ میں ملوث کرنے پائے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

((اَنَّهُ يُسْتَحِبُّ لِمَنْ رَأَى امْرَأَةً فَتَحَرَّكَتْ شَهْوَتُهُ اَنْ يَّأْتِيَ امْرَأَتَهُ اَوْ جَارِيَتَهُ اِنْ كَانَتْ لَهُ فَلْيُوَاقِعُهَا لِيَرْفَعَ شَهْوَتُهُ تَسْكُنَ نَفْسُهُ وَ يَجْمَعَ قَلْبُهُ عَلٰى مَا هُوَ بِصَدَدِهِ)) [1]

''کسی عورت کو دیکھنے سے جب کسی کی خواہش میں ابھار پیدا ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنی بیوی سے مقاربت کرے یا اگر لونڈی ہے تو اس کے پاس آئے تا کہ دل کا تقاضا ٹھنڈا پڑ جائے اور نفس کو سکون حاصل ہو اور دل جس کے در پے ہے وہ بات جاتی رہے۔''

عورت کی آمد و رفت کو شیطان کی صورت سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ عورت میں فطرتاً کچھ ایسی جاذبیت اور دل کشی رکھی گئی ہے کہ قدرتاً مرد کا دل عورت کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے، شیطان کو موقع ملتا ہے کہ عورت کو مرد کی لغزش کا ذریعہ بنائے۔ گویا عورت کا باہر نکلنا، شیطان کا باہر نکلنا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ عورت کو شدید ضرورت کے بغیر گھر سے نکل کر بازاروں میں گھومنے پھرنے سے بچنا چاہیے۔

اس مسئلہ کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اسلام نے نکاح کے جن بنیادی مقاصد کی نشاندہی کی ہے اور جن کی طرف جگہ جگہ وضاحت اور اشارہ سے کام لیا ہے، ان کا حصول اس وقت تک ناممکن ہے جب تک نکاح کا وہی فطری اور شرعی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے۔ شادی کے وہ طریقے جو اسلامی طریقہ سے مختلف ہیں ان سے مقاصد نکاح کا حصول محال ہے۔

---

[1] شرح مسلم نووی: ۱۸۱/۹۔

یارانہ شادی:

مثلاً اس زمانہ میں مغربی ملکوں نے ایک طریقہ "یارانہ شادی" کا نکالا ہے کہ کوئی رسم ادا کیے بغیر مرد اور عورت باہم رضا مندی سے مل جائیں اور خفیہ یا علانیہ زن وشو کی حیثیت اختیار کرلیں۔ یہ یارانہ شادی صرف اس لیے رچائی جاتی ہے کہ دونوں طرف عیش وعشرت مقصد ہوتا ہے، عفت وعصمت، بقائے نسل انسانی اور دوسرے مقاصد پیش نظر نہیں ہوتے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ چند ہی دنوں میں جہاں دونوں کی طبیعت سیر ہوگئی، ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے اور پھر نئے جوڑے کی فکر میں منہمک ہوگئے۔ اسی طرح یہ دور چلتا رہتا ہے اور کہیں کسی سے بھی جم کر یہ رشتہ نباہنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ انسان عجلت پسند اور تندمزاج واقع ہوا ہے۔ چنانچہ کسی "یارانہ شادی" کی مدت زیادہ نہیں گزر پاتی اور اس طرح مقاصد نکاح فوت ہوکر رہ جاتے ہیں۔

پھر اس کمزور رشتہ کا یہ اثر پڑتا ہے کہ مرد اور عورت میں سے کسی میں بھی بچوں کی پرورش کی صلاحیت نہیں ہوتی، ہر ایک اپنے آپ کو آزاد دیکھنا چاہتا ہے، کوئی بھی بال بچوں کی پرورش کا ذمہ اٹھانے کو تیار نہیں ہوتا۔ انجام یہ ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کسی کو بھی یکسوئی اور مرکزیت نصیب نہیں ہوتی اور کہا جاسکتا ہے کہ یہ اسی گناہ کی سزا ہے کہ عورتیں آج کل اپریشن کے ذریعہ اپنی بچہ دانی نکلوالیتی ہیں تاکہ وہاں تک پہنچ کر نطفہ بچہ کی شکل ہی اختیار نہ کرنے پائے اور اس رواج کا برا نتیجہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ عورتیں اپنی عصمت چلتے پھرتے لٹانے لگیں، کیونکہ اب اس کے بعد ان کو کوئی خطرہ باقی نہیں رہ گیا۔

عفت و عصمت کی اسلام میں اہمیت

حالانکہ یہی عفت و عصمت نکاح کا وہ بنیادی مقصد ہے جو اسلام نے قرار دیا ہے اور اس کو کہیں بھی فراموش نہیں کیا ہے۔ قرآن پاک نے اپنے معجزانہ پیرایہ میں متعدد مقامات میں عفت و عصمت اور اخلاق کی تاکید کی ہے اور دلنشیں انداز میں ترغیب دی ہے۔ ایک جگہ عفت و عصمت اور اخلاق ومحبت کی حفاظت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

(الأحزاب: ۳۵)

”اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے معافی اور بڑا ثواب رکھا ہے۔“

اس آیت میں کتنی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ گوہر عصمت اور درِّ عفت کا تحفظ رکھتے ہیں، اخلاق واعمال میں تعفن پیدا نہیں ہونے دیتے، الٰہی حدود میں رہ کر لذت و مسرت حاصل کرتے ہیں اور حدود اللہ کو توڑنے سے بچتے ہیں، ان افراد امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی دولت اور اجر عظیم کی لازوال نعمت تیار کر رکھی ہے۔

کامل فلاح کی بشارت:

ایک دوسری آیت میں ادب واخلاق اور پاکدامنی پر کامل فلاح کی روح پرور خوشخبری دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن مسلمانوں کو کامل فلاح کی مسرت انگیز خبر سنائی ہے ان میں ان لوگوں کا بھی ذکر ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٧﴾ (المؤمنون: ٥-٧)

”اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، صرف اپنی بیویوں یا اپنی شرعی لونڈیوں سے متمتع ہوتے ہیں، ان پر کوئی الزام نہیں، ہاں جو اس کے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کا طلب گار ہو ایسے لوگ حد شرعی سے نکلنے والے ہیں۔“

جنسی میلان کی تسکین کے لیے رب العزت نے دو جائز صورتیں بیان کی ہیں، ایک بیوی جس سے جائز طور پر رشتۂ ازدواج قائم کیا گیا ہو، دوسری لونڈی جس سے ہم بستری جائز ہے۔ ان دو کے علاوہ آدمی جو صورت جنسی میلان کے لیے اختیار کرتا ہے وہ اسلام کے قانون میں حدود اللہ سے تجاوز قرار دی گئی۔

عفت جزو نبوت کی حیثیت میں:

پاکبازی اتنی اہم چیز ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ نبوت و رسالت کے لیے جزو کی حیثیت رکھتی ہے۔ رب العزت نے رسولوں اور نبیوں کے حق میں اسے بڑی اہمیت سے بیان کیا ہے۔ اگر کسی برگزیدہ بندہ پر عفت کے خلاف تہمت لگائی گئی تو خود پروردگار عالم نے اس کی تردید کی اور ان کی پاکدامنی کا ثبوت فراہم کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ گزر چکا کہ ان پر زلیخا عزیز مصر کی بیوی فریفتہ ہوئی اور اس

نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کا دامن عفت داغ دار ہو، مگر رب العزت نے ان کی دستگیری فرمائی اور اس نازک ترین وقت پر آپ کو بچا لیا۔ گو معاملہ کے شروع میں شرمندگی دور کرنے کے لیے زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام ہی کی طرف بری نیت کی نسبت کی، مگر پھر بالآخر اسی عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکبازی کی گواہی دی، قرآن نے تذکرہ کرتے ہوئے اعلان کیا:

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ (یوسف: ۳۲)

''اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی تھی مگر یہ پاک صاف رہا۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی اور عصمت کا اعلان کرنے کے بعد وجہ بیان کرتے ہوئے قرآن ہی میں ارشاد فرمایا:

لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ
(یوسف: ۲۴)

''تاکہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں، وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔''

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف میں ارشاد ربانی ہے:

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (آل عمران: ۳۹)

''اور مقتداء ہوں گے اور اپنے نفس کو بہت روکنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہونگے۔''

''حصور'' اس کو کہتے ہیں جو اپنی قوت شہوت پر قابو رکھتا ہو اور نفس کے فریب میں مبتلا نہ ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں مریم صدیقہ علیہا السلام پر یہود نے تہمت لگائی تو خود رب العزت نے تردید کی اور قرآن ہی میں اعلان کیا:

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (التحریم: ١٢)

''عمران کی بیٹی مریم علیہا السلام جنھوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا (الأنبیاء: ٩١)

''وہ بی بی جنھوں نے اپنی ناموس کو بچا لیا، پھر ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی۔''

خود اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (النور: ٢٦)

''یہ اس بات سے پاک ہیں جو وہ بکتے پھرتے ہیں، ان کے واسطے مغفرت اور عمدہ رزق ہے۔''

دیکھ لیں رب العزت نے قرآن پاک میں انبیاء و رسل اور ان کے گھرانوں کی عفت و عصمت کا اعلان کس شدومد سے کیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کی نظر میں عفت و عصمت کتنی اہم اور ضروری صفت ہے جس سے ایک لمحہ کے لیے صرف نظر جائز نہیں۔

پاکیزہ نفس کا مرتبہ:

ایک جگہ پاکبازوں کی بلندی کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن ہی میں فرمایا گیا:

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ (النور: ٢٦)

''گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے

مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔"

جو خبیث ہے اس کا درجہ طیب سے فروتر بتایا گیا ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ یہ ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے ،خبیث عورتیں اور مرد ایک درجہ میں ہیں اور پاکدامن مردوں اورعورتوں کا گروہ علیحدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے کہ نیک بندوں کی ایک بڑی صفت یہ ہے کہ وہ بدکار نہیں ہوتے ،ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ﴿٦٨﴾ (الفرقان:٦٨)

"اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جن کا قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے انہیں قتل نہیں کرتے مگر کسی شرعی حق کی بنیاد پر اور جو زنا نہیں کرتے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عفت وعصمت اور پاکبازی انسان کی ایسی خوبی ہے جو عزت وآبرو اور اخلاق و اعمال کی جان ہے ۔اللہ کے سوا کسی اور کو معبود ماننے سے توحید کی رگ جان کٹ جاتی ہے اور انسان کافر ہو جاتا ہے اور قتل ہو جانے سے آدمی کی ظاہری زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی روح اور جسم کا تعلق کٹ جاتا ہے اور بدکاری انسان کی عفت و عصمت اور اخلاق کی مٹی پلید کر کے اس کی عزت وآبرو کو ابدی نیند سلا دیتی ہے۔

عورتوں سے عفت وعصمت پر بیعت:

مسلمان عورتوں سے جن باتوں پر بیعت لینے کا حکم تھا ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ بدکاری نہیں کریں گی اور اپنی عفت وعصمت کے دھلے ہوئے دامن پر دھبہ نہیں آنے دیں گی، جیسا کہ پہلے اس آیت کو نقل کیا جا چکا ہے:

وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ ﴿١٢﴾ (الممتحنة:١٢)

''اور نہ وہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ خود ساختہ افتراء باندھیں گی۔''

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ یہاں قتل اولاد سے مراد حمل گرانا ہے۔ ①

عموماً بدکاری کے سلسلہ میں جو حمل ہوتا ہے وہی گرایا جاتا ہے۔ یوں تو عرب میں قتل اولاد کا بھی بعض قبیلوں میں رواج تھا اور اس سے بھی روکنا مقصود ہے۔ افتراء باندھنا یہ ہے کہ چند مردوں سے لطف زندگی اٹھایا اور جس پر چاہا الزام ڈال دیا کہ فلاں کا بچہ ہے۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ عرب میں ایک نکاح کا طریقہ یہ بھی تھا کہ ایک عورت کئی کئی مردوں سے آشنائی کرتی اور بچہ ہوتا تو عورت جس کا بچہ کہہ دیتی اس کو ماننا پڑتا تھا۔ اسی زمانہ میں بعض عورتیں دوسرے کے بچہ کو اپنا بنا کر پیش کرتیں اور اس کو شوہروں کے سر تھوپ دیتی تھیں۔ ②

آنحضرت ﷺ کے اقوال بسلسلۂ عفت

احادیث میں بکثرت واقعات مذکور ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مختلف پیرایوں میں لوگوں کو عفت وعصمت اور اخلاق کی تعلیم فرمائی اور ایسا ماحول پیدا کیا کہ لوگ اس عفت وعصمت کی قدر کریں جو اخلاق اور عزت وعظمت کی جان ہے۔

❀ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا شَبَابَ قُرَيْشٍ احْفَظُوا فُرُوجَكُمْ لَا تَزْنُوا ، اَلَا مَنْ حَفِظَ فَرْجَهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ)) ③

''اے جوانانِ قریش! اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کرو، زنا نہ کرو۔ سنو! جو اپنی

---

① سيرة النبى، از سليمان ندوى : ٢٩٢/٦ ـ

② سيرت النبى : ٢٩٣/٤ ـ

③ المطالب العاليه، كتاب النكاح، باب الترغيب فى النكاح (المستزاد من الاتحاف) : ١٧٦٦ ـ الترغيب والترهيب : ٢٨٢/٣ الدر المنثور للسيوطى : ١٨٠/٤ ـ

شہوت کی جگہ محفوظ رکھے گا اس کے لیے جنت ہے۔''

اس حدیث میں رحمت عالم ﷺ نے نوجوانان قریش کو ترغیب دی ہے کہ وہ عفت و عصمت کے فانوس کو توڑنے سے اجتناب کریں اور اخلاق و پاکبازی کی زندگی بسر کریں۔

پاکدامنی کی تبلیغ:

❀ ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان سے جب آنحضرت ﷺ کے متعلق دریافت کیا کہ وہ تم لوگوں کو کیا بتاتے ہیں اور کن چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں؟ اس وقت ابوسفیان نے (اگرچہ اس وقت کافر تھے) ہرقل سے کہا:

((یَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوۃِ وَالصَّدَقَةِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ))[1]

''آپ ہمیں نماز، صدقہ، عفت اور صلہ رحمی کا حکم فرماتے ہیں۔''

عفت اور پاک دامنی اتنی اہم چیز ہے کہ اس کی تعلیم آنحضرت ﷺ نے اول دن سے دی، اسے آپ نے کبھی فراموش نہیں فرمایا۔

عفیف پر ظل رحمانی:

❀ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ سات شخصوں کو اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا، ان میں ایک وہ شخص بھی ہوگا جس کو ایک حسین و جمیل عالی نسب عورت نے دنیا میں اپنی طرف بلایا اور زنا کی دعوت دی مگر اس اللہ کے عفیف بندہ نے اس حسین مہ جبین کو جواب میں یہ کہہ کر انکار کر دیا:

((اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ))[2]

---

① بخاری، کتاب الأدب، باب صلة المرأة امها ولها زوج: ٥٩٨٠۔

② بخاری، کتاب المحاربين، باب فضل من ترك الفواحش: ٦٨٠٦۔

''میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔''

عفیف کے لیے جنت کی ضمانت:

❁ وہ لوگ جو عفت و عصمت کی دمکتی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ نہیں لگنے دیتے، ان کے متعلق سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا شخص جنتی ہے:

((مَنْ تَوَكَّلَ لِيْ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ تَوَكَّلْتُ لَهُ بِالْجَنَّةِ)) [1]

''جو میرے لیے اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان کی چیز یعنی شرمگاہ اور دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز یعنی زبان کی حفاظت کی ذمہ داری لے میں اس کے لیے جنت کی ذمہ داری لوں گا۔''

❁ رحمت عالم ﷺ نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ تین آدمی سفر کر رہے تھے، راستے میں ابر و باد سے گھبرا کر ایک کھوہ (غار) میں روپوش ہو گئے اور غار کی پناہ لے کر سر پر جو آفت منڈلا رہی تھی اس سے بچنا چاہا مگر کرشمۂ الٰہی یہ ہوا کہ اوپر سے ایک (سینکڑوں من) وزنی پتھر گرا اور غار کا منہ بند ہو گیا اور یہ تینوں اسی میں قید ہو کر رہ گئے۔

اس ناگہانی مصیبت میں تینوں نے مشورہ کیا کہ اپنی نیکی کا واسطہ دے کر اللہ سے نجات کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی روداد بیان کی اور اللہ تعالیٰ نے ان نیکیوں کے بدلہ میں ان کو مصیبت سے نجات دی اور چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی۔ ان میں سے ایک کی روداد یہ تھی:

روداد عفت اور اس کا اثر:

''اے اللہ! میری ایک چچا زاد بہن تھی جس سے مجھے بڑی محبت تھی۔ عام لوگ عورتوں سے جتنی محبت کرتے ہیں میں اس سے زیادہ اپنی محبوبہ سے محبت کرتا تھا۔ میں نے اپنی اس محبوبہ سے درخواست کی کہ وہ مجھے اپنی ذات سے لطف اندوز ہونے

---

[1] بخاري، كتاب المحاربين، باب فضل من ترك فواحش: ٦٨٠٧۔

کا موقع دے۔ اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ سو اشرفی جب تک حاضر نہیں کرتے مجھ سے کھیل نہیں سکتے۔ یہ سن کر میں اس گراں قدر رقم کی فراہمی میں منہمک ہو گیا اور بالآخر میں نے سو اشرفی جمع کرلیں اور لے جا کر اس کے قدموں میں ڈال دیں، حسب وعدہ وہ مجبور ہوگئی اور میں تیار ہو کر اس کے دونوں پاؤں کے بیچ میں بیٹھ گیا۔ جونہی میں نے زنا کا ارادہ کیا، وہ بول اٹھی:

''اے اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس مہر کو بغیر جائز حق کے مت توڑو۔''

اس کا یہ کہنا تھا کہ میں اٹھ گیا، اور زنا کی لعنت سے بچ گیا۔ اے رب العزت! اگر تیرے علم میں یہ بات ہے کہ میں نے یہ صرف تیری خوشنودی کے لیے کیا تو آج تو اس غار کے منہ کو ہمارے لیے کھول دے۔''

چنانچہ پتھر ہٹ گیا اور دنیا نظر آنے لگی۔ ①

دیکھا آپ نے! عفت وعصمت کا لحاظ اس کے حق میں کتنا مفید ثابت ہوا اور اس معاملہ میں اللہ کا خوف اس کو کتنے آڑے وقت میں کام آیا۔

❁ آپ اوپر پڑھ آئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پاک و صاف ملے اس کو چاہیے کہ شریف عورت سے شادی کرے۔'' ②

منشا یہی تھا کہ بدکاری کا ارادہ نہ کرے اور اپنے اور دوسرے کے دامن عفت وعصمت کو داغدار نہ بنائے، جو فطری داعیات ہیں ان کو حلال مقام میں پورا کرے۔

عفت کی نیت سے بیوی کے پاس جانا صدقہ ہے:

❁ ایک دفعہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

---

① بخاری، کتاب الادب، باب اجابة دعاء من بر والديه: ٥٩٧٤)

② ابن ماجه، کتاب النکاح، باب تزويج الحرائر والولود: ١٨٦٢۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ السلسلة الضعيفة: ١٤١٧۔

''اپنی بیوی سے جنسی تسکین حاصل کرنا بھی صدقہ ہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعجب سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ کام بھی باعث اجر ہے؟ فرمایا: ''کیوں نہیں! اگر اسے تم میں سے کوئی حرام مقام میں پورا کرے تو کیا اسے گناہ نہیں ہو گا؟ پس جو چیز گناہ سے بچنے کا ذریعہ ہو، وہ باعث اجر وثواب ہے۔''①

❁ اور یہ چیز کیوں باعث اجر نہ ہو، رسول الثقلین ﷺ فرماتے ہیں:

''تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن رب العالمین کلام نہیں فرمائے گا، نہ ان کا تزکیہ فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے گا اور یہی نہیں بلکہ اسے دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ ایک عمر رسیدہ زانی جو بوڑھا ہو چکا ہے اور زنا کاری کرتا ہے۔ دوسرا جھوٹا بادشاہ جو شاہ وقت ہو کر جھوٹ بولتا ہے اور تیسرا متکبر فقیر جو محتاج ہو کر بھی غرور وتکبر کرتا ہے۔''②

صحابہ کرام کا جذبۂ عفت:

یہ صرف تعلیم ہی نہیں تھی، بلکہ اس پر برابر عملدرآمد رہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زندگی بھر اس تعلیم کو سینہ سے لگائے رکھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بڑے بڑے سخت سے سخت نازک مواقع آئے مگر انہوں نے اپنا دامن ملوث نہ ہونے دیا۔ ایک صحابی ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں لغزش ہوئی لیکن صحبت نبویہ نے اخلاقی احساس میں اتنی نزاکت پیدا کر دی تھی کہ اپنے جرم کا چھپانا ان کے لیے ناممکن ہو گیا، بالآخر بخوشی ''رجم'' کی سزا برداشت کر کے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔③

ہجرت کے موقع پر جو ناتواں اور بلاکشان اسلام مکہ میں رہ گئے تھے ان کے لانے کی

---

① مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ان اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف: ١٠٠٦۔
② مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحريم اسبال الازار ...... الخ: ١٠٧۔
③ مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى: ١٦٩٥۔

ذمہ داری مرثد بن ابی المرثد الغنوی رضی اللہ عنہ پر تھی۔ حضرت مرثد رضی اللہ عنہ اسی سلسلہ میں ایک دفعہ مکہ تشریف لے گئے۔ اسلام سے پہلے ان کی ایک عناق نامی عورت سے راہ و رسم محبت تھی، یہ عورت فاحشہ تھی، اس سفر میں حضرت مرثد رضی اللہ عنہ اس عورت کے مکان کے پاس سے گزرے، اس نے سایہ دیکھ کر حضرت مرثد رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا اور آگے بڑھ کر پرتپاک خیر مقدم کیا، پھر ان سے درخواست کی کہ آج کی شب میرے ساتھ گزاریں۔ حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے دوٹوک الفاظ میں انکار کر دیا کہ اب پہلا زمانہ باقی نہیں رہا، اسلام نے زنا کو حرام قرار دے دیا، لہٰذا معاف کرو۔ اس نے کہا، شوروغل کروں گی اور تم کو گرفتار کرا دوں گی۔ بایں ہمہ حضرت مرثد رضی اللہ عنہ راضی نہ ہوئے اور بھاگے اور چھپ چھپا کر کسی طرح کافروں کے چنگل سے اپنی جان بچائی۔ [1]

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا جو اسلام قبول کرنے سے پہلے اخلاقی گندگی میں مبتلا تھیں، اسلام لانے کے بعد ایک شخص نے ان کو جب چھیڑنا چاہا اور اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تو بولیں دور ہو جاؤ، اب وہ زمانہ نہیں رہا اب تو اسلام کی روشنی کا دور ہے۔ [2]

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی لونڈیوں کا واقعہ مشہور ہے کہ اسلام کے بعد جب اس منافق نے ان کو عصمت فروشی کے ذریعہ روپیہ کما کر لانے کا حکم دیا تو وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور اپنی حسرت انگیز کہانی سنائی۔ اس پر یہ آیت اتری:

''تم اپنی لونڈیوں کو زنا کاری پر مجبور نہ کیا کرو۔'' [3]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

① نسائی، کتاب النکاح، باب تزویج الزانیة: ۳۲۳۰۔ یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ صحیح سنن نسائی۔

② مسند احمد: ۸۷/٤۔ ابن حبان: ۲۹۱۱۔ حاکم: ۳٤۹/۱۔ شعب الایمان: ۹۸۱۷ اس کی سند صحیح لغیرہ ہے۔ مسند احمد بتحقیق شعیب ارناؤوط: ۱٦۸۰٦۔

③ تفسیر ابن کثیر: ۳۸۵/۳۔

''مجھے یہ پسند ہے کہ میری ناک مردار کی بدبو سے بھر جائے مگر یہ پسند نہیں کہ اس میں کسی غیر عورت کی بو آئے۔''①

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک حسین عورت عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مسجد میں آیا کرتی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتی تھی، بعض صحابہ رضی اللہ عنہ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ وہ پہلے سے آ کر اگلی صف میں بیٹھ جاتے تا کہ ان پر نگاہ نہ پڑنے پائے اور فتنہ سے محفوظ رہیں۔②

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور دعائے عفت:

یہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال تھا، مگر آپ یہ سن کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خود ذات بابرکت اور سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جو معصوم تھے اور خاتم الرسل، بایں ہمہ آپ کا یہ حال تھا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی عفت اور پاک دامنی کو فراموش نہیں فرماتے تھے اور برابر اور چیزوں کے ساتھ پاکبازی کی بھی دعا کرتے رہتے تھے، کبھی دعا کرتے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰی و التُّقٰی وَالْعِفَافَ وَالْغِنٰی))③

''اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، عفت اور غنا کی درخواست کرتا ہوں۔''

کبھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْحُسْنَ وَ الرِّضَا بِالْقَدْرِ))④

---

① اسوۂ صحابہ: ۱۱۳۔

② ابن ماجه، کتاب اقامة الصلوات، باب الخشوع فی الصلاة: ۱۰۴۶۔ یه حدیث صحیح ھے۔ السلسلة الصحیحة: ۲۴۷۲۔ صحیح ابن ماجه: ۸۶۵۔

③ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فی الادعیة: ۲۷۲۱۔ ترمذی: ۳۴۸۹۔ ابن ماجه: ۳۸۳۲۔

④ بیهقی فی الدعاء: ۲۲۸۔ الادب المفرد: ۳۰۷۔ تاریخ بغداد: ۱۲۱/۱۲۔ یه روایت ضعیف ھے کیونکه اس کی سند میں عبدالرحمن بن زیاد الافریقی راوی ضعیف ھے۔ تقریب التهذیب: ۳۸۸۷۔

''اے اللہ ! میں صحت و تندرستی، پاکدامنی، حسن اخلاق اور تقدیر کے ساتھ راضی ہونے کے لیے تیرے در کا سوالی ہوں۔''

کبھی دل کی گہرائی سے یہ آواز نکلتی اور عرش عظیم پر پہنچتی :

((اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَ اَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ)) [1]

''اے اللہ! مجھے راہ راست پر ہونے کی توفیق عطا فرما اور نفس کی برائی سے اپنی پناہ میں رکھ۔''

کبھی رسول الثقلین ﷺ کی زبان وحی ترجمان پر یہ دعا جاری ہوتی :

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَھْوَآءِ)) [2]

''اے اللہ! برے اخلاق و اعمال اور بری خواہشوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

آپ سید الکونین ﷺ کی ان دعاؤں میں دیکھ رہے ہیں کہ آپ پر خشیت الٰہی کا کتنا اثر اور عفت و اخلاق کی طلب کا کس قدر خیال تھا کہ دوسری چیزوں کے ساتھ عفت کو بھی برابر یاد رکھتے ہیں، کبھی فراموش نہیں فرماتے۔

کیا ان دعاؤں میں افراد امت کے لیے کوئی سبق اور درس نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر ان دعاؤں سے سبق لینا چاہیے اور عفت کی اہمیت سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

دشمن عفت پر عذاب الٰہی :

یہ جو کچھ عفت و عصمت اور اخلاق و اعمال کی پاکی کا اہتمام نظر آ رہا ہے یہ بلا وجہ نہیں ہے۔ اسلام آیا ہی دنیا سے شر و فتن دور کرنے اور اہل دنیا کو اخلاق و عفت کی تعلیم دینے کے لیے ہے۔ جو لوگ عفت و عصمت اور اخلاق و اعمال کے چہرہ کو داغدار کرتے ہیں، رب العزت نے ان

---

[1] ترمذی، کتاب الدعوات، باب قصة تعلیم الدعاء : ۳۴۸۳۔ احمد : ۴/۴۴۴۔ یہ حدیث صحیح ہے ۔

[2] ترمذی، کتاب الدعوات، باب دعاء أم سلمة : ۳۵۹۱ ۔

کے لیے دنیا و آخرت میں بڑی دردناک سزائیں مقرر کی ہیں۔ دنیاوی عذاب کا تذکرہ اپنے موقع پر تفصیل سے آئے گا، یہاں آخرت کے عذاب کی جھلک ملاحظہ فرمائیں:

معراج کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ کو گنہگاروں کے عذاب اور سزا کی مثال دکھائی گئی تھی، اس موقع پر آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ:

> ''آگ کا دہکتا ہوا تنور ہے، اس میں چیخ پکار اور گریہ وزاری کی صدا بلند ہو رہی ہے۔ آپ نے جھانک کر دیکھا کہ آخر واقعہ کیا ہے۔ رسول الثقلین ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ آگ کے اس مشتعل تنور میں ننگے مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت ہے اور ان کے نیچے کے حصوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اور شعلوں کی لپٹ کے ساتھ ان میں ایک طوفان بپا ہو جاتا ہے اور سب چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ زناکار مردوں اور عورتوں کی جماعت ہے جو دنیا میں بدکاری میں مبتلا رہے۔''[1]

---

① بخاری، کتاب التعبیر، باب تعبیر الرؤیا بعد صلاۃ الصبح: ۷۰۴۷۔

عفت وعصمت اور تعدد ازدواج

اس ذلت کے عذاب سے نجات کی صورت اور فضائلِ عفت کے حصول کا ذریعہ وہی ہے جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے:

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ (النساء:۳)

''عورتوں میں سے جو تم کو اچھی لگیں ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار سے۔''

فطری داعیات وجذبات کی تسکین نکاح کے ذریعے حاصل کی جائے اور اصل سلسلہ میں اس حد تک اجازت ہے کہ ایک سے لے کر چار عورتوں تک سے بیک وقت شادی کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ وہ اس بلند اخلاق کا مالک ہو، جس سے اپنی متعدد بیویوں میں عدل و مساوات قائم رکھ سکے اور یکساں طور پر سب کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

تعدد ازدواج کی اجازت عدل کی شرط کے ساتھ:

یہ حریص انسان کے لیے علاج کا دروازہ کھول رکھا گیا ہے، یہ منشا نہیں ہے کہ ایک سے زیادہ عورتوں کو عقد میں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے یا اسلام اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ ایک سے زیادہ شادیاں کرے۔ اس آیت کا یہ مقصد قطعاً نہیں، اسلام نے نہایت صفائی سے اعلان کیا ہے اور قرآن مقدس ہی میں اعلان کیا:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا

(النساء:۳)

''اگر تم اس بات سے ڈرو کہ (ان کے درمیان) انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر بس کرو یا جو لونڈی تمہاری ملکیت میں ہو وہی سہی، اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔''

مخالفین اسلام جہاں سے اعتراض کرتے ہیں اس کی شہ رگ یہیں سے اسلام نے کاٹ ڈالی ہے کیونکہ اسلام نے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت اس حالت میں دی ہے کہ عدل و مساوات کے دامن کے چھوٹنے کا خوف نہ ہو اور اس کو متعدد بیویوں کی صحیح معنی میں ضرورت بھی ہو۔ ایک مقام میں قرآن پاک ہدایت کرتا ہے:

فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ

(النساء:۱۲۹)

''پس تم بالکل ایک ہی طرف مائل ہو کر دوسری کو بیچ میں لٹکی ہوئی نہ چھوڑ دو۔''

عدل و مساوات:

اوپر کی آیت میں ''عدل'' سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کے جو واجب حقوق ہیں اور جن کی ادائیگی شوہر کے ذمہ ضروری ہے اس میں عدل و مساوات کا برتاؤ کیا جائے کیونکہ یہ انسان کے قصد و اختیار سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کھانا، کپڑا، مکان، بیوی کے ساتھ رہنا سہنا اور اس طرح کے دوسرے تعلقات۔ باقی محبت طبعی اور تعلق قلبی، یہ ایسی چیز ہے جو انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اس میں شریعت نے کوشش کی تاکید کی ہے۔ اپنی جدوجہد کے باوجود اگر قلبی رجحان اور طبیعت کے میلان میں کمی و بیشی ہو تو اس پر گرفت نہیں:

وَإِن تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا

(النساء:۱۲۹)

''اور اگر اصلاح کر لو اور احتیاط رکھو تو بلا شبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والا اور بڑی رحمت والا ہے۔''

اور عدل اختیاری میں بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی:

''یہ بھی لازم نہیں کہ ہر معاملہ مساوات عددی ہی کے ساتھ کیا جائے، ایک افریقی بیوی خوگر دوسری چیزوں کی ہوگی اور امریکی بیوی دوسری چیزوں کی، مسن (عمر رسیدہ) اور ادھیڑ عمر بیوی کی ضرورتیں، خواہشیں، دلچسپیاں سب ایک کم سن نوجوان بیوی کی ضرورتوں، دلچسپیوں، خواہشوں سے مختلف ہوں گی۔ مقصود یہ نہیں کہ ساری بھینسیں ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جانے لگیں۔ مقصود ہر ایک کو بقدر امکان اور بلحاظ اس کے ذوق حالات کے راحت پہنچانا ہے۔ فقہاء نے عدل بین الازواج (بیویوں کے درمیان انصاف) کو فرض قرار دیا ہے لیکن خود ''عدل'' کی تفسیر ''عدم ظلم'' سے کی ہے کہ کسی پر زیادتی نہ ہونے پائے۔''①

((ظَاهِرُ الْآيَةِ اَنَّهُ فَرَضَ اَنْ يَعْدِلَ اَیْ لَا يَجُوْرَ))②

''ظاہر آیت سے بیویوں میں عدل ومساوات فرض ہے یعنی حق تلفی نہیں ہونی چاہیے۔''

عدل میں اندیشہ کے وقت صرف ایک کا حکم:

اوپر کی آیت میں:

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴿۳﴾ (النساء:۳)

''اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع غالب ہے۔''

اور پھر یہ آیت:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ﴿۳﴾ (النساء:۳)

---

① صدق جدید لکھنؤ، ۸ ستمبر ۵۰ء۔

② درمختار۔

''اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہ کرسکو گے تو بس ایک ہی بیوی پر کفایت کرو۔''

یہ واضح اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ایک ہی بیوی کے دستور کو اصل قاعدۂ اسلام قرار دیا گیا ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی برداشت نہیں کیا گیا کہ انسان کو ضرورت لاحق ہو اور وہ دوسری شادی نہ کر سکے۔

بلکہ اگر صحیح معنوں میں ضرورت ہے اور یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ اگر دوسری شادی نہ کی تو گناہ میں ملوث ہونے کا خطرہ ہے، ایسی ضرورت ناگزیر میں اسلام کا قانون یہ ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں بھی کی جاسکتی ہیں اور اس طرح پاکبازی کی زندگی جس سے ہٹنے کا اندیشہ تھا اس پر جم جانے کی کد و کاوش کی جاسکتی ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اس طرح کی ضرورت آئے دن زندگی میں پیش آتی رہتی ہے۔ انسانی زندگی میں یہ چیزیں نایاب نہیں، کبھی کسی کی بیوی بانجھ ہوتی ہے اور اولاد کا طبعی اشتیاق مجبور کرتا ہے، کبھی کسی کی بیوی دائمی مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس وقت مرد کا طبعی تقاضا اور مریضہ بیوی کو تیمارداری کی ضرورت دونوں چیزیں متقاضی ہوتی ہیں کہ دوسری شادی کی جائے، کبھی مرد کا جنسی میلان زیادہ قوی ہوتا ہے اور بیوی کمزور ہوتی ہے اور کبھی ان کے علاوہ دوسری مجبوریاں پیش آتی ہیں۔

اسلام کا قانون تعدد ازدواج اور مخالفین

اب تو یہ چیز اتنی عیاں ہو چکی ہے کہ بحث مباحثہ کی ضرورت باقی ہی نہیں رہی، تعدد ازدواج کے مخالفین کو بھی حالات کے پیش نظر اس بات کو ماننا ہی پڑا کہ اسلام کا قانون ''تعدد ازدواج'' درست ہے، کسی مذہب اور دھرم کا ماننے والا، بشرطیکہ وہ دوراندیش اور تجربہ کار ہو ''تعدد ازدواج'' کے جواز سے انکار نہیں کرسکتا اور نہ کسی مذہب و دین میں اس کا انکار کیا گیا ہے بلکہ سب ادیان میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔ خصوصاً اسلام نے جن قیود کے ساتھ ''تعدد'' کی اجازت دی ہے اس کی ضرورت کا تو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

مگر عجیب بات ہے کہ یورپ نے اسلام کے ''تعدد ازدواج'' کے قانون کو اپنا نشانہ بنایا ہے، وہی یورپ جس کے ہاں نسوانی ناموس کی کوئی قیمت باقی نہیں رہی ہے بلکہ لٹ رہی ہے، لٹائی جا رہی ہے، سر بازار سب کچھ ہو رہا ہے لیکن دیکھنے والے دیکھتے ہیں اور صرف دیکھتے رہتے ہیں۔ یورپ میں مرد اور عورت کے تعلقات میں بیباکیوں کی کیفیت جو حد سے گزر چکی ہے اسی کو دیکھ کر اور دوسرے حالات سے متاثر ہو کر یورپ ہی کے بعض ارباب فکر نے ''تعدد ازدواج'' کے جواز کو تسلیم کر لیا ہے بلکہ اس کے جواز کو ضروری قرار دیا ہے۔

اہل یورپ کا اعتراف حق:

لندن کے ایک سکول کی استانی ''مس میری اسمتھ'' نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے:

''یک زوجی کا جو قاعدہ قانون برطانیہ میں چلا ہوا ہے وہ تمام تر غلط ہے، مردوں کو دوسری شادی کی اجازت ملنا چاہیے۔''

میری اسمتھ کی اس کتاب کے متعلق سنڈے ٹریبون (ڈربن۔نٹال) مورخہ ۲۴ نومبر ۵۱ء میں اس کے لندنی وقائع نگار لکھتے ہیں:

''یقین ہے کہ پچیس سال سے اوپر عمر کی پچیس لاکھ بیوائیں جو اس وقت برطانیہ میں موجود ہیں، دلچسپی اور قدر کی نگاہ سے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیں گی۔''

ان اقتباسات سے اندازہ لگایے کہ تعدد ازدواج جس کی اسلام نے ناگزیر ضرورت کے وقت اجازت دی ہے، قانون فطرت کے کتنا مطابق ہے اور حالات نے لوگوں کو اسلام کے اس قانون کی حقانیت کا کیسا یقین دلایا ہے۔ یہی میری اسمتھ اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتی ہے:

''چونکہ اس ملک (برطانیہ) میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہے اس لیے ہر عورت شوہر کو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔''

اس کے بعد اس نے کہا ہے:

''ایک بیوی کا رواج ناکام ہو چکا ہے اور یہ رواج بھی کوئی سائنٹیفک نہیں ہے۔''①

''انگلستان میں جنسی بے راہ روی کو روکنے کے لیے سترھویں صدی سے کثرت ازدواج کا چرچا شروع ہوگیا۔ چنانچہ ۱۶۵۸ء میں ایک شخص نے زنا کاری اور نومولود حرامی بچوں کی اموات کو روکنے کے لیے کثرت ازدواج کی حمایت میں ایک پمفلٹ شائع کیا۔اس کے ایک صدی بعد انگلستان کے ایک قابل اعتماد اور صاحب کردار پادری نے اس مسئلہ کی تائید میں ایک کتاب لکھی۔ مشہور ماہر جنسیات ''جیمس ہلٹن'' نے فحاشی اور زناکاری کو روکنے کے لیے کثرت ازدواج کے طریقہ کو اختیار کرنے کی رائے دی۔''②

شوپنہار نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا:

''ایک بیوی پر اکتفا کرنے والے کہاں ہیں؟ میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں، ہم میں سے ہر شخص ''کثرت ازدواج'' کا قائل ہے۔ چونکہ ہر آدمی کو متعدد عورتوں کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے مرد پر کسی قسم کی تحدید عائد نہیں ہونی چاہیے۔''③

مشہور ماہر جنسیات کیلیچن اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

''گوانگلستان میں کثرت ازدواج کے اصول پر بالعموم عمل ہوتا ہے لیکن معاشرہ اور قانون نے ابھی اس چیز کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ معاشرہ ان اشخاص کے اعمال پر خاموش رہتا ہے جو ایک بیوی یا شوہر سے شادی کر کے دو یا تین داشتاؤں یا آشناؤں سے تعلقات رکھتے ہیں لیکن معاشرہ اس وقت چیخ اٹھتا ہے، جب کوئی شخص یہ تحریک پیش کرتا ہے کہ مرد کو ایک سے زائد عورتوں سے شادی کی اجازت

① ندائے حرم کراچی، ربیع الآخر ۱۳۷۱ھجری۔
② اسلام اور جنسیات: ۲۸۶۔
③ اسلام اور جنسیات: ۲۸۵۔

دی جانی چاہیے۔“ ①

ایک بصیرت افروز واقعہ:

علامہ عبدالعزیز سادیش مصری نے ایک واقعہ نقل کیا ہے، پڑھنے کے لائق ہے۔ لکھتے ہیں:

”لندن میں ایک ہسپانوی شخص سے ملنے کا اتفاق ہوا، ہم نے بہت سے اسلامی مسائل پر تبادلہ خیالات کیا اور جیسے ہی تعدد ازدواج پر بحث چھڑی تو اس شخص نے کہا: ”کاش! میں بھی مسلمان ہوتا تو ایک اور بیوی کر لیتا۔“ میں نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ میری بیوی کو جنون ہو گیا ہے اور اس پر کئی برس گزر چکے ہیں جس کی وجہ سے مجھے مجبورًا آشنائیں رکھنا پڑتی ہیں، کیونکہ میں دوسری بیوی نہیں کرسکتا۔ اگر میرے پاس دوسری جائز بیوی ہوتی تو اس سے میری جائز اولاد ہوتی جو میری کثیر دولت کی وارث بنتی، میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور بہتر رفیق ہوتی اور مجھے اس سے اطمینان اور سکون حاصل ہوتا۔“ ②

قانون اسلام سے روگردانی کا نتیجہ:

مسز برڈسل کال کتر صدر ینگ وومین کرسچین ایسوسی ایشن نے واشنگٹن میں بکنگ کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا ہے:

”امریکہ میں چودہ سال سے اوپر کی جوان لڑکیوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ ہے جو سب کی سب کنواری ہیں۔ ان کے مقابلے میں کنواروں کی تعداد نوے لاکھ ہے۔ اس حساب سے تیس لاکھ کنواری لڑکیوں کے لیے شوہروں کا ملنا محال ہے

---

① اسلام اور جنسیات: ۲۸۷۔

② اسلام اور جنسیات: ۲۹۲۔

کیونکہ جنگ نے مردوں اور عورتوں کا عددی توازن بہت بڑی حد تک خراب کر دیا ہے۔''①

بتایا جائے کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے گا۔ اگر تعدد ازدواج کی اجازت نہیں دی جاتی ہے تو پھر عفت وعصمت کو دنیا کی کون سی طاقت بچا سکتی ہے اور بفرض محال بچ بھی جائے تو اس ظلم عظیم کا وبال کس کے سر آئے گا؟ اور ان تیس تیس لاکھ تعداد کی گریہ وزاری اور ان کے نالہ وشیون کیا کچھ نہ کریں گے۔ جس نے یہ لکھا بالکل سچ لکھا:

''لوگ سمجھتے ہیں تعدد ازدواجی اور وحدت ازدواجی میں مقابلہ ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ اصل میں مقابلہ ہے محدود تعدد ازدواجی کا لامحدود حرام کاری سے۔ اسلام بعض سخت شرائط کے تحت محدود تعدد ازدواجی کی اجازت اس لیے دیتا ہے کہ لامحدود حرام کاری کا سد باب ہو لیکن جو وحدت ازدواجی کے قائل ہیں ان کے پاس لامحدود حرام کاری کے انسداد کا کوئی علاج نہیں۔ اسی لیے تو وہ تعدد ازدواجی کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں، مگر وہ یہ آواز بلند نہیں کرتے کہ ایک عورت والے مرد کو دوسری جگہ شہوانی جذبات کی سیرابی کے لیے منہ کالا نہیں کرنا چاہیے۔''②

ہندوؤں کا اعتراف حق:

یہ تو مغرب کا اعتراف حق تھا، اب ہندوؤں کے متعلق سنیے:

''مدراس ہندو مہا سبھا نے ہندو لاء کمیٹی کے نام جو یادداشت ارسال کی ہے اس میں پہلی بار ہندو سوسائٹی کے لیے بعض حالات میں تعدد ازدواج کی ضرورت کا اعتراف کیا گیا ہے یعنی ہندوؤں کو بعض ایسے حالات بھی پیش آسکتے ہیں، جن میں

---

① زمزم لاہور، ۱۵ستمبر ۱۹۴۵ء۔

② زمزم لاہور، ۱۷ اگست ۴۵ء۔

ایک مرد کو کئی عورتوں سے شادی کی اجازت ہونی چاہیے۔“ ①

ہمیں بتانا یہ ہے کہ اسلام نے عفت وعصمت اور پاکبازی کے لیے جو شاہراہ قائم کی ہے اس پر چلنے ہی سے عزت وآبرو اور پاک دامنی حاصل ہوسکتی ہے دوسری کوئی شکل نہیں اور وہ شاہراہ یہی ہے کہ جو عورتیں پسند آئیں ان سے شادی کر لی جائے ،ایک سے کی جائے، ضرورت ہو تو دو سے ،تین سے حتیٰ کہ چار تک سے اجازت ہے مگر عدل و مساوات کی ضروری شرطوں کے ساتھ ۔

تعدد ازدواج میں عدل ومساوات :

کن امور میں عدل ومساوات ضروری ہے، اس کی کچھ بحث عورتوں کے حقوق میں آئے گی ، کچھ یہاں لکھی جاتی ہے اور اگر واقعتاً ضرورت نے ایک سے زیادہ بیویاں کرنے پر مجبور کر دیا ہے تو کرلی جائیں ،مگر بدکاری اور منہ کالا کرنے کی کبھی جرأت نہ کی جائے اور دوسری شادی کی جائے تو یہ یقین کر کے کہ ہمیں اپنی تمام بیویوں کے درمیان عدل و مساوات برتنا ہے، اس کے خلاف نہیں کرنا ہے کیونکہ رب العزت کا حکم ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ﴿٣﴾ [النساء: ٣]

”اگر تم کو احتمال ہو کہ عدل نہ کرسکو گے تو ایسی حالت میں ایک ہی پر اکتفا کرو ۔“

آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قِسْمَتِیْ فِیْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِكُ وَ لَا اَمْلِكُ)) ②

”اے اللہ! جس کا مجھے اختیار ہے اس میں میں نے تقسیم کی یعنی عدل کیا ہے اور اس چیز میں ملامت نہ فرما جس کا تو مالک ہے، میں مالک نہیں ۔“

---

① زمزم لاہور، ۲۳فروری ۵٤ء۔

② ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی التسویة بین الضرائر: ١١٤٠۔ ابوداؤد: ٢١٣٤۔ اس حدیث کی سند جید ھے۔ ارواء الغلیل : ٢٠١٨۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا واقعہ ہے کہ انہوں نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے میری بہن کے نورنظر! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں جب باری مقرر کرتے تو کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے بلکہ عدل ومساوات کی کارفرمائی ہوتی تھی، ہاں یہ البتہ ہوتا کہ ہم تمام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات فرماتے اور سب سے ملتے مگر رات انہی کے گھر آرام فرماتے جن کی باری ہوتی، دوسری کے یہاں غیر کی باری کے دن قیام نہیں کرتے۔''①

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری لمحات حیات میں عدل ومساوات:

مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے نماز عصر کے بعد ملتے تھے۔②

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ میں عدل ومساوات برتنے کا یہ حال تھا کہ مرض الوفات میں بھی اس کو فراموش نہیں فرمایا۔ ایام مرض میں بھی دریافت فرماتے رہتے کہ کل میری باری کہاں ہے؟:

((كَانَ يَسْأَلُ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ اَيْنَ اَنَا غَدًا ؟))③

''مرض الوفات میں بھی پوچھتے تھے کہ کل میری باری کہاں ہے؟''

مانوس کرنے کے لیے نئی بیوی کے ساتھ رعایت:

دوسری شادی کرے تو دیکھا جائے گا کہ آنے والی نئی بیوی کنواری ہے یا بیاہی، اگر کنواری (باکرہ) ہوگی تو اس کے پاس سات دن قیام کرے گا، پھر مساوات کی باری چلے گی،

---

① ابوداؤد، کتاب النکاح، باب القسم بين النساء: ٢١٣٥۔

② مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الكفارة على من حرم امرأته......الخ: ١٤٧٤۔ مسند احمد: ٦/٥٩۔

③ بخاری، کتاب النكاح، باب اذا استأذن الرجل نسائه في أن يمرض في بيت بعضهن فأذن له: ٥٢١٧۔ مسلم: ٢٤٤٣۔

اور اگر بیوہ (ثیبہ) ہے تو اس کے یہاں تین دن قیام کرے گا پھر اس کے بعد باری مقرر کی جائے گی۔ یعنی آنے والی نئی دلہن کے لیے یہ حق رکھا گیا ہے کہ باکرہ ہو تو اس کو سات دن دیے جائیں کہ وہ شوہر سے مانوس ہو، ثیبہ ہو تو تین دن۔ یہ حساب میں، شمار نہیں ہوں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے:

((اِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ اَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعاً وَ قَسَمَ وَ اِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ اَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثاً ثُمَّ قَسَمَ)) ①

''مرد جب ثیبہ کے بعد کنواری سے شادی کرے تو اس کے پاس سات دن قیام کرے پھر باری تقسیم کرے اور ثیبہ سے جب شادی کرے تو اس کے پاس تین دن قیام کرے پھر باری مقرر کرے۔''

سفر میں لے جانے کے لیے قرعہ:

سفر میں جب کسی بیوی کو لے جانا ہو تو قرعہ کے ذریعے فیصلہ کرے، جس کے نام کا قرعہ نکلے اسی کو ساتھ لے جائے تاکہ ناانصافی نہ ہونے پائے اور خود بیویوں کو بھی یہ خیال نہ گزرے کہ ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا، حدیث میں ہے:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ نِسَآئِهٖ فَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهٗ)) ②

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کرتے، جس کے نام کا قرعہ نکلتا وہ آپ کے ساتھ جاتی۔''

سفر سے واپسی پر پھر حساب و کتاب کس نہج پر ہوگا؟ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:

۱۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ سفر کی مدت کا حساب نہیں ہوگا، گھر پہنچنے کے بعد از سر نو سب

---

① بخاری، کتاب النکاح، باب اذا تزوج الثیب علی البکر: ٥٢١٤۔ مسلم: ١٤٦١۔

② بخاری، کتاب الشهادات، باب القرعة فی المشکلات: ٢٦٨٨۔

کے لیے مساوات کے ساتھ باری چلے گی، جو سفر میں گئی ہے اس کی باری سے مدت سفر کی مقدار وضع نہیں کی جائے گی، خواہ قرعہ ڈالا گیا ہو اور نام نکلنے پر ساتھ لے گیا ہو یا بغیر قرعہ کے ہی ایسا کیا ہو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی کے قائل ہیں۔

۲۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ مدت سفر کا حساب ہوگا اور جو عورت ساتھ گئی ہے اس کے حصہ سے اتنے دن وضع کر لیے جائیں گے جتنے دن وہ سفر میں ساتھ رہی ہے، یہی اہل ظاہر کا مذہب ہے، قرعہ کے ذریعہ سے ساتھ گئی ہے یا بغیر قرعہ کے۔

۳۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر قرعہ کے ذریعہ نام نکلا اور ساتھ گئی تو یہ دن حساب میں وضع نہیں ہوں گے اور اگر بغیر قرعہ کے کسی بیوی کو اپنی مرضی سے ساتھ لے گیا ہے تو ایسی صورت میں مدت سفر کو حساب میں شمار کیا جائے گا۔ یہی قول ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا۔

اپنے حصہ کا ہبہ اور ملنے کی آزادی:

اگر کوئی بیوی اپنی باری اپنی سوکن کو بخشنا چاہے تو بخش سکتی ہے اور شوہر پر لازم ہوگا کہ اس بخشنے والی بیوی کی باری اس کے پاس گزارے جس کو اس نے اپنی باری ہبہ کی ہے۔ ہاں اگر اپنی باری شوہر ہی کو بخش دے تو پھر شوہر کو اختیار ہے جس کے پاس چاہے اس دن کو گزارے۔ ①

ملنے اور بات چیت میں آزادی ہے۔ یعنی باری جس کی بھی ہو، شوہر سب سے ملاقات کرسکتا ہے اور سب کو جمع کر کے بات چیت بھی کرسکتا ہے البتہ وطی اسی سے کرے گا جس کی باری ہے غیر سے نہیں کرسکتا۔ ②

ایک بحث اور ہے کہ کیا بیویوں سے وطی کرنے میں بھی مساوات ضروری ہے؟

---

① زادالمعاد : ٤/ ٢٠ ۔

② زاد المعاد : ٤/ ٢٠ ۔

چونکہ وطی کا دارومدار محبت اور طبیعت کے میلان پر ہے اس لیے اس میں مساوات ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ لیکن یہ مطلب نہیں کہ مساوات کی کوشش ہی نہ کی جائے بلکہ کوشش اس میں بھی مساوات ہی کی رہنی چاہیے۔ اگر کوشش کے باوجود طبیعت مائل نہ ہو اور انتشار پیدا نہ ہو تو البتہ معذور سمجھا جائے گا اور اگر طبعی خواہش اور میلان نفس کے باوجود ترک کرنا چاہے تو اس کی ہرگز اجازت نہیں ہے کہ یہ قصداً حق تلفی اور ناانصافی ہے۔ ①

بیوی کی خوشنودی:

نان ونفقہ میں بھی عورتوں کے اندر عدل ومساوات سے کام لے یعنی ممکن حد تک اپنی تمام بیویوں میں عدل ومساوات کو قائم کرے اور ان کی ہر طرح دلداری ہی کرے۔

آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ اسلام جو جھوٹ کو بدترین گناہ کہتا ہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کرتا، مگر بیویوں کی رضامندی کے لیے بوقت ضرورت جھوٹ بولنے کی بھی اجازت ہے۔ حدیث میں ہے، ام کلثوم رضی اللہ عنہا راوی ہیں:

« وَ لَمْ اَسْمَعْ يُرَخَّصُ فِيْ شَيْئٍ مِّمَّا يَقُوْلُ النَّاسُ كَذِبٌ اِلَّا فِيْ ثَلٰثٍ الْحَرْبُ وَ الْاِصْلَاحُ بَيْنَ النَّاسِ وَ حَدِيْثُ الرَّجُلِ امْرَأَتَهٗ وَ حَدِيْثُ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا » ②

”تین چیزوں کے سوا کسی میں آپ نے جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دی، صرف ان چیزوں میں رخصت تھی۔ لڑائی، صلح صفائی اور مرد کا بیوی سے (پیار بھری) باتیں کرنا اور بیوی کا مرد سے۔“

عدم مساوات کا نتیجہ:

مگر یہ کسی لمحہ برداشت نہیں کہ ناجائز طور پر بیوی پر ظلم ڈھا کر ان کی دل شکنی کرے اور

---

① زاد المعاد: ٤/ ٢٠۔

② مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الكذب و بيان ما يباح منه: ٢٦٠٥۔

ان کے شیشۂ دل کو ٹھیس لگائے ۔ یہ وہ زریں ہدایات ہیں جن کا لحاظ اور پاس زندگی میں نہایت ضروری ہے۔ جو لوگ چند عورتوں سے بیک وقت شادی کرتے ہیں اور ان زریں اصولوں پر عمل نہیں کرتے ان کی زندگی عذاب الیم کا منظر پیش کرتی ہے۔ بیویوں کی وجہ سے گھر فتنہ وفساد اور جھگڑے کا اکھاڑا بن جاتا ہے اور زن وشو میں کسی کو ایک لمحہ اطمینان کا سانس نصیب نہیں ہوتا۔ شوہر کا اثر ورسوخ دم توڑ دیتا ہے، وقار کی روح مردہ ہوجاتی ہے اور اپنے اور غیر میں اس کی پوزیشن پامال ہوکر رہ جاتی ہے۔ یہی حال اس کی متعدد بیویوں کا ہوتا ہے۔

پھر یہیں پر بات ختم نہیں ہو جاتی، دونوں بیویاں اپنے بچوں کو دوسری ماں کے خلاف ابھارتی ہیں، خود باپ کی طرف سے بھی نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور بالآخر ایک شریف گھرانا جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔

اس سے بڑھ کر بات یہ ہوتی ہے کہ اگر تمام بیویوں کے حقوق کا لحاظ نہیں کیا جاتا، جب آدمی ایک ہی بیوی پر اس طرح جھک پڑتا ہے کہ دوسری لٹکی رہ جاتی ہے تو دوسری بیوی کبھی اس کام کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کرلیتی ہے جس کا نام لینا بھی ننگ اور عار کی بات ہے۔ راجہ مہاراجہ اور نوابوں کی متعدد بیویوں کی کہانیاں مشہور ہیں۔ عفت وعصمت اس طرح لٹائی جاتی ہے جس کی کوئی مثال نہیں اور اسلام اسے ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں۔

سارے قوانین کا ماحصل......عفت وعصمت :

اس ساری بحث کا منشا یہ تھا کہ اسلام ایک لمحہ کے لیے بھی یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ انسان کی عفت وعصمت پامال ہو اور ان کے اخلاق واعمال کی گندگی دنیا کو متعفن کرڈالے۔ جنسی میلان آدمی کی فطرت میں رکھا گیا ہے لیکن اس کے لیے قدرتی راہ بھی بنا دی گئی ہے۔ اس جائز راستہ سے داعیات فطرت پورے کیے جائیں، اگر کسی کو ایک بیوی سے تسکین نہ ہو اور جس معقول وجہ سے بھی سہی اور وہ یقین رکھتا ہے کہ عدل ومساوات کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے گا تو دو بیویاں رکھے، دو بیویاں کافی ہوں تو مذکورہ شروط کے ساتھ تین

بیویاں رکھے ۔اگر تین بیویاں بھی اس کی زندگی میں سکون پیدا نہ کرسکیں تو مذکورہ شروط کو ملحوظ رکھتے ہوئے چار بیویوں تک رکھ سکتا ہے۔ مگر یہ کسی حالت میں بھی قابل برداشت نہیں کہ عفت وعصمت کا دامن داغدار کرے۔

بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ کی اجازت نہیں:

ہاں بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا، جولوگ چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کے قائل ہیں وہ تعامل، توارث، بلکہ صدر اول کے اجماعی فیصلہ کو مسترد کر کے بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کی نو بیویاں تھیں، یہ بھی مسلمان ہوگئیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خُذْ مِنْهُنَّ اَرْبَعًا))[1]

''ان میں سے چار پسند کرلو۔''

حضرت قیس بن حارث رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں مسلمان ہوا تو اس وقت میری آٹھ بیویاں تھیں، چنانچہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اپنی آٹھ بیویوں کا تذکرہ کیا، آپ نے یہ سن کر فرمایا:

---

[1] ابن ماجه، كتاب النكاح، باب الرجل يسلم وعنده اكثر من اَربع نسوة : ١٩٥٣۔
ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:
((اِنَّ غَيْلَانَ بْنَ سَلَمَةَ الثَّقَفِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَسْلَمَ وَلَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاَسْلَمْنَ مَعَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَمْسِكْ اَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ))
''غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور ان کی زمانۂ جاہلیت میں دس بیویاں تھیں، وہ بھی ان کے ساتھ مسلمان ہوگئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار بیویاں رکھ لو اور باقی سب کو چھوڑ دو (یعنی طلاق دے دو)۔'' ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی الرجل یسلم و عندہ عشرۃ نسوۃ: ١١٢٨۔ ابن ماجہ: ١٩٥٣۔

((اِخْتَرْ مِنْهُنَّ اَرْبَعًا))①

''ان میں سے چار کو چن لو۔''

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے صراحتاً چار بیویوں سے زیادہ رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے اور جن لوگوں کے پاس چار سے زیادہ بیویاں تھیں، اسلام لانے کے بعد آپ ﷺ نے صرف ان میں سے چار کی اجازت فرمائی، بقیہ کو علیحدہ کرا دیا۔ خود سرور کائنات ﷺ کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں تو ظاہر ہے کہ یہ چیز آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ خاص تھی۔

---

① ابن ماجه، کتاب النکاح، باب الرجل یسلم وعنده اکثر من اربع نسوة : ۱۹۵۲۔

شادی کرنے والوں کے اختیارات وفرائض

اسلام نے جس طرح عفت وعصمت کے تحفظ کے لیے ایک سے زیادہ بیویوں کی بعض ضروری شرطوں کے ساتھ اجازت دی اور یہ گوارا نہیں کیا کہ انسانی چہرہ پر گندگی کی دھول بھی اڑ کر پڑے، ٹھیک اسی طرح عفت وعصمت اور اخلاق واعمال کی پاکیزگی کے لیے انسان کو اس بات کی بھی اجازت دی کہ شادی کرنے میں حدود اللہ کے اندر رہ کر اپنی پسند کی بیوی کرے اور عورت اپنی پسند کے مطابق شوہر تجویز کرے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء: ۳)

''تم ان عورتوں سے نکاح کرو جو تم کو پسند ہوں۔''

حق انتخاب:

ان عورتوں سے شادی کا مشورہ دیا گیا ہے جو پسند ہوں اور دل کو بھائیں۔ اس مسئلہ میں جو پابندی ہے وہ بس اتنی کہ حدود اللہ نہ ٹوٹنے پائیں، یعنی کچھ عورتیں ایسی ہیں جن سے شادی جائز نہیں ہے بلکہ ان سے رشتۂ ازدواج کا قیام شریعت نے حرام قرار دیا ہے، ان میں کچھ قرابت دار ہیں اور کچھ غیر مذاہب کی پابند، ان کو چھوڑ کر جو عورتیں حلال ہیں ان میں انتخاب کا حق عطا کیا گیا ہے۔ جس طرح مردوں کو عورتوں کے جائز انتخاب میں اختیار ہے اسی طرح عورتوں کو بھی اسلام نے حق انتخاب بخشا ہے۔ حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے ان میں سے کوئی بھی مجبور نہیں کیا گیا ہے کہ کسی خاص عورت یا مرد سے رشتہ جوڑے، ہر ذی عقل

جانتا ہے کہ چند پیسے کی جو چیز خریدی جاتی ہے اسے ٹھوک بجا کرلیا جاتا ہے اور شادی جیسی اہم چیز جس کا پوری زندگی سے واسطہ ہے اور جس کے ذریعہ دو اجنبی مرد اور عورت ایک مضبوط رشتہ میں منسلک ہورہے ہیں، اس میں غفلت کا مشورہ کون دے سکتا ہے؟

اسلام جو ستم رسیدوں کے لیے عدل و مساوات کا پیام بن کرآیا اور مظلوم و بے سہارا لوگوں کی جائز حمایت جس کی سرشت میں داخل ہے وہ کیسے برداشت کرسکتا تھا کہ حق والوں کو ان کا حق نہ ملے یا ظالموں کے ظلم کی بیخ کنی نہ ہو۔ چنانچہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ نے ہر ایک ظلم و جور کی بنیاد ڈھا دینے کا اعلان کیا۔ اس نے زندگی کے اس شعبہ میں بھی جس میں دو اجنبی ملتے ہیں، اصلاح کی، مظلوموں کو ان کا حق دلایا اور ظالم کا ظلم سے ہاتھ پکڑ لیا ،تاکہ رشتۂ ازدواج سے جو بنیادی مقاصد وابستہ ہیں وہ حسن وخوبی سے وجود میں آئیں۔

رشتۂ ازدواج کے سلسلہ میں قرآن پاک کی ہدایات اور مشکوٰۃ نبوت کی روشنی کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے تو یقینی طور پر بہتر ہوگا کہ نہ مرد مسلوب الاختیار ہے اور نہ عورتیں۔ جو بات پابندی کی نکلے گی وہ صرف اتنی کہ حدود اللہ کے اندر رہنا ضروری ہے۔

ظلم و جور کی بیخ کنی:

حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے اسلام نے مرد اور عورت جن کی شادی ہورہی ہے ان کی رائے کو ترجیح دی ہے اوران کی رائے قبول کرنے کو بہرحال ضروری بتایا ہے۔ اسلام سے پہلے اس باب میں ظلم ہوتا تھا ،لڑکیوں پر ان کے ولی ناجائز دباؤ ڈالتے تھے اور ایسے مردوں سے ان کی شادی کردیتے تھے جن کو لڑکیاں پسند نہیں کرتی تھیں، یہ یتیم لڑکیوں کے حق میں خصوصیت سے ناانصافی ہوتی تھی۔

جاہلیت کی تاریخ پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ جاہلی معاشرہ میں عورتوں کی حیثیت کس قدر پست تھی، یہ غریب مال منقولہ سمجھی جاتی تھیں شادی کے بعد شوہر یہ سمجھتا تھا کہ میں نے مہر کے بدلہ میں بیوی کو خرید لیا ہے۔ چنانچہ شوہر کے مرنے کے بعد شوہر کے وارث عورت کو اپنی

ملکیت میں شمار کرتے اور یوں عورتوں پر کئی مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ اسلام جب آیا تو اس نے اس ظلم وستم کی بیخ کنی کو بھی ضروری سمجھا۔

ولی کو مشورہ کا حق:

حد بلوغ تک پہنچنے کے بعد عاقل لڑکا اور لڑکی جس طرح دنیا کے دوسرے معاملات میں بڑی حد تک آزاد ہوتے ہیں اسی طرح اسلام نے ان کو شادی کرنے میں بھی حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے آزادی بخشی ہے۔ والدین اور دوسرے اقرباء اس شعبۂ زندگی میں اپنے تجربات کی روشنی میں معتدل مشورے ضرور دے سکتے ہیں اور ان کو مشورہ دینا بھی چاہیے مگر یہ دباؤ نہیں ڈال سکتے۔ شادی کرنے والے جوڑے کو بھی چاہیے کہ اپنے بزرگوں کے مشوروں کو قبول کریں کہ ان کی آراء پختہ ہوتی ہیں اور محبت وشفقت میں ڈوبی ہوئی۔ بایں ہمہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ان کو ان مشوروں کے قبول کرنے پر اسلام نے مجبور نہیں کیا ہے۔

عورتوں کو شوہر کے انتخاب میں اختیار:

عورتیں جن کو ہندوستان کے ماحول میں ہم مجبور محض سمجھتے ہیں، اسلام نے ان کو اتنا مجبور ہرگز نہیں کیا، بالغ لڑکوں کی طرح بالغ لڑکیوں کو بھی اس باب میں بڑی حد تک آزادی ہے، نکاح کے باب میں بالغ لڑکیوں کی رضا اور ان کی اجازت ہر حال میں ضروری قرار دی گئی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا تُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ وَ لَا تُنْكِحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ))[1]

”شوہر دیدہ کی شادی اس وقت تک نہ کی جائے جب تک اس سے مشورہ نہ کرلیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح بھی اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت حاصل نہ کرلی جائے۔“

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب لا ینکح الأب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھما: ۵۱۳۶۔

دوسری حدیث اس سے بھی واضح ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اَلْأَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِيْ نَفْسِهَا وَ اِذْنُهَا صُمَاتُهَا))[1]

''شوہر دیدہ عورت خود اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری کے نکاح کے وقت اس سے اجازت لے لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔''

تیسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((الثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ يُسْتَأْذِنُهَا اَبُوْهَا فِيْ نَفْسِهَا وَ اِذْنُهَا صِمَاتُهَا))[2]

''وہ عورت جو شوہر دیکھ چکی ہے بذات خود ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری سے اس کا باپ اجازت حاصل کرے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔''

ان حدیثوں میں جو لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے اور جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا منشا کیا ہے؟ عورتوں کو شادی کے باب میں مختار بنایا گیا ہے یا ان کو مسلوب الاختیار گردانا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن کو ذرا بھی فہم وعقل عطا کی وہ یہ فیصلہ دینے پر مجبور ہوں گے کہ اسلام نے عورتوں کو شادی کرنے کے سلسلہ میں مسلوب الاختیار نہیں بنایا ہے بلکہ ان کی منظوری کو ضروری قرار دیا ہے۔ بغیر عورت کی رضا حاصل کیے ہوئے اس کی شادی کسی مرد سے نہیں کی جاسکتی۔

---

① مسلم ، کتاب النکاح ، باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت : ۱۴۲۱۔

② مسلم ، کتاب النکاح ، باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت : ۱۴۲۱۔

ولی کا فریضہ:

ولی کا فریضہ ہے کہ پہلے بالغہ سے رضا حاصل کرے پھر وہ کسی مرد سے اس کی شادی کی بات چیت طے کرے۔ حد یہ ہے کہ باپ جو لڑکی کے حق میں سراپا رحیم وشفیق ہوتا ہے اس کو بھی پیغمبر اسلام ﷺ حکم دے رہے ہیں کہ لڑکی کی رائے معلوم کرے اور اس کی اجازت حاصل کرلے، پھر اس کی شادی اس کی پسند کے مطابق کرے۔

مگر اسلام نے جہاں لڑکی کی رضا اور اجازت کو ضروری قرار دیا ہے، وہاں لڑکی کی حیا اور شرم کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا، بلکہ پاس ادب یہ ہے کہ لڑکی کے سکوت کو بھی اجازت کا درجہ دیا ہے، اگر وہ کنواری ہے۔ ہاں اگر ثیبہ ہے تو اس کی صراحتاً اجازت کی ضرورت ہے، مشورہ کرنے اور اجازت لینے سے اسی طرف اشارہ ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ سکوت باکرہ جو اذن کے درجہ میں ہے اس کے لیے اچھا ہے کہ عورت کو یہ مسئلہ معلوم ہو۔

عورت کی عدم رضا سے نکاح کا رد عہد نبوی میں:

حدیث میں ایک صحابیہ حضرت خنساء بنت حزام رضی اللہ عنہا کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کے باپ نے کسی شخص سے ان کی شادی کر دی، حضرت خنساء کو یہ رشتہ پسند نہ آیا، دربار نبوی میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی، رحمت عالم ﷺ نے حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی درخواست قبول فرمالی اور ان کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو رد فرما دیا۔ ①

دوسرا واقعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ایک باکرہ عورت، رحمت عالم ﷺ کی خدمت بابرکت میں آئی اور بیان کیا کہ میرے باپ نے جس سے میری شادی کر دی ہے، وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو اختیار دے دیا کہ جی

---

① بخاری، کتاب النکاح، باب اذا زوج الرجل ابنته وهی کارهة فنکاحه مردود: ٥١٣٨۔

چاہے رکھو، جی چاہے رد کر دو۔ ①

باپ کو بھی جبر کا اختیار نہیں:

ایک واقعہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان عورت دربار نبوی میں حاضر ہوئی اور بیان کیا کہ میرے والد محترم نے میری شادی میرے چچازاد بھائی سے کر دی ہے جو مجھے پسند نہیں ہے۔ اس عورت کی اس رشتہ سے ناگواری سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا کہ تم کو اس نکاح کے قائم رکھنے اور رد کرنے کا اختیار ہے۔ عورت نے یہ سن کر اطمینان کا سانس لیا اور کہا کہ میرے باپ نے جو کچھ کیا اس کی اجازت دے چکی ہوں، لیکن اس وقت سوال کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب حاصل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ عورتوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ باپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ بالغ لڑکی کی رضا حاصل کیے بغیر شادی کر دے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((وَ لٰكِنْ اَرَدْتُّ اَنْ تَعْلَمَ النِّسَاءُ اَنْ لَّيْسَ اِلَى الْاٰبَآءِ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ)) ②

''لیکن میں نے عورتوں کو یہ بتا دینا چاہا کہ باپ دادا کے ہاتھ میں نکاح کے معاملہ میں کچھ نہیں ہے۔''

عبدالرحمٰن بن یزید انصاری اور مجمع بن یزید رضی اللہ عنہما ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سے جو خذام کے نام سے مشہور تھا، انہوں نے اپنی لڑکی کی شادی کی، ان کی لڑکی کو یہ رشتہ پسند نہ آیا، چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اپنی ناپسندیدگی کا تذکرہ کیا،

---

① ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی البکر یزوجها ابوها ولا یستامرها : ۲۰۹۶۔ اس روایت کی سند کے تمام راوی ثقہ ھیں۔

② ابن ماجه ،کتاب النکاح ، باب من زوج ابنته وھی کارھة (۱۸۷٤) اس روایت کو شیخ البانی رحمه الله نے ضعیف اور شاذ قرار دیا ھے۔ضعیف ابن ماجه: ۳٦۸ غاية المرام (۲۱۷)۔

تو آپ ﷺ نے اس کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو باطل قرار دے دیا اور پھر اس عورت نے ابولبابہ بن عبدالمنذر سے شادی کی۔ ①

ان حدیثوں کو پڑھنے کے بعد اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ بالغہ عورت کو شادی کے معاملہ میں مجبور نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کو شوہر کے انتخاب میں پورا اختیار رہے اور اس ساری کد و کاوش اور اختیارات کا مقصد یہ ہے کہ عفت و عصمت، محبت و مودت اور بقائے نسل انسانی جو نکاح کے بنیادی مقاصد ہیں وہ بحسن وخوبی حاصل ہوں۔

ولی کو حق مشورہ اور اس کا لحاظ:

البتہ ولی نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرسکتا ہے، اس کے مسئلہ میں باپ کو بھی اختیار ہے اور دوسرے ولی کو بھی، مگر باپ کا اختیار مضبوط ہے کہ بلوغ کے بعد لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خود اپنا بیان ہے کہ میری شادی نبی ﷺ سے اس وقت ہوئی جب میری عمر چھ سال کی تھی۔ ②

بہر حال نکاح کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے اس لیے جو کچھ کیا جائے خوب سوچ سمجھ کر کیا جائے، ولی بھی اپنی حد تک اطمینان حاصل کرلیں اور جس کی شادی ہو رہی ہے وہ بھی سکون قلب پالے۔

یہاں ایک اور بات سمجھنے کی ہے، وہ یہ کہ آج کل گزشتہ دور کا ردعمل یہ ہو رہا ہے کہ شادی کرنے والے اپنی شادی کے معاملہ میں ولی حتیٰ کہ والدین کی رائے بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ کوئی شبہ نہیں کہ "شادی اپنی پسند ہی کی ٹھیک ہوتی ہے" مگر ساتھ ہی یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ جوش کے ساتھ ہوش نہایت ضروری ہے اور شادی کا جہاں جنسی میلان کی تسکین سے تعلق ہے وہاں اس کا تعلق گھر، خاندان، قوم اور ملک سے بھی ہے، حال کے ساتھ مستقبل پر

---

① ابن ماجه، كتاب النكاح باب من زوج ابنته وهى كارهة (١٨٧٣)۔

② ابن ماجه، كتاب النكاح، باب نكاح الصغار يزوجهن الآباء: ١٨٧٦۔

نگاہ رکھنا بھی ہر دور اندیش کا فریضہ ہے۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا کہ شادی کے معاملہ میں والدین یا جو ولی ہوں ان کا مشورہ بڑی حد تک ضروری ہے۔

اختلاف کے وقت عورت کی پسند قابل ترجیح:

اب یہ سوال باقی رہ گیا کہ عورت کی رائے اور مرد کی رائے میں ٹکراؤ ناگزیر طور پر ہوتا ہے تو ایسے موقع پر کیا فیصلہ ہوگا؟ تو یہاں تک بغیر شک وشبہ یہ کہا جائے گا کہ عورت کی مرضی مقدم ہوگی اور اسی کی رائے کو شرعی طور پر ترجیح دی جائے گی، کیونکہ شادی عورت کی ہو رہی ہے، عفت وعصمت کا تعلق اس سے عورت کا ہے، ولی کی شادی نہیں ہو رہی ہے، اور نہ اس بندھن کے نباہنے کی ذمہ داری ہی ولی پر ہے۔ تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ٹکراؤ کے وقت ولی کی رائے کو ترجیح دی جائے اور عورت کی رائے ورضا کی پروانہ کی جائے۔ پھر عہد نبوی کے فیصلے اور واقعات موجود ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے عورت کی رضا کو ترجیح دی، باپ کا کیا ہوا نکاح بھی رد فرما دیا مگر عورت کی مرضی کے خلاف فیصلہ نہیں فرمایا، جیسا کہ میں اوپر نقل کر آیا ہوں۔ پھر قرآن پاک کی یہ آیت بھی سامنے رکھیے:

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (البقرۃ: ٢٣٤)

''وہ عورتیں جب اپنی میعاد پوری کر لیں تو تمہیں اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہوگا جو وہ دستور کے مطابق اپنی ذات کے لیے کچھ کارروائی کریں۔''

اس آیت میں عورت کو اپنا معاملہ نبٹانے کی پوری آزادی حاصل ہے۔ عورت انسان ہے، عقل وفہم کی مالک ہے، وہ کوئی عضو معطل نہیں کہ بغیر ولی کی اجازت کے کوئی کام کر ہی نہیں سکتی۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر ماننا پڑے گا کہ نکاح میں حتیٰ الوسع عورت اور ولی دونوں

کی موافقت ضروری ہے تاکہ کام خوش اسلوبی سے انجام پاسکے۔ اس مسئلہ میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بہت درست ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے۔

مولانا کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا اصول اور فیصلہ:

مولانا کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''ایسے معاملات جن کا تعلق جماعت سے ہے، شریعت (اسلام) نے ان میں طرفین کی رعایت ملحوظ رکھی ہے اور ایسے باب میں مجموعۂ احادیث کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ صرف ایک جانب کو سامنے رکھ کر جو بھی فیصلہ ہوگا اس سے شارع علیہ السلام کی مراد کا پالینا مشکل ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کا معاملہ ہے، اس معاملہ کا زکوٰۃ دینے والے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے دونوں سے تعلق ہے۔ زکوٰۃ دینے والے کے متعلق حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات ہے کہ اگر اس کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والا آئے تو زکوٰۃ دینے والا اس کو خوش کرے، جو مانگے دے، انصاف کرے گا، اپنے لیے کرے گا اور اگر اللہ نہ کرے ظلم کرے گا تو اپنے لیے وبال خریدے گا۔ کیونکہ زکوٰۃ کا کمال یہ ہے کہ وصول کرنے والا خوش خوش جائے۔ کسی حدیث میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو خوش کرو زکوٰۃ میں جیسا بھی مال مانگے دو۔'' پوچھنے والے نے پوچھا کہ اگر ظلم کرے تو بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں پھر بھی۔''

دوسری طرف عامل کے متعلق حدیث میں صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خبردار! مال والوں کا بہترین مال زکوٰۃ میں لینے سے پرہیز کرو، مظلوم کی دعا سے ڈرو کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔''

دونوں کو سامنے رکھیے اور سوچیے تو معلوم ہوگا کہ زکوٰۃ دینے والوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

جو ہدایت دے رہے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اس معاملہ میں بولنے کا حق نہیں ہے، عامل جو مانگے دے، ظلم کرے تو بھی نہ بولے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کے متعلق جو ہدایت نبوی ﷺ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو زیادتی کا کوئی حق نہیں ہے۔انصاف سے مال والا جو دے دے، لے لے، ورنہ وعید کا مستحق ہوگا۔

خود میاں بیوی کا باہمی معاملہ قابل غور ہے، ایک طرف بیوی کو حکم ہے کہ شوہر کو خوش رکھو، بیوی کے لیے ذرا سی بدخلقی پر دوزخ کی شدید وعید ہے مگر دوسری طرف شوہر کو فرمایا جارہا ہے کہ تم میں مکمل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور اپنی بیوی کے لیے بہترین ہو۔

ٹھیک اسی طرح عورت اور اس کے ولی کا معاملہ ہے۔عورت کو کہا جارہا ہے کہ تمہارے نکاح میں ولی کا حق ہے اور اس قدر حق ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے نکاح باطل ہے اور ولی کو کہا جاتا ہے کہ عورت اپنے حق کی تم سے زیادہ حقدار ہے، گویا ولی کو اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔

مگر اس باب کے پورے ذخیرۂ احادیث کو سامنے رکھ کر یہی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ دونوں پر ذمہ داری ہے کہ ایک دوسرے کی رضا کے بغیر نکاح نہ ہو۔عورت کے لیے ولی کی بات کا پاس رکھنا فرض ہے اور ولی کو عورت کی رضا حاصل کرنا ضروری ہے، نہ ولی اس حد تک زیادتی کرے کہ عورت اپنے جائز حق سے محروم ہوجائے اور نہ عورت اتنی بے راہ روی اختیار کرے کہ ولی اور خاندان کے لیے باعث عار بن جائے۔

یوں بالغہ عورت پر ولی کو جبر کا بالکل اختیار نہیں، ہاں مستحب ہے کہ مشورہ دے، نابالغ کے باب میں جبر کا البتہ اختیار ہے اور ولی اور عورت کی رائے میں جب

اختلاف ہوگا تو بالغہ عورت کی رائے کو ترجیح ہوگی جس کی قرآن و حدیث سے تائید ہوتی ہے۔''①

مولانا کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے صرف اسی ایک مسئلہ میں نہیں، بلکہ ہر اجتماعی مسئلہ میں قابل عمل اور لائق ترجیح ہے، انہوں نے امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی گہرائیوں کو پالیا ہے اور اس طرح کی حدیثوں کا جو انداز بیان ہے اس کو خوب سمجھا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تائید:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی جو توجیہ بیان کی ہے، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ گو انداز بیان بدلا ہوا ہے اور کوئی شبہ نہیں۔ اس مسئلہ میں جو طرز ادا مولانا کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کی ہے، وہ سب سے عمدہ اور پاکیزہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''نکاح میں تنہا عورت کی رائے جائز نہیں کیونکہ ان کی عقل میں نقص ہے، ان کا غور وفکر نسبتاً زیادہ اہم نہیں، پھر مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا گیا ہے۔ ارباب حل وعقد مرد ہی ہیں، پھر معاملہ ایسا ہے کہ عورت کرے تو بے حیائی سے تعبیر ہو، آشنائی اور نکاح میں تمیز کے لیے بیچ میں اولیاء کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی شہرت ہوسکے۔ اس لیے عورت کو ولی کی رائے لینا چاہیے مگر ولی کو بھی یہ اختیار ہرگز نہیں کہ صرف اپنی رائے سے عورت کی شادی کردے، اس لیے کہ معاملہ عورت کا ہے اور اپنا معاملہ جو خود عورت سمجھتی ہے، مرد نہیں سمجھ سکتا ہے۔ نفع و نقصان عورت کو پہنچنے والا ہے اس لیے اس کی رضا ومشورہ ضروری ہے۔''②

---

① فیض الباری، جلد ٤، باب من قال لا نکاح الا بولی۔

② حجۃ اللہ البالغۃ، باب صفۃ النکاح، جلد : ٢ ۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ جو شافعی المذہب ہیں، وہ بھی فرماتے ہیں کہ لڑکی کی رائے کو ولی کی رائے پر ترجیح ہوگی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

((وَ حَقُّهَا اَوْكَدُ مِنْ حَقِّهِ فَاِنَّهٗ لَوْ اَرَادَ تَزْوِيْجَهَا كُفُوًا وَ امْتَنَعَتْ لَمْ تُجْبَرْ وَ لَوْ اَرَادَتْ اَنْ تَزَوَّجَ كُفُوًا فَامْتَنَعَ الْوَلِيُّ اُجْبِرَ فَاِنْ اَصَرَّ زَوَّجَهَا الْقَاضِيُّ، فَدَلَّ عَلٰى تَاَكُّدِ حَقِّهَا وَ رُجْحَانِهَا))[1]

''عورت کا حق ولی کے حق سے زیادہ مؤکد ہے، اگر ولی کسی کفو سے اس کی شادی کرنا چاہے اور لڑکی آمادہ نہ ہو تو اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا اور اگر خود عورت کسی کفو سے شادی کرنے کا ارادہ کرے اور اس کا ولی راضی نہ ہو تو اس ولی کو مجبور کیا جائے گا اور اگر ولی اصرار کرے گا تو قاضی اس عورت کی شادی کر دے گا۔ یہ دلیل ہے کہ عورت کا حق مؤکد اور راجح ہے۔''

ہر حال میں بالغہ لڑکی کی رائے قابل ترجیح ہے:

تمام مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت شادی کے معاملہ میں مجبور محض نہیں بلکہ اچھا طریقہ وہی ہے کہ ولی عورت کی رائے معلوم کر کے اس کی شادی کا انتظام کرے، اگر کسی لڑکے سے عورت شادی کرنے سے انکار کر دے تو اس کی زبردستی اس سے شادی کرنے کی جرأت نہ کی جائے۔ قرآن پاک نے جس سکون و طمانیت کو مقصد اولیٰ قرار دیا ہے وہ عورت کی رضا کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ طلاق و خلع وغیرہ، مسائل اسی لیے وضع کیے گئے ہیں۔

چنانچہ ''مبسوط'' میں ہے کہ نکاح کے موقع پر عورت سے اجازت لے لی جائے، کیونکہ ہوسکتا ہے اس کو کوئی اندرونی مرض ہو جس کی وجہ سے عورت سے صحبت نہیں ہوسکتی ہے یا ممکن

---

① شرح مسلم للنووی: ۱/ ۴۵۵۔

ہے کہ عورت کا دل اس شخص کے علاوہ کسی دوسرے سے معلق ہو جس سے شادی ہو رہی ہے۔ تو اگر عورت سے اجازت لیے بغیر اس کی شادی کر دی جائے گی تو اس حالت میں اس شوہر سے اس کا نباہ نہیں ہوگا اور عورت فتنہ میں پڑ جائے گی کیونکہ اس کا دل تو غیر سے معلق ہے اور عشق کی بیماری سے بڑھ کر دوسری بیماری کون سی ہوسکتی ہے۔ ①

مردوں کو اختیارات:

عورت کے مسئلہ کے حل ہو جانے کے بعد مرد کی رضا کا سوال پیدا ہوتا ہے، اس کے متعلق صرف اس قدر کہنا ہے کہ بالغ عاقل مرد جس کی شادی ہو رہی ہے اس کی رضا اور اجازت مقدم ہے۔ مرد کو چونکہ کبھی مجبور محض نہیں سمجھا گیا ہے اس لیے اس مسئلہ کی بحث کی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہاں تو یہ کہنا چاہیے کہ لڑکا جب اپنی شادی کرنے لگے تو اپنے بڑے

---

① مبسوط للسرخسی: ۱۹۷/٤۔

اگرچه مذکوره مسئله میں فقهاء نے اختلاف کیا ھے لیکن راجح و برحق موقف وھی ھے جسے مولف نے اپنایا ھے۔ علاوه ازیں یهاں یه یاد رھے که ایسی باکره جو نابالغ ھے اگر ولی اس کی رضامندی کے بغیر بھی نکاح کر دیتا ھے تو نکاح درست ھوگا۔ ھاں اتنا ضرور ھے که بلوغت کے بعد اگر ابھی رخصتی نھیں ھوئی تو اسے اختیار ھوگا که چاھے سابقه نکاح کو برقرار رکھے اور چاھے تو فسخ کر دے۔ امام شوکانی فرماتے ھیں "لَا حُكْمَ لِلرِّضَا مِنهَا قَبْلَ بُلُوغِهَا" قبل از بلوغت لڑکی سے رضا مندی حاصل کرنے کا کوئی حکم نھیں۔"

(السیل الجرار: ۲۷۸/۲)

امام ابن منذر فرماتے ھیں:

"اھل علم میں سے جس کے متعلق بھی ھمیں یاد ھے اس نے اجماع کیا ھے که اگر والد اپنی کم سن باکره بچی کا نکاح کر دے تو جائز ھے جبکه وه اس کی شادی کفو سے کرے اور والد کے لیے یه بھی جائز ھے که وه اپنی کم سن بیٹی کی ناپسندیدگی اور اس کے امتناع کے باوجود شادی کردے۔" (المغنی لابن قدامة: ۳۹۸/۹) (حافظ عمران ایوب)۔

بزرگ کی رائے پر ضرور غور کرے، یہ کہہ کر نظر انداز نہ کردے کہ اس ذاتی معاملہ میں والدین اور گھر کے بڑے بوڑھے دخل دینے والے کون ہوتے ہیں؟ کیونکہ شادی میں تجربہ کار اور علم الانسان کے ماہرین کی آراء بہت اہمیت رکھتی ہیں اور یہ ایک عام بات ہے کہ دور اندیشی جو بڑوں اور بزرگوں میں ہوتی ہے، ان نوجوانوں میں ہرگز نہیں ہوتی جن کے ہوش پر جوش کا غلبہ ہوتا ہے۔

عورت کے انتخاب میں ہدایت نبوی:

اب رہا عورت کے انتخاب کا مسئلہ، اس میں شریعت مطہرہ کا حکم یہ ہے کہ دینداری کا لحاظ مقدم ہونا چاہیے۔ مال دار سے شادی کی جائے، اونچے حسب نسب والی سے شادی کی جائے، حسین اور خوب صورت سے شادی کی جائے یا کسی معمولی عورت سے، بہرحال پہلے عورت کی دینداری اور سیرت کا جائزہ لیا جائے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَ لِحَسَبِهَا وَ لِجَمَالِهَا وَ لِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ))[1]

''عورت سے چار چیزوں کو مدنظر رکھ کر شادی کی جاتی ہے۔ اس کی مالداری کی وجہ سے، حسب نسب کی وجہ سے، خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کی دینداری کی وجہ سے، پس تو ایسا کر کہ دیندار عورت کو اختیار کر۔ (اگر ایسا نہ کرے) تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔''

محض دولت پرستی:

مقصد یہ ہے کہ انسان جب شادی کرنے لگتا ہے تو عورت کا انتخاب انہی چیزوں کے پیش نظر کرتا ہے، کبھی بیوی کا انتخاب اس کی مالداری کی وجہ سے کرتا ہے کہ عورت صاحب

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب الإکفاء فی الدین: (۵۰۹۰)۔

جائداد ہے، باثروت ہے اور شان دار کوٹھی کی مالکہ ہے، اگر اس سے شادی ہوگئی تو زندگی مزے سے گزرے گی، بہت سی فکروں سے نجات مل جائے گی اور اپنے افلاس کے باوجود مطمئن زندگی کا ذریعہ پیدا ہوجائے گا، دیندار ہو یا نہ ہو۔ مگر عجلت پسندی کی وجہ سے دوسرے پہلو پر غور نہیں کرتا ہے کہ مالدار بیوی کو شریک حیات بنائے گا تو زندگی کا لطف جاتا رہے گا، لذت ومسرت مفقود ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے زن وشو کی اجتماعی زندگی کی جو صدارت مرد کے حوالہ کی ہے اس میں رخنہ پڑ جائے گا، عورت کے نان ونفقہ کا قیام باقی نہ رہ سکے گا اور گھر کے سامان اور فرنیچر کو دیکھ کر جو مسرت ہوا کرتی ہے، بال بچوں کے لباس سے طبیعت میں جو کیف وانبساط پیدا ہوتا ہے یہ کرکرا ہوجائے گا، کیونکہ یہ سب غیر کا اثر نعمت ہے، اپنی کمائی نہیں، بیوی کی نگاہ میں جو عزت ووقعت چاہیے باقی نہ رہے گی کیونکہ مالدار بیوی کی نظر میں مفلس شوہر کی وقعت مینجر اور منتظم سے زیادہ نہیں ہوتی ہے اور یہ بھی اس وقت جب عورت با اخلاق ہو اور اگر اللہ نہ کرے عورت بے ادب ہوئی تو قدم قدم پر ٹھوکر لگائے گی، احسان جتائے گی۔ پھر اپنی اس مالدار بیوی سے جو اولاد ہوگی، یہ اولاد بھی باپ کی وہ عزت وتکریم نہیں کرسکتی ہے جو کرنی چاہیے، بیوی کی کسی غلطی پر شوہر تنبیہ کرنا چاہے گا تو ایسی بیوی مقابلہ کے لیے آمادہ ہوجائے گی اور نہ معلوم کیا کیا کہہ دے گی۔ پھر خود سوچا جائے ایسے حالات میں زندگی کی لذت ومسرت کیا باقی رہے گی۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُزَوِّجُوهُنَّ لِأَمْوَالِهِنَّ فَعَسٰى أَمْوَالُهُنَّ أَنْ تُطْغِيَهُنَّ))[1]

''عورتوں سے ان کی مالداری کی وجہ سے شادی نہ کرو، عموماً ان کا مال ان کو سرکشی پر آمادہ کردیتا ہے۔''

---

[1] ابن ماجه، کتاب النکاح، باب تزویج ذات الدین: ۱۸۵۹۔ ضعیف جداً۔ السلسلة الضیعفة: ۱۰۶۰۔ضعیف ابن ماجه: ۳۶۶۔

نسل ونسب کے بت پر جان دینا:

کبھی کوئی عورت کا انتخاب محض اس کے حسب نسب کی وجہ سے کرتا ہے، ذاتی شرافت اور صلاحیت بھی نہ ہو اور پھر اگر صرف نسلی امتیاز ہو اور دینداری نہ ہو تو یہ نسلی امتیاز بھی عورت میں کبر وغرور پیدا کر دیتا ہے اور وہ اپنے مقام سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرتی ہے۔ بتدریج یہ چیز بھی مرد کی قوامیت کو مجروح کر ڈالتی ہے۔ مقصد یہ نہیں ہے کہ نسب کا لحاظ کیا ہی نہ جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ صرف نسلی امتیاز کوئی مفید چیز نہیں جب تک ذاتی صلاحیت اور دینداری نہ ہو اور یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اسلام میں اول دینداری، پھر کوئی چیز ہے۔ دین کے مقابلہ میں حسب نسب کوئی چیز نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((وَ لَأَمَةٌ خَرُمَآءُ سَوُدَآءُ ذَاتُ دِيُنٍ اَفُضَلُ)) ①

”کالی کلوٹی لونڈی خواہ عقل میں کچھ کم بھی ہو مگر ہو دیندار افضل ہے۔“

دوسری حدیثوں سے بھی اس نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے اولیاء متقی ہیں جہاں کہیں بھی ہوں اور جو کوئی بھی ہو۔

حسن پرستی:

اور کبھی کوئی بیوی کے انتخاب میں محض خوبصورتی کو معیار بنالیتے ہیں کہ تراش خراش اور نوک پلک دلکش ہو، رنگ وروپ میں جاذبیت ہو عشوہ و ادا کی مجسمہ ہو اور اس کے اعضاء متناسب ہوں اور صرف یہی نہیں بلکہ جدید روشنی سے آراستہ ہو، شوخ اور بے باک ہو اور زمانہ کے اثر سے پوری متاثر ہو۔

مگر ان خیالات کے وقت سوچتے نہیں کہ یہ کوئی خاص خوبی نہیں۔ اگر اس میں صلاحیت

---

① ابن ماجه، كتاب النكاح ، باب تزويج ذات الدين : ١٨٥٩۔ یہ روایت ضعیف ھے السلسة الضعيفة: ١٠٤٠۔

اور سلیقہ نہیں تو محض خوبصورتی کوئی معیار نہیں، اگر خوبصورتی کے ساتھ حسن سیرت ہو، کیونکہ پھر یہ حسن و جمال سراپا فتنہ بن جائے گا اور یہ حسن بیوی میں ناز ونخرہ ضرورت سے زیادہ پیدا کر دے گا اور وہ فضول خرچ اور متکبر ثابت ہوگی، دوسرے لوگ الگ فتنہ میں ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ اسی تنہا خوبصورتی کے متعلق ارشاد نبوی ہے:

((لَا تَزَوَّجُوا النِّسَاءَ لِحُسْنِهِنَّ فَعَسٰی حُسْنُهُنَّ اَنْ یُرْدِیَهُنَّ)) ①

''عورتوں سے محض ان کے حسن کی وجہ سے شادی کی خواہش نہ کرو کیونکہ حسن عموماً ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔''

معیار دینداری اور ذاتی صلاحیت ہو:

اس لیے رسول الثقلین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''شادی کے موقع پر عورت کے انتخاب میں ''دینداری'' کو معیار بناؤ۔'' مال و دولت، حسن و جمال اور حسب نسب ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کو اس باب میں معیار قرار دیا جائے۔ بیوی کے انتخاب میں آدمی پر فرض ہے کہ وہ اس کی ذاتی صلاحیت اور حسن سیرت پر نگاہ رکھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا:

''حسن و جمال اور دولت وثروت'' کی بنیاد پر شادی نہ کیا کرو کہ ان سے فتنے کے اندیشے ہیں، تم دینداری کو ترجیح دیا کرو کہ کالی کلوٹی دیندار عورت بہر حال بہتر ہے۔'' ②

---

① ابن ماجه ، کتاب النکاح ، باب تزویج ذات الدین : ۱۸۵۹ ۔یه روایت ضعیف ھے۔ ضعیف ابن ماجه (۳٦٦)۔

② صاحب فتح القدیر نے طبرانی کے حواله سے یه حدیث نقل کی ھے که آنحضرت صلی الله علیه وسلم نے فرمایا :

((من تزوج امرأة لعزها لم یزده الله الا ذلا ومن تزوج لمالها لم یزده الله الا فقرا ومن تزوجها لحسبها لم یزده الله الا دناءة ومن تزوج امرأة لم یتزوجها الا لیغض بصره ولیعصن فرجه او یصل رحمه بارك الله له فیها و بارك لها فیه)) =

ارشاد نبوی ہے:

((وَلٰكِنْ تَزَوَّجُوهُنَّ عَلَى الدِّيْنِ)) ①

''لیکن عورتوں سے شادی ان کی دینداری کی بنیاد پر کرو۔''

بات بھی معقول ہے کہ باصلاحیت اور دیندار بیوی شوہر کے حقوق کا ہر وقت احساس رکھتی ہے، شوہر کی خوشنودی اپنا فریضہ سمجھتی ہے اور گھر کا کام ہر حال میں عمدہ طریقہ سے کرتی ہے۔ ایسی عورت میں بے جا کبر وغرور پیدا نہیں ہوتا، بچوں کی تعلیم وتربیت کا پورا دھیان رکھتی ہے۔ پڑوسیوں، قرابت داروں اور دوسرے لوگوں سے جھگڑا نہیں کرتی۔ خود دوسرے لوگوں کو بھی دیندار اور نیک عورت پر اعتماد ہوتا ہے۔ ہمسائے اور محلّہ دار اس کی عزت کرتے ہیں اور اس طرح شوہر کا گھر باوقار بن جاتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص کو چار چیزیں حاصل ہو جائیں اس کو دین ودنیا دونوں کی بہتری حاصل

= ''جس نے کسی عورت سے اس کی عزت کی وجہ سے شادی کی اللہ تعالیٰ اسے صرف ذلت میں ہی زیادہ کریں گے۔ جس نے عورت سے اس کے مال کی وجہ سے شادی کی اللہ تعالیٰ اسے صرف فقیری ہی میں بڑھائیں گے۔ جس نے عورت سے اس کے حسب نسب کی وجہ سے شادی کی اللہ تعالی اسے صرف کمتری و حقارت میں ہی بڑھائیں گے، جس نے کسی عورت سے اس لیے شادی کی تاکہ اس کی نظر جھک جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی نظر جھکا دے گا اور اس کی شرمگاہ کو محفوظ کر دے گا یا اس کے ناتے کو ملا دے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس عورت میں برکت دے اور عورت کو اس مرد میں برکت دے۔''

(مسند الشامیین: ۱۱۔ المعجم الاوسط للطبرانی: ۲۳۴۲) روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں عبدالسلام بن عبدالقدوس راوی ہے، امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے، امام ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے یہ موضوع روایات بیان کرتا ہے۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ عام طورپرجو روایت بھی بیان کرتا ہے غیر محفوظ ہے۔ (میزان الاعتدال: ۲/ ۶۱۷)۔

① ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب تزویج ذات الدین: ۱۸۵۹۔ یہ روایت ضعیف ہے۔

ہوگئی ،ایک شکر گزار دل، دوسری ذاکر زبان، تیسری مصائب پر صبر کرنے والا بدن اور چوتھی ایسی بیوی جو گناہ سے اجتناب کرنے والی اور شوہر کے مال کی محافظ ہو۔'' ①

ایک مرتبہ رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''شادی ایسی عورت سے کی جائے جو اپنے اندر کمال درجہ کا ایمان رکھتی ہو اور آخرت کے لیے معین اور مددگار ثابت ہو۔'' ②

اخلاق واعمال سے صرف نظر اور اس کا نتیجہ:

یہ بات قابل غور ہے کہ اگر لوگوں کا نقطۂ نگاہ اخلاق واعمال کی بجائے صرف جاہ ومرتبہ اور حسن و جمال ہو جائے تو پھر دنیا کا کیا حال ہوگا؟ شر وفتن کے چشمے ابل پڑیں گے، امن و امان خطرہ میں گھر جائے گا اور عزت وآبرو ناپید ہو جائے گی، بہت سی ایسی لڑکیاں گھروں میں بیٹھی نظر آئیں گی جن کو شوہر میسر نہ ہوگا اور جب عورتیں کنواری رہیں گی اور ان کی شادی نہ ہوگی تو اس وقت شیطان کو اپنی شیطنت کا پورا موقع ملے گا۔اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا خَطَبَ اِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوْهُ اِلَّا تَفْعَلُوْا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ)) ③

''جب تم کو کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کا دین و اخلاق تم کو پسند ہے تو اس سے شادی کر دو، ورنہ زمین میں فتنہ وفساد پھیل پڑے گا۔''

---

① مفتاح الخطابة : ۱۸۱۔

② ابن ماجه، کتاب النکاح ، باب افضل النساء : ۱۸۵۶۔

③ ترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فیمن ترضون دینه فزوجوه: ۱۰۸۴۔ اس حدیث کی سند حسن لغیرہ ھے۔ السلسلة الصحیحة :۱۰۲۲۔ ارواء الغلیل : ۱۸۶۸۔

بیوی کا انتخاب اور فقہائے کرام:

بیوی کے انتخاب کے سلسلہ میں فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ اصول پیش نظر ہوں تو مناسب ہے:

((یُندَبُ اَنْ تَکُونَ اَقَلَّ مِنهُ حَسبًا وَ نَسبًا وَ عِزًّا وَ مَالاً وَ سِنًّا وَ اَعلٰی مِنهُ خُلُقًا وَ اَدَبًا وَ وَرَعًا وَ جَمَالاً)) ①

''بہتر یہ ہے کہ عورت حسب نسب، عزت و مال اور عمر میں مرد سے کم ہو اور اخلاق و ادب اور حسن و ورع میں عورت مرد سے زیادہ ہو۔''

ان کے ساتھ ساتھ شادی کے وقت ان امور کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ:

((وَلَا یَتزَوَّجُ طَوِیلَةً مَھزُولَةً وَ لَا قَصِیرَةً دَمِیمَةً وَ لَا سَیِّئَةَ الْخَلقِ وَ لَا ذَاتَ الْوَلَدِ وَلَا الْمُسنَّةَ وَلَا زَانِیَّةً)) ②

''وہ عورت مرد جس سے شادی کررہا ہے وہ لمبی، دبلی، کوتاہ قد، بدصورت، بد اخلاق، صاحب اولاد، سن رسیدہ اور بدکار نہ ہو۔''

ماحصل یہ ہے کہ جس عورت سے شادی ہورہی ہے، وہ ہر اعتبار سے مناسب و موزوں ہو، دنیوی لحاظ سے بھی اور دینی پہلو سے بھی، تاکہ باہم موافقت اور انس و محبت قائم رہے، احادیث کی روشنی میں عورتوں میں جن خوبیوں کا ہونا سمجھ میں آتا ہے ان کا اجمالی بیان یہ ہے:

۱۔ عورت دیندار اور نیک طینت ہو، ارشاد نبوی ہے: ((فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّینِ))

۲۔ خوشی وغم میں شریک ہونے والی اور فرماں بردار ہو:

((تَسُرُّہُ اِذَا نَظَرَ وَ تُطِیعُهُ اِذَا اَمَرَ))

۳۔ پاک دامن، امانت دار، گھر کی منتظم، مہذب اور شاکر و صابر ہو:

---

① درمختار، کتاب النکاح۔

② شامی: ۲/ ۲۸۴۔

((وَ لَا تُخَالِفُهُ فِیُ نَفُسِهَا وَ مَالِهِ))

۴۔ بال بچوں کی خدمت گزار، ان سے محبت و شفقت کا برتاؤ کرنے والی اور تندرست ہو:

((خَیُرُ نِسَاءٍ رَکِبُنَ الُاِبِلَ، صَالِحُ نِسَاءِ قُرَیُشٍ اَحُنَاهُ عَلیٰ وَلَدٍ فِیُ صِغَرِهٖ وَ اَرُعَاهُ عَلیٰ زَوُجٍ فِیُ ذَاتِ یَدِهٖ))

۵۔ شوہر سے انس و محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد جننے والی:

((تَزَوَّجُوُا الُوَدُوُدَ الُوَلُوُدَ))

٦۔ صالحہ اور باعزت خاندان کی رکن اور خود بھی تعلیم یافتہ ہو: ((فَلُیَتَزَوَّجِ الُحَرَائِرَ))

۷۔ نیک صفتوں کی مالک اور عیوب سے پاک ہو۔

۸۔ دنیا میں رہ کر آخرت سے بے فکر نہ رہتی ہو۔

شوہر کا انتخاب:

عورت اپنے شوہر کا انتخاب کرنے میں بھی کم و بیش انہی امور کو ملحوظ رکھے تاکہ اس کی زندگی خوشگوار اور مطمئن گزرے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں:

((وَالُمَرُاَۃُ تَخُتَارُ الزَّوُجَ الَّذِیُنَ الُحَسَنَ وَ الُخُلُقَ الُمُوُسِرَ وَ لَا تَتَزَوَّجُ فَاسِقًا)) [1]

''عورت ایسے مرد کو اپنا شوہر بنائے جو دیندار، با اخلاق اور وسیع الظرف ہو، عورت اس مرد کو شوہر نہ بنائے جو دین سے بیگانہ ہو۔''

اسی طرح اگر باپ لڑکی کی شادی کرے تو وہ بھی ان ضروری باتوں کو پیش نظر رکھے لیکن آج کل یہ برا رواج عام ہوگیا ہے کہ جاہل اور لالچی باپ جب اپنی لخت جگر کے لیے شوہر کا انتخاب کرتا ہے تو اس کی نگاہ دولت پر ہوتی ہے، عمر، صلاحیت اور ذاتی شرافت پر نہیں ہوتی۔

---

[1] ردالمختار: ٢ / ٢٨٤۔

اس رواج سے بھی متنفر ہونا اور گریز کرنا انسانی فریضہ ہے۔فقہائے کرام لکھتے ہیں:

((وَ لَا يُزَوِّجُ اِبْنَتَهُ لِشَّابَّةَ شَيْخًا كَبِيْرًا وَ لَا رَجُلًا دَمِيْمًا)) ①

''باپ اپنی جوان لڑکی کی کسی بوڑھے اور بدصورت مرد سے شادی نہ کرے۔''

ہم عمری کا لحاظ:

لڑکی کی شادی میں شوہر کے ہم عمر ہونے کا لحاظ بھی ولی کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔ سرور کائنات ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں ''ہم عمری'' کا لحاظ رکھا تھا۔ نسائی نے ایک الگ باب باندھا ہے ''تزوج المرأة مثلها فی السن''یعنی عورت کی شادی اس کے ہم عمر سے کرنا اور اس باب کے تحت حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

((خَطَبَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَاطِمَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا صَغِيْرَةٌ فَخَطَبَهَا عَلِيٌّ فَزَوَّجَهَا مِنْهُ)) ②

''حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے لیے پیغام بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''وہ (فاطمہ رضی اللہ عنہا) کمسن ہیں۔'' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے پیام دیا تو آپ ﷺ نے ان سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کر دی۔''

محدثین نے اس حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ ہم عمری کا لحاظ بڑی حد تک ضروری ہے اور یہ بڑے فوائد پر مشتمل ہے۔گو یہ بات مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی کم سنی میں شادی کی مگر یہاں جو مقصد پیشِ نظر تھا وہ سب سے اہم تھا، دنیا کو اس کا

---

① رد المختار: ۲/ ۲۸۴۔

② نسائی ، کتاب النکاح، باب تزوج المرأة مثلها فی السن : ۳۲۲۳۔ شیخ البانی رحمه الله نے اس حدیث کو صحیح کہا ھے۔

علم ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ دین کا کتنا بڑا حصہ پھیلا اور اسلام کی کتنی عظیم الشان خدمت اس سلسلہ سے انجام پذیر ہوئی۔

سیرت کے ساتھ صورت کا لحاظ:

عورت کے انتخاب کے سلسلہ میں جو کچھ اوپر لکھا گیا، اس سے یہ سمجھنے کی کوشش نہ کی جائے کہ مرد خوب صورت عورت سے شادی نہ کرے، بدصورت سے کرے، یہ منشا ہرگز نہیں ہے۔مقصد صرف اتنا تھا کہ صورت کے ساتھ ساتھ سیرت پر نظر کی جائے، سیرت کو نظرانداز کر کے صرف صورت پر جان نہیں دینا چاہیے، ورنہ خوب صورتی کوئی بری چیز نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔

حدیث میں ایک صحابی کا واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آکر کہا کہ ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دیکھ لیا کرو، اس لیے کہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے۔''[①]

مطلب یہ کہ دیکھ بھال کر شادی کیا کرو، بعد میں ایسی نوبت نہ آئے کہ تم کو اس سے شکایت پیدا ہو جائے اور اس بہانہ سے آپس کی زندگی میں کشیدگی اور ناراضی پیدا ہو جائے۔

نوجوان عورت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ابھی حال ہی میں میری شادی ہوئی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''باکرہ (کنواری) یا ثیبہ (بیاہی) سے؟'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ثیبہ ہے۔یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَ تُلَاعِبُكَ))[②]

---

① مسلم، كتاب النكاح، باب ندب من اراد نكاح امرأة الى ان ينظر الى وجهها وكفيها قبل خطبتها: ١٤٢٤۔ ابن حبان: ٤٠٤١۔

② بخاری، كتاب النكاح، باب تزويج الثيبات: ٥٠٧٩۔

''کنواری سے کیوں نہیں کی کہ تم اس سے دل لگی کرتے اور وہ تم سے دل لگی کرتی۔''

مسلم کی روایت میں اس کے ساتھ اتنے الفاظ زیادہ ہیں:

((تُضَاحِكُكَ وَتُضَاحِكُهَا)) [1]

''وہ تم سے ہنسی مذاق کرتی اور تم اس سے ہنسی مذاق کرتے۔''

میں مانتا ہوں کہ باکرہ اس لیے فرمایا کہ اس سے موافقت اور اتحاد عمل کی زیادہ امید ہوتی ہے، کم سے کم پر راضی و شاکر رہتی ہے، محبت زیادہ کرتی ہے۔ لیکن اگر اس سے خوبصورتی و رعنائی بھی سمجھی جائے تو کیا برا ہے جبکہ حدیث کا لب ولہجہ بھی اس کی تائید میں ہے کہ آپس کی تفریح اور دل لگی میں رعنائی اور حسن سیرت اور خوبصورتی دونوں کو دخل ہے۔ اسی سلسلہ کی دوسری حدیث میں ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكُمْ بِالْاَبْكَارِ فَاِنَّهُنَّ اَعْذَبُ اَفْوَاهًا وَ اَنْتَقُ اَرْحَامًا وَ اَرْضٰى بِالْيَسِيْرِ)) [2]

''تم کو کنواری عورتوں سے شادی کرنا لازم ہے کہ وہ شیریں دہن ہوتی ہیں، بچے بہت جنتی ہیں اور تھوڑے پر خوش وخرم رہتی ہیں۔''

اس حدیث میں باکرہ کی تخصیص صراحت کے ساتھ ہے، اس میں بھی ایک پہلو ایسا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی میں عورت کی دلربائی اور رعنائی بھی مدنظر ہو جائے تو کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ کسی درجہ میں شاید مطلوب بھی ہے۔

نوجوان عورت کی خصوصیات:

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہا تھا کہ

---

[1] مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب نكاح البكر: ١٤٦٦۔

[2] ابن ماجه، كتاب النكاح، باب تزويج الابكار: ١٨٦١۔ بيهقى: ٨١/٧۔ یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔ السلسلة الصحيحة: ٦٢٣۔

راستہ میں ان کی ملاقات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوگئی، وہ کھڑے ہو کر ان سے گفتگو کرنے لگے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا۔

((اَلَا تُزَوِّجُكَ جَارِيَةً شَابَّةً لَعَلَّهَا تُذَكِّرُكَ بَعْضَ مَا مَضٰى مِنْ زَمَانِكَ))①

''آپ کی شادی کسی نوجوان لڑکی سے نہ کر دیں کہ وہ آپ کے گزرے ہوئے دنوں کی یاد دلائے۔''

اس حدیث کے ضمن میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

((فِيهِ اسْتِحْبَابُ نِكَاحِ الشَّابَةِ لِاَنَّهَا الْمُحَصِّلَةُ لِمَقَاصِدِ النِّكَاحِ فَاِنَّهَا اَلَذُّ اِسْتِمْتَاعًا وَ اَطْيَبُ نِكْهَةً وَ اَرْغَبُ فِى الْاِسْتِمْتَاعِ الَّذِىْ هُوَ مَقْصُوْدُ النِّكَاحِ وَ اَحْسَنُ عِشْرَةً وَ اَفْكَهُ مُحَادَثَةً وَ اَجْمَلُ مَنْظِرًا وَ اَلْيَنُ مَلْمَسًا وَ اَقْرَبُ اَنْ يُعَوِّدَهَا زَوْجُهَا الْاَخْلَاقَ الَّتِىْ يَرْتَضِيْهَا))②

''اس حدیث میں ہے کہ نوجوان سے شادی مستحب ہے کہ مقاصد نکاح کے حصول کے لیے موزوں ہے، لطف اندوزی میں مزیدار ہے، خوشبو میں سب سے عمدہ ہے اور لطف اندوزی میں طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے، رہن سہن میں بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ گفتگو میں خوش طبع ہوتی ہے، دیکھنے میں خوبصورت اور چھونے میں نرم و نازک اور اس کی قوی امید ہے کہ شوہر اپنے اخلاق کا اسے عادی بنا دے۔''

---

① مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه اِلیه و وجد مؤنة و اشتغال من عجز عن المئون بالصوم: ۱۴۰۰۔

② نووی شرح مسلم: ۱ / ۴۴۹۔

دین اور حسن کا اجتماع:

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو ترغیب دیتے کہ دیندار اور خوبصورت عورت سے شادی کیا کریں۔ الفاظ یہ ہیں:

((وَكَانَ(النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) يُحَرِّضُ أُمَّتَهُ عَلَى النِّكَاحِ الْأَبْكَارِ الْحِسَانِ ذَوَاتَ الدِّيْنِ))[1]

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو باکرہ، خوبصورت اور دیندار عورتوں سے شادی کرنے کی ترغیب دیتے۔''

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے، اس سے اتنی بات آسانی سے ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی خوبصورت عورت سے شادی کرے تو یہ کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ اچھی بات ہے مگر حسن و جمال کو مقصد اصلی قرار نہیں دینا چاہیے اور صرف خوبصورتی ہی پر نظر نہیں رکھنی چاہیے بلکہ ساتھ ساتھ اخلاق و اعمال اور سیرت و کردار پر بھی نظر ہونی چاہیے۔

خوبصورتی کا معیار:

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ خوبصورتی کا مطلب صرف چمڑے اور رنگ و روپ کی خوبصورتی ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی سیرت بھی خوب ہو، اخلاق و اعمال پاکیزہ ہوں اور دین میں پختگی بھی ہو۔ پھر خوبصورتی کا معیار رنگ و روپ میں بھی اپنے طبعی ذوق پر ہے، کسی آدمی کو وہ عورت بھی خوبصورت معلوم ہوتی ہے جو اکثر کی نگاہ میں بدصورت سمجھی جاتی ہے، تو اب اس معاملہ میں دوسروں کی پسند کا اعتبار نہیں ہوگا۔

سچی بات پوچھیے تو بہت سے واقعات کی روشنی میں کہنا پڑتا ہے کہ خوبصورتی محبت سے پیدا ہوتی ہے اور موافقت و پسندیدہ سیرت سے۔ واقعات شاہد ہیں کہ محبت و عشق نے

---

① زادالمعاد: ۳/ ۱٤٦۔

رنگ وروپ کی جاذبیت کو غلط ثابت کر دیا ہے پھر اس وقت اور بھی جب اعمال واخلاق اچھے نہ ہوں، اس لیے رنگ و روپ پر جان دینا عقلمندی نہیں ہے، ہاں دینداری اور پسندیدہ اعمال واخلاق کے ساتھ خوبصورتی مل جائے تو نعمت سمجھنا چاہیے۔

ماحصل یہ ہے کہ عفت وعصمت کی حفاظت کی خاطر اسلام نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے بلکہ کہنا چاہیے رغبت دلائی ہے کہ نوجوان شیریں دہن اور پیکر حسن وجمال سے شادی کرے مگر گوہر عفت اور در عصمت کی بے وقعتی کا دھیان ہرگز دل میں نہ آنے دے۔

بیوہ عورت سے شادی:

یہ مطلب نکالنے کی کوشش نہ کی جائے کہ کنواری ہی سے شادی ضروری ہے، بیوہ سے شادی کرنا مناسب نہیں ہے۔ بلا شبہ احادیث میں کنواری عورتوں سے شادی کی ترغیب پائی جاتی ہے اور اس کی معقول وجہ بھی ہے، جیسا کہ بعض حدیثوں میں سبب بیان کر دیا گیا ہے کہ کنواری سے میل ملاپ اور ہم ذوقی جلد پیدا ہو جاتی ہے۔ پہلے پہل شوہر کے یہاں آتی ہے اس لیے شوہر جس چیز کا عادی بناتا ہے آسانی سے ہو جاتی ہے، کم سے کم چیز پر خوش رہتی ہے اور ان سب سے بڑھ کر مرد اس سے دلی طور پر اتنا گھل مل جاتا ہے کہ اس کی محبت دل میں گھر کر لیتی ہے اور اس طرح مرد نظر اور خیالات کی بدکاری سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

مرد اگر خود دوسری شادی کر رہا ہو یا زیادہ عمر کا ہو تو کمسن لڑکی سے اس کی شادی بے جوڑ ہوگی اور فقہائے کرام کی رائے آپ پڑھ آئے ہیں کہ انہوں نے نوجوان لڑکی کی شادی بوڑھے مرد کے ساتھ کرنے سے منع کیا ہے، اس لیے ایسے معمر ومسن مرد کو بیوہ ہی سے شادی کرنا چاہیے کہ میاں بیوی میں نباہ ہو سکے۔

بیوہ سے شادی عہد نبوی اور عہد صحابہ میں:

پھر اس کے علاوہ خود ذات بابرکت رحمت عالم ﷺ کی زندگی میں اس کا عملی نمونہ ہے

کہ آپ ﷺ نے ایک کے سوا باقی تمام شادیاں بیوہ عورتوں ہی سے کیں اپنی بعض صاحبزادیوں کی جو بیوہ ہوگئی تھیں، شادی کرائی۔ جلیل القدر خلفاء اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تاریخ پڑھیں تو معلوم ہو گا کہ ان حضرات نے بیوہ عورتوں سے کس کثرت سے شادیاں کیں، صحابیات کی زندگی پڑھیں گے تو دیکھیں گے کہ انہوں نے خاوندوں کی وفات کے بعد دوسری، تیسری شادیاں کیں۔

ان واقعات کو عرض کر کے بتانا یہ ہے کہ اگر بیوہ سے شادی کرنا کوئی ناپسندیدہ بات ہوتی، تو خود عہد نبوی و عہد صحابہ میں ان بیواؤں سے کیسے شادی کی جاتی۔ پس معلوم ہوا کہ بیواؤں سے شادی کوئی ناپسندیدہ فعل نہیں بلکہ ایک کار ثواب ہے اور شرعی نقطہ نظر سے ایک پسندیدہ عمل ہے۔

شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا

اسلام نے عفت وعصمت کے تحفظ کے لیےاس کی بھی اجازت دی ہے کہ ممکن ہوتو بغیر کسی خاص اہتمام کے عورت کو شادی سے پہلے دیکھا بھی جاسکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

((اِذَا خَطَبَ اَحَدُکُمُ الْمَرْاَۃَ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مَا یَدْعُوْہُ اِلٰی نِکَاحِھَا فَلْیَفْعَلْ)) ①

”تم میں سے جب کوئی عورت کو پیام نکاح دے اور وہ اس چیز کے دیکھنے پر قدرت رکھتا ہو جو اس عورت کے نکاح کی طرف داعی ہوتو اس کو ایسا کرنا چاہیے۔“

معلوم ہوا نکاح سے پہلے مہذب اور شرعی طریقہ پر عورت کو دیکھ سکتا ہے تو دیکھ لے تاکہ تذبذب جاتا رہے اور شادی کرنے میں عورت کی طرف سے جو شکوک وشبہات ہیں وہ دور ہو جائیں۔ آئندہ کے لیے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ عورت کے متعلق کوئی ایسی بات کہنے کا موقع نہیں رہے گا جس سے عورت کی سبکی ہو اور اس طرح مقاصد نکاح بحسن وخوبی بروئے کار آسکیں گے۔ گو یہ ضروری نہیں ہے کہ خود ہی دیکھے، کوئی دوسرا دیکھ لے اور اس کے بیان پر اعتماد ہوتو یہی کیا جائے۔ مزید اس حدیث سے بات معلوم ہوئی کہ عورت کے متعلق جو معلومات حاصل

---

① ابو داؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل ینظر اِلی المرأۃ وھو یرید تزویجھا: ۲۰۸۲۔ یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ ارواء الغلیل: ۱۷۹۱۔ السلسۃ الصحیحۃ: ۹۹۔

کرنا چاہے، کرسکتا ہے۔ دین، جمال، خاندان، خوشحالی اور اس طرح کی دوسری باتیں تاکہ اطمینان حاصل کیا جاسکے۔

دیکھنے کے لیے مشورۂ نبوی:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شادی کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے دیکھ لیا ہے؟'' حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اُنْظُرْ اِلَیْھَا فَاِنَّہٗ اَحْرَی اَنْ یُّوْدَمَ بَیْنَکُمَا))[1]

''اس عورت کو دیکھ لو، اس لیے کہ یہ باہمی تعلقات کی استواری کے لیے زیادہ مناسب ہے۔''

یہ فرمان نبوی واضح ثبوت ہے کہ جس عورت سے شادی ہونے والی ہے اس کو دیکھنا گر فرض نہیں تو مستحب ضرور ہے۔ ترمذی نے بھی لکھا ہے اور بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ عورت کو شادی سے پہلے دیکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ اس کا وہ حصہ نہ دیکھا جائے جس کا دیکھنا حرام ہے اور یہی مذہب امام احمد رحمہ اللہ اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ پھر امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَمَعْنٰی اَنْ یُّوْدَمَ بَیْنَکُمَا قَالَ اَحْرٰی اَنْ تَدُوْمَ الْمَوَدَّۃُ بَیْنَکُمَا))

'' اَنْ یُّوْدَمَ بَیْنَکُمَا'' کے معنی ہیں کہ تم میں پائیدار محبت رہ سکے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جس نے کسی عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کیا تھا، پوچھا:

((اَنَظَرْتَ اِلَیْھَا ؟))

---

[1] ترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی النظر الی المخطوبة : ۱۰۸۷۔ ابن ماجه : ۱۸٦٥۔ ابن حبان : ٤٠٤٣۔

''کیا تو نے اس کو دیکھ لیا ہے۔''

اس نے نفی میں جواب دیا تو آنحضرت ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ اس نے دیکھا نہیں ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّ فِیْ اَعْيُنِ الْاَنْصَارِ شَيْئًا))[1]

''جاؤ! اس عورت کو دیکھ لو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ (عیب) ہے۔''

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح:

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس عورت کو دیکھنا جس سے شادی کرنے کا ارادہ کیا جائے، مستحب ہے۔ یہی ہمارا شافعی مذہب ہے اور یہ ہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور تمام کوفیین کا مذہب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور جمہور علماء کا بھی۔ قاضی نے جو ایک قوم کی کراہت کا قول نقل کیا ہے وہ غلط ہے اور اس صریح حدیث کے خلاف اور اجماع امت کے مخالف ہے۔''

آگے لکھتے ہیں:

''پھر ہمارا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس دیکھنے میں عورت کی رضا شرط نہیں ہے، بلکہ بغیر اطلاع عورت کی غفلت پا کر بھی اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔ عورت سے طلب اذن کی بھی شرط نہیں ہے، عورت سے بغیر اجازت حاصل کیے اسے دیکھا جاسکتا ہے، اجازت کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے اور اس طرح کے معاملہ میں عورت کو اجازت دینے میں حیا بھی دامنگیر ہوا کرتی ہے اور معاملہ دھوکا کا ہے یقینی نہیں ہے۔ کیونکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ عورت کو

---

[1] مسلم، کتاب النکاح، باب ندب من اراد نکاح امرأة الی ان ینظر الی وجهها و كفيها قبل خطبتها: ۱۴۲۴۔

دیکھا جاتا ہے اور وہ پسند نہیں آتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والا......شادی نہیں کرتا ہے۔تو وہ اگر اجازت کے حصول کے بعد دیکھا جائے اور شادی نہ کی جائے تو اس کو اس سے اذیت اور دلی تکلیف ہوگی اور اگر بغیر اطلاع دیکھ لی گئی اور اس سے شادی نہ کی گئی تو یہ فعل اس کے لیے موجب اذیت نہ ہوگا کیونکہ اس کو علم ہی نہیں اور اسی وجہ سے ہمارے اصحاب (شوافع) کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ شادی کا پیغام بھیجنے سے پہلے ہی دیکھ لیا جائے تا کہ اگر پسند نہ آئے تو بغیر کسی تکلیف دیے ہوئے معاملہ ختم ہو جائے، بخلاف اس صورت کے کہ پیام نکاح کے بعد دیکھی جائے اور پسند نہ آنے پر چھوڑ دی جائے۔ ہمارے اصحاب (شوافع) کا قول ہے کہ اگر خود ممکن نہ ہو تو کسی ایسی عورت کو اسے دیکھنے کے لیے بھیجا جائے جس پر اعتماد اور وثوق ہو تا کہ وہ آ کر صحیح صحیح خبر دے اور یہ سب نکاح کی بات چیت کرنے سے پہلے ہونا چاہیے۔''①

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا لَقِیَ اللّٰهُ فِیُ قَلُبِ امُرِءٍ خِطُبَةَ امُرَأَةٍ فَلا بَأُسَ اَنُ یَّنُظُرَ اِلَیُهَا))②

''اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کے دل میں کسی عورت سے شادی کرنے کی خواہش ڈال دے تو اس کے لیے اس عورت کو دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔''

دیکھنے میں اخلاص واعتدال:

ان تمام حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اچھا ہے۔خواہ خود اپنی آنکھوں سے ہو یا کسی معتمد عورت کے ذریعہ ہو، اس سے بڑی حد تک اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے اور شادی کرنے میں شکوک وشبہات

---

① شرح مسلم نووی: ۱/ ٤٥٦، ٤٥٧۔

② ابن ماجه، کتاب النکاح، باب النظر الی المرأة اذا اراد ان یتزوجها: ۱۸٦۳۔

اور شیطانی وساوس پیدا نہیں ہوتے۔ پھر اس سلسلہ کے ابتدائی فتنے سر اٹھانے نہیں پاتے۔ البتہ لازمی شرط یہ ہے کہ اخلاص ہو، دیکھنے سے منشا فتنہ پیدا کرنا نہ ہو۔ فقہائے کرام بھی دیکھنے کو جائز کہتے ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((قَالُوْا يَجُوْزُ النَّظَرُ اِلَى الْمَخْطُوْبَةِ كَيْلَا يَنْجَرُّ الْاَمْرُ اِلَى الْفَسَادِ وَ قَالُوْا يُخْلِصُ النِّيَّةَ عِنْدَ اِبْتِدَاءِ النَّظَرِ ثُمَّ يُفَوِّضُ الْاَمْرَ اِلَى اللّٰهِ))①

''فقہائے کرام نے کہا ہے کہ جس سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کو دیکھنا جائز ہے تاکہ معاملہ فساد برپا نہ کرے اور یہ بھی کہا ہے کہ دیکھتے وقت نیت میں خلوص ہو، پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔''

شادی سے پہلے دیکھنا مستحب ہے:

اب یہ سوال کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا کیسا ہے، اس باب میں عموماً مستحب کے قائل ہیں۔ جسے وہ ندب کے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں۔ صرف مولانا ثناء اللہ پانی پتی کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ انہوں نے سنت سے تعبیر کیا ہے مگر مقصد ایک ہی ہے، چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

((سُنَّ لِلْخَاطِبِ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَى وَجْهِ الْمَخْطُوْبَةِ وَكَفَّيْهَا قَبْلَ النِّكَاحِ اِجْمَاعًا))②

''شادی کرنے والے کے لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ نکاح سے پہلے (عورت) مخطوبہ کو دیکھ لے، مخطوبہ کا چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا بالاتفاق جائز ہے۔''

فقہ کی کتابوں میں عام طور پر ندب ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے:

---

① العرف الشذی، باب النظر الی المخطوبۃ: ص ۳۹۰۔

② تفسیر مظہری: سورۃ النساء۔

((يَنْدُبُ اِعْلَانُهٗ ......وَ النَّظْرُ قَبْلَهٗ))[1]

''نکاح کا اعلان اور نکاح سے پہلے دیکھنا مستحب ہے۔''

((وَيَنْدُبُ نَظْرُ الزَّوْجِ اِلٰى زَوْجَتِهٖ قَبْلَ الْعَقْدِ وَ اِنْ خَافَ الشَّهْوَةَ))[2]

''عقد سے پہلے شوہر کا بیوی کو دیکھنا مستحب ہے گو شہوت کا خوف ہو۔''

حدیثیں جو نقل کی جا چکی ہیں وہی بنیاد ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس پر عمل تھا، وہ بھی شادی سے پہلے عورت کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا خود بیان ہے کہ میں نے ایک عورت کو شادی کا پیغام دیا اور میں نے چھپ کر اسے دیکھنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہوگیا اور دیکھنے کے بعد اس میں کچھ ایسی باتیں دیکھیں کہ میں نے اس سے شادی کر لی۔[3]

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری نسبت ایک عورت سے ٹھہری، میں نے چھپ کر اسے دیکھنے کی کوشش کی، بالآخر ایک دن میں نے اسے اس کے باغ میں دیکھ لیا۔ ان کی اس حرکت پر بعض نے اعتراض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہوکر ایسا کرتے ہیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔[4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ میں آپ کی لڑکی ام کلثوم سے شادی کا ارادہ رکھتا ہوں اور اس روایت کے اخیر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے ان کو دیکھ لیا تھا۔[5]

---

① در مختار: ۲/۱۔

② الکواکب المشرقة: ۳۔

③ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل ینظر الی المرأة وھو یرید تزویجھا: ۲۰۸۲۔

④ ابن ماجه، کتاب النکاح، باب النظر الی المرأة اذا اراده ان یتزوجھا: ۱۸۶۴۔

⑤ نداء للجنس: ۱۱۱۔

دیکھنے کا شرعی طریقہ:

مگر یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ہمارے یہاں دیکھنے کی اجازت ضرور ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں وہ رواج بھی ہمارے یہاں جائز ہے جو غیر قوموں میں ہے کہ شادی سے پہلے ہونے والے میاں بیوی ایک مدت تک بیباکی کے ساتھ ملی جلی زندگی گزارتے ہیں اور عشق ومحبت کی وادی طے کرکے نکاح کی منزل پر پہنچتے ہیں۔ یہ طریقے اسلام میں قطعاً جائز نہیں ہیں۔ ابھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے دیکھنے کا واقعہ نقل کیا گیا ہے، اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام میں دیکھنے کی کیا نوعیت تھی۔ پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ اسلام میں شریف عورت کا تمام جسم ستر ہے سوائے چہرہ اور ہتھیلی یا زیادہ سے زیادہ قدم بھی ان تین (چہرہ، ہتھیلی، قدم) کے سوا عورت کے لیے جسم کے دوسرے حصہ کا کھولنا غیر مرد کے سامنے جائز نہیں ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ آئندہ معلوم ہوگا، تو بس ہمارے یہاں اسی حد تک دیکھنا چاہیے۔[1]

دیکھنے میں تجسس جائز نہیں، یہ بھی ضروری نہیں کہ عورت کو علم ہو کہ مجھے دیکھا جا رہا ہے۔ مرد کو مخطوبہ کے متعلق یقین کے ساتھ کسی طرح ضروری معلومات مل جانی چاہییں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا جائز ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

((ثُمَّ اِنَّمَا يُبَاحُ لَهُ النَّظْرُ اِلٰى وَجْهِهَا وَ كَفَّيْهَا فَقَطْ لِاَنَّهُمَا لَيْسَا بِعَوْرَةٍ وَ لِاَنَّهُ لِيَسْتَدِلَّ بِالْوَجْهِ عَلَى الْجَمَالِ وَ بِالْكَفَّيْنِ عَلٰى

---

① مصنف کی اس بات سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عورت کا سارا جسم ہی غیر مرد کے لیے ستر ہے۔ یہاں تو صرف ایک شرعی ضرورت کے تحت اس کے ہاتھ یا چہرہ دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر کے ہاتھوں کی انگلیاں دیکھ کر ہی اپنی آنکھوں کو بند کر لیا تھا۔
(محمود الحسن اسد)

خُصُوبَةِ الْبَدَنِ اَوْ عَدَمِهَا)) ①

''مرد کے لیے جائز ہے کہ مخطوبہ (جس سے شادی کا ارادہ ہے) کا چہرہ اور ہتھیلی دیکھ لے کہ یہ دونوں ستر میں نہیں ہیں اور اس لیے کہ چہرہ سے خوبصورتی معلوم ہو جائے گی اور ہتھیلی سے بدن کی تروتازگی کا اندازہ ہو جائے گا۔''

یہ بالکل درست ہے کہ چہرہ دیکھ کر آدمی عورت کی تراش خراش کا بڑی حد تک اندازہ لگا سکتا ہے، خوبصورتی و بدصورتی چہرہ سے عیاں ہو جاتی ہے بلکہ آدمی ذرا ذہین ہو تو صرف چہرہ سے اس کی زندگی کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ قدرت نے چہرہ کو ظاہری بدن کا قلب بنایا ہے اور اگر اسے آلہ باطن نما کہا جائے تو غلط نہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا ثناء اللہ پانی پتی کا قول پہلے نقل کیا جا چکا ہے، وہ بھی کہتے ہیں کہ نکاح سے پہلے مخطوبہ کا چہرہ اور اس کی ہتھیلی دیکھ لی جائے، حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ باقی قدمین، اس کا فقہاء نے بعض شرعی بنیاد پر اضافہ کیا ہے۔

گو اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ مخطوبہ کا کونسا اور کتنا حصہ دیکھا جائے۔ چہرہ اور ہتھیلی پر تو اجماع ہے، اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مواضع لحم کو دیکھا جائے گا اور داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ غلیظ حصوں کے سوا تمام بدن کا دیکھنا جائز ہے۔ ②

آپ آگے پڑھیں گے کہ شریعت اسلام میں پہلی نظر کی اجازت ہے، دوبارہ دیکھنا جائز نہیں، اس کی قطعاً اجازت نہیں کہ کوئی مرد اجنبی عورت سے تنہائی میں ملے اور بات چیت کرے، البتہ بوقت ضرورت لوگوں کے سامنے مل سکتا ہے۔ یہ اور اس طرح کی بہت ساری ہدایات آپ وہاں پڑھیں گے۔ ان کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں دیکھنے

---

① شرح مسلم: ۱/ ۴۵۶۔

② الجنس اللطیف: ص ۱۱۱۔ تفسیر مظهری سورة النساء : ۲۔

کی گو اجازت ہے مگر ضروری حد تک اور اعتدال کے ساتھ۔ اس سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ عورت کو اس کے گھر میں اس کے رات دن کے لباس میں دیکھ لے گا اور بس، پھر شرط یہ ہے کہ نگاہ پاکیزہ ہو اور دل میں کوئی روگ نہ ہو۔

((قَالُوْا يُخْلِصُ النِّيَّةَ عِنْدَ اِبْتِدَاءِ النَّظْرِ ثُمَّ يُفَوِّضُ الْاَمْرَ اِلَى اللّٰهِ))[1]

''شروع میں دیکھتے وقت نیت مخلص ہو پھر معاملہ اللہ کے سپرد ہو۔''

ان قوانین سے اسلام کا منشا یہ ہے کہ شادی میں ان تمام ضروری امور کا لحاظ رکھا جائے جس کی وجہ سے آئندہ ملی جلی زندگی میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہونے پائے اور مقاصد نکاح اس رشتہ سے پوری طرح ادا ہوں۔

عشق و محبت علامہ رشید رضا مصری کے تجربہ کی روشنی میں:

علامہ رشید رضا مصری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات بالکل درست ہے کہ میں تیس چالیس سال سے عورت کے متعلق اور زن وشوئی تعلقات پر کام کر رہا ہوں۔ اس سلسلہ میں بہت سی قدیم وجدید کتابیں، رسالے اور اخبارات پڑھنے پڑے اور اس مسئلہ پر اپنی تفسیر ''المنار'' میں بہت کچھ لکھ بھی چکا ہوں مگر با ایں ہمہ اہل مغرب و مشرق کے اس قول کے غلط ہونے کا اعتقاد رکھتا ہوں کہ ''زن وشوئی تعلقات کی خوشگواری کا دارومدار اس بات پر ہے کہ شادی سے پہلے ہونے والے میاں بیوی میں تعارف ہو اور ہر ایک کو دوسرے سے عشق ہو۔''

مشاہدات نے اس بات کی غلطی آشکارا کر دی ہے اور یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ نوجوانوں کا باہمی عشق و محبت شادی کے بعد عموماً ختم ہو جاتا ہے اور اہل عرب کا یہ قول بالکل صادق آتا ہے: ((اَلزَّوَاجُ يُفْسِدُ الْحُبَّ)) ''شادی پہلی محبت کی بنیاد ہلا دیتی ہے۔'' زن وشوئی تعلقات کی خوشگواری کے لیے صحیح قاعدہ وہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا تھا جس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی اور اپنے شوہر کے متعلق کھل کر کہا

---

[1] العرف الشذی : باب النظر الی المخطوبة: ص ۳۹۰۔

تھا کہ میں:

”اس سے طبعی محبت نہیں کرتی ہوں۔یعنی میرے دل میں اس کی طبعی محبت جاگزیں نہیں ہوتی ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اس عورت سے فرمایا، اگر عورتوں میں سے کسی عورت کو اپنے شوہر سے طبعی محبت نہ ہو تو اس عورت کو چاہیے کہ یہ بات اپنے شوہر سے نہ بیان کرے کیونکہ بہت کم ایسے گھر ہیں جن کی بنیاد طبعی محبت پر ہوتی ہے، لوگ باہمی زندگی حسب اور اسلام پر بسر کیا کریں۔یعنی میاں بیوی میں ہر ایک اس بات کا التزام کرے کہ ایک دوسرے کے شرف ومجد کا لحاظ کرے اور اسلام نے زن وشوئی تعلقات کے سلسلہ میں جو ضروری ذمہ داریاں، آداب اور فرائض عائد کیے ہیں ان کو نباہنے اور بجا لانے کی سعی کرے ،بس اسی طریقہ سے زندگی کی خوشگواری نصیب ہوسکتی ہے۔[①]

یہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ دل میں جتنی محبت پاتا ہے ، اظہار اس سے زیادہ کا کرے تاکہ اس طرح بتدریج محبت دلوں میں جاگزیں ہو جائے اور باہمی زندگی اطمینان وسکون اور مسرت وانبساط سے نباہ دے۔

---

① نداء للجنس اللطیف :ص ۱۱٤۔

بلوغ کے بعد شادی کا حکم اور دیگر ہدایات

اسلام نے عفت وعصمت کے ان تمام لوازمات کو اپنی تعلیمات میں سمو دیا ہے جن سے عفت وعصمت کی بنیادیں استوار ہوں اور پاکبازی اور پاکدامنی کا ماحول فراہم ہوجائے، ساتھ ہی کہیں سے کوئی ایسا رخنہ پیدا ہونے کا موقع نہیں دیا ہے جس سے شیطانی وسوسے راستہ پاسکیں اور انسان کو عفت وعصمت کی مٹی پلید کرنے پر آمادہ کرسکیں۔

یوں تو اسلام نے اجازت دے رکھی ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے ہی لڑکا اور لڑکی کا نکاح کیا جاسکتا ہے اور جوانی کا ہنگامی دور آنے سے پہلے ہی ایسا رشتہ قائم کیا جا سکتا ہے جو مرد اور عورت کے خیالات کو بھکنے سے روک دے اور اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ابتدائے بلوغ میں بھی جب سوچیں گے تو دونوں جائز ہی محبت اور رشتہ داری پر سوچیں گے۔

بلوغ کے بعد شادی کی تاکید:

مگر بلوغ کے بعد تو اسلام نے یہ قانون بنا دیا ہے کہ جلد سے جلد شادی ہوجانی چاہیے کہ یہ دور شباب کا ہے، امنگ کا زمانہ ہے اور جنسی خواہشات کے ابھرنے کا موقع ہے، آدمی میں اس عمر میں گو مستقبل پر غور کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے مگر وہ جذبات کے نیچے دبی ہوئی ہوتی ہے، عموماً کم ہی لوگ عمر کے اس حصہ میں نفع ونقصان سوچنے کی زحمت برداشت کرتے ہیں، اس لیے اگر عمر کے اس نازک ترین حصہ میں قانونی نگرانی نہ کی جائے تو راہ راست سے دور ہٹ جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ اس لیے خصوصیت سے نوجوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ))[1]

”اے نوجوانو! تم میں جو اسباب جماع پر قادر ہو اس کو شادی کر لینی چاہیے۔“

شباب کا زمانہ بلوغ کے بعد شروع ہوتا ہے اور بتیس برس کی عمر تک رہتا ہے اور بعض کے نزدیک تیس برس کی عمر تک۔

((قَالَ الزَّمَخْشَرِيُّ اَنَّ الشَّبَابَ مِنْ لَّدُنِ الْبُلُوْغِ اِلٰى اثْنَيْنِ وَثَلَاثِيْنَ وَ قَالَ النَّوَوِيُّ الْاَصَحُّ الْمُخْتَارُ اَنَّ الشَّبَابَ مِنْ بُلُغٍ وَ لَمْ يُجَاوِزِ الثَّلَاثِيْنَ ثُمَّ كُهلٍ اِلٰى اَنْ يُّجَاوِزَ الْاَرْبَعِيْنَ ثُمَّ هُوَ شَيْخٌ هٰكَذَا فِيْ فَتْحِ الْبَارِيّ))[2]

”زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ شباب بلوغ سے بتیس سال کی عمر تک ہے اور نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صحیح یہ ہے کہ شباب بلوغ کے وقت سے لے کر تیس برس کی عمر تک ہے، تیس سے چالیس سال تک کہل (ادھیڑ پن) ہے چالیس کے بعد شیخ (بڑھاپا) ہے۔“

بال سفید ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، یہ مزاجوں کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتا ہے۔ اس تفصیل سے مقصد یہ ہے کہ بلوغ کے فوراً بعد اسلام نے شادی کرنے کا مطالبہ کیا ہے اور منشا یہی ہے کہ عمر کے اس ہنگامہ خیز زمانہ میں انسان غلط راستے پر پڑ کر عفت وعصمت کے دامن کو داغدار کرنے نہ پائے۔

لڑکے اور لڑکی کی شادی کا بار والدین پر:

اس عمر میں عموماً انسان والدین کی زیر نگرانی ہوتا ہے، شادی کا سامان خود فراہم کرنا چاہیے

---

① بخاری، کتاب النکاح ،باب قول النبی صلی اللہ علیہ و سلم من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج :٥٠٦٥۔

② مفتاح الحاجۃ حاشیۃ ابن ماجه : ص ١٣٤۔

تو اکثر انسان فراہم نہیں کرسکتا۔حیا وشرم الگ دامن گیر ہوتی ہے،جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ضرورت محسوس کرنے پر والدین سے کہنے کی جرأت نہیں ہوتی اور ایسے زمانہ میں عفت وعصمت کبھی کبھی خطرہ میں گھر جاتی ہے۔اس لیے پیغمبر اسلام ﷺ نے اس عمر کی شادی کی ذمہ داری والدین پر ڈالی ہے۔فرمان نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنِ اسْمَهٗ وَ اَدَّبَهٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَ لَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُهُ عَلٰى اَبِيْهِ))[1]

''جس شخص کے بچہ ہو اس کو چاہیے کہ بچے کا اچھا نام رکھے،تعلیم وتربیت دے اور جب وہ بالغ ہوجائے تو اس کی شادی کردے،بلوغ کے بعد اگر باپ نے شادی نہیں کی اور اس سے گناہ ہوگیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے۔''

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں،پہلی بات یہ کہ لڑکے لڑکی کو تعلیم وتربیت دے جو اس کی آئندہ زندگی میں رہبر کا کام دے اور اس کے دل میں خشیت الٰہی کی پرورش کرے تاکہ یہ گناہ کے کاموں سے بچے اور دور رہے،دوسری بات یہ کہ جونہی بالغ ہو باپ اس کی شادی کردے،تاخیر اور تساہل سے کام نہ لے،کیونکہ اگر والدین کی عدم توجہی سے تاخیر ہوئی اور اس اثنا میں اس سے گناہ سرزد ہوگیا تو والدین بھی گناہ سے نہ بچ سکیں گے۔

دوسری حدیث میں لڑکی کے متعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قَالَ فِی التَّوْرَاةِ مَكْتُوْبٌ مَنْ بَلَغَتْ اِبْنَتَهُ اِثْنَتَیْ عَشْرَةَ سَنَةً وَ لَمْ يُزَوِّجْهَا فَاَصَابَتْ اِثْمًا فَاِثْمُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ))[2]

---

① بیهقی فی شعب الایمان : ۸۶۶۶۔ یه روایت ضعیف هے۔ السلسلة الضعیفة : ۷۳۸۔ هدایة الرواة : ۳/ ۲۶۱۔

② بیهقی فی شعب الایمان : ۸۶۷۰۔ شیخ البانی نے اس روایت کے موقوف هونے کو ترجیح دی هے۔ ارواء الغلیل : ۱۸۶۲۔

”تورات میں لکھا ہے کہ جس کی لڑکی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اس کی شادی نہ کرے اور اس کی لڑکی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ گناہ اس شخص (باپ) پر ہوگا۔“

ان دونوں حدیثوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی بالغ ہو گئے تو والدین پر ذمہ داری ہے کہ جلد سے جلد ان کی شادی کر دیں، خود لڑکا اور لڑکی پر بھی ذمہ داری ہے کہ شادی کرنے میں ٹال مٹول نہ کرے۔ وقت آئے تو فوراً تیار ہو جائے اور والدین کا بھی فریضہ ہے کہ لڑکے لڑکی کی شادی وقت پر کر دیں مگر ان کی رائے معلوم کر کے تاکہ رشتہ مضبوط ہو سکے۔

شادی کی اہمیت:

والدین پر تاکید جتانے اور مسئلہ کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر وقت پر شادی نہ ہوئی اور والدین نے اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کیا اور اس کی وجہ سے لغزش ہوگئی اور لڑکے یا لڑکی میں سے زنا یا دواعی زنا کا ارتکاب ہوگیا تو گناہ کا ایک حصہ والدین کا بھی ہوگا اور مرتکب معصیت تو گناہ میں ڈوب ہی جائے گا۔

رشتۂ ازدواج میں استواری:

رشتۂ ازدواج کے انعقاد میں اسلام نے اس کا بھی خیال رکھا ہے کہ رشتہ مضبوط سے مضبوط بنیاد پر قائم ہو، تاکہ آئندہ چل کر اس میں ضعف واضمحلال نہ پیدا ہونے پائے، اسی وجہ سے شریعت نے اس کا لحاظ رکھا ہے کہ جو دو اجنبی شادی کے رشتہ سے آپس میں مل رہے ہیں وہ دونوں اپنے عقائد واعمال، طرز معاشرت اور مسلک و مذہب میں ایک جیسے ہوں۔ اسی بنیاد پر مشرک مرد وعورت سے مسلمان مرد وعورت کی شادی کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کی یہ آیت: ﴿لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ جو مشرک کے ساتھ نکاح کی

حرمت کو واضح کرتی ہے، کے ضمن میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مشرکین اور مشرکات جن کا اوپر ذکر ہوا، ان کے اقوال، ان کے افعال، ان کی محبت، ان کے ساتھ اختلاط کرنا شرک کی نفرت اور اس کی برائی کو دل سے کم کرتا ہے اور شرک کی طرف رغبت کا باعث ہوتا ہے، جس کا انجام دوزخ ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ نکاح کرنے سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔''①

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اس آیت میں مصلحت بیان کی گئی ہے کہ مسلمان جب کفار و مشرکین کے ساتھ صحبت اختیار کریں گے اور کافروں اور مسلمانوں میں مواسات کا تعلق ہوگا اور بالخصوص جب یہ تعلقات ازدواج کے طور پر ہوں گے تو دین میں فساد کا پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے اور پھر کفر کا شعوری اور غیر شعوری طور پر قلب میں اثر انداز ہونا بھی لازمی امر۔''②

یہ تو دینی نقصانات ہیں، دنیاوی طور پر نقصان یہ ہے کہ اختلاف دین کی صورت میں محبت اور پیار کی زندگی پروان نہیں چڑھ سکتی، خوشگواری کا پیدا ہونا مشکل ہے بلکہ تلخیوں کی خلیج وسیع ہوتی جائے گی جس کے نتائج میں بہت ممکن ہے عفت وعصمت خطرے میں گھر جائے یا سرے سے مقاصد نکاح ہی انجام پذیر نہ ہوسکیں۔

مسئلہ کفایت:

اس مودت ومحبت اور خوشگواری کی وجہ سے خود مسلمانوں میں بھی بعض چیزوں میں کفو کا اعتبار کیا گیا ہے، مثلاً یہ کہ نیکوکار عورت کی شادی بدکار مرد سے یا نیکوکار مرد کی شادی بدکار عورت سے نہ کی جائے گی۔ قرآن پاک نے بتایا:

---

① موضح فرقان بر حاشیہ قرآن پاک: ص۴۳۔

② حجۃ اللہ البالغۃ: ۱۲۳/۲۔

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (النور:۳)

''زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا سوائے زانیہ یا مشرکہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا سوائے زانی یا مشرک کے اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ زنا کار مرد اور زنا کار عورت نیک مرد اور نیک عورت کے کفو نہیں ہیں کیونکہ عملی طور پر ان دونوں میں بڑا فرق ہوگا ،میل ملاپ ہونے کی امید بہت کم ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن میں کہا گیا ہے:

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ (السجدۃ:۱۸)

''کیا ایمان لانے والا (پستی و ذلت کے)اس درجہ میں ہوگا جس درجہ میں نافرمان ہے؟ ہرگز دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔''

مال میں کفو کا تقریباً اعتبار نہیں ہے، صرف امام شافعی رحمہ اللہ مالی کفو کے قائل ہیں ،مگر تجربات کی روشنی میں یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو پیار اور محبت میں حائل ہو یوں تو کبھی کبھی ثروت و دولت بھی باعث فساد ہو جایا کرتی ہے۔

نسبی کفو زیادہ قابل اعتماد نہیں:

نسب میں بھی بعض ائمہ نے کفو کا اعتبار کیا ہے۔غالباً عقلی مصالح ان کے پیش نظر تھے۔ تجربہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خاندانوں کے معاشرتی اختلافات کی وجہ سے مختلف پیچیدگیاں عملی زندگی میں پیدا ہوتی ہیں لیکن جہاں تک مسئلہ کی دینی حیثیت ہے بقول ابن حجر کفو نسبی کے معتبر ہونے میں کوئی بھی صحیح حدیث نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ایسے آثار و روایات کا ذخیرہ کتابوں میں پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوت میں صحابہ میں نسبی کفو کو کسی

قسم کی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔

بخاری نے "باب الاکفاء فی الدین" کے عنوان کے نیچے دو ایسے واقعات نقل کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نسبی کفو کا اعتبار نہ تھا۔ پہلا واقعہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے جو بدری صحابی ہیں کہ انہوں نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ، جو ایک انصاری عورت کے آزاد کردہ غلام تھے کی شادی اپنی بھتیجی ہند بنت ولید رضی اللہ عنہا کے ساتھ کی اور یہ ہند رضی اللہ عنہا مہاجرات میں سے ہیں۔

دوسرا واقعہ ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا کا نقل کیا ہے کہ ان کی شادی حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی، حالانکہ ضباعہ رضی اللہ عنہا اپنے نسب کے اعتبار سے بہت اونچی تھیں۔ ①

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ نسب میں کفو معتبر نہیں ہے اور اس میں شدت اختیار کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے، اللہ تعالیٰ نے خاندان اور قبائل کو دنیا میں باہمی تعارف کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴿١٣﴾ (الحجرات: ۱۳)

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلاشبہ تم میں سے وہی زیادہ معزز ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرتا ہو۔"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴿١٠﴾ (الحجرات: ۱۰)

"بلاشبہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

نسبی کفو کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور آپ کے عہد کا عمل:

یہ اور اسی طرح کی دوسری آیتیں مسلمانوں کی باہمی مساوات کو ظاہر کرتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

① بخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین: ۵۰۸۸، ۵۰۸۹۔

نے اس مسئلہ کو مزید اجاگر کیا ہے۔ ترمذی کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ اگر تمہارے پاس پیغام نکاح وہ بھیجیں جن کا اخلاق اور دین تم کو پسند ہے تو اس سے شادی کر لو، کیونکہ دین اور اخلاق کے ماسوا کوئی دوسری چیز کو بنیاد بناؤ گے تو روئے زمین میں فتنہ وفساد کے چشمے ابل پڑیں گے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ آلَ بَنِیْ فُلَانٍ لَیْسُوْا لِیْ بِاَوْلِیَاءَ اِنَّ اَوْلِیَائِیَ الْمُتَّقُوْنَ حَیْثُ کَانُوْا وَ اَیْنَ کَانُوْا))[1]

”بنی فلاں کی اولاد میرے اولیاء نہیں ہیں، میرے اولیاء متقی لوگ ہیں جہاں ہوں اور جس طرح کے ہوں۔“

پھر یہ بات بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے زینب بنت جحش قرشیہ رضی اللہ عنہا کی شادی اپنے آزادکردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کی۔[2] فاطمہ بنت قیس فہریہ رضی اللہ عنہا کی شادی زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کی۔[3] حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ سے ہوئی۔[4]

اس طرح کے واقعات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے کہ نسب میں برابری کی کتنی اہمیت

---

① زادالمعاد:٤/٢٤

صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہیں: ((انما ولی اللہ وصالح المؤمنین))”بلاشبہ میرا دوست اللہ اور نیک مسلمان ہے“(بخاری، کتاب الادب ،باب تبل الرحم ببلالها :٥٩٩٠) اور سنن ابی داؤد میں یہ الفاظ ہیں ((وانما اولیائی المتقون)) ”بیشک میرے دوست متقی وپرہیزگار لوگ ہیں۔“(ابو داؤد،کتاب الفتن والملاحم ،باب ذکر الفتن ودلائلها: ٤٢٤٢)۔

② الاصابه لابن حجر:٤٦٨۔

③ مسلم،کتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها :١٤٨٠۔ ابوداؤد : ٢٢٨٤۔ ترمذی:١١٣٥۔

④ دارقطنی:٢٠٧۔

باقی رہ جاتی ہے۔اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ کفو کے مسئلہ میں سختی اختیار نہ کی جائے۔

نکاح کا اعلان:

اسلامی قوانین عفت میں تمام فتنہ وفساد کے سرچشموں کو بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے، معاشرہ کے اندر جس چیز سے بداخلاقی نشو ونما پاسکتی ہے حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے اس کو بند کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نکاح کا اعلان بڑی حد تک ضروری سمجھا ہے کیونکہ اگر نکاح کا اعلان نہ ہو تو اس راستہ سے فتنوں کے سر اٹھانے کا اندیشہ رہتا ہے۔پہلی بات تو یہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ واضح طور پر نکاح اور ناجائز تعلقات کے درمیان فرق کرنے والی کوئی حد ضرور ہونی چاہیے تا کہ کوئی شک شبہ تک باقی نہ رہے اور آدمی ذہنی گمراہی میں مبتلا نہ ہو۔

اوپر اشارہ کر آیا ہوں کہ نکاح کی صحت کی شرط یہ بھی ہے کہ کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کی گواہ ہوں جو نکاح کی مجلس میں موجود ہوں اور ایجاب وقبول اس طرح ہو کہ گواہ سن سکیں اور بہتر یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ آدمی شریک ہوں۔چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَ اجْعَلُوْهُ فِی الْمَسَاجِدِ وَ اضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ))[1]

''اس نکاح کا اعلان کرو اور نکاح مسجد میں کرو اور اس پر دف بجاؤ (تا کہ خوب اعلان ہو جائے)۔''

مسجد میں نکاح کا ایک بڑا فائدہ اعلان کا حصول بھی ہے، جہاں آزادی کے ساتھ ہر

---

[1] ترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی اعلان النکاح : ۱۰۸۹۔ ''اعلان نکاح'' کے الفاظ کے سوا باقی روایت کے الفاظ ضعیف ھیں ۔(ضعیف ترمذی۔ارواء الغلیل:۱۹۹۳۔السلسلة الضعیفة : ۹۷۸۔

خاص وعام آسکے، کسی کو پہنچنے میں کوئی اعتراض باقی نہ رہے اور دف بجانے کا مقصد اعلان کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اسلام میں فضول لہو ولعب کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَرَامِ وَ الْحَلَالِ الدَّفُّ وَ الصَّوْتُ))①

"حلال اور حرام میں حد فاصل (نکاح کی) شہرت اور دف ہے (کہ لوگوں کو خبر ہو)۔"

اعلان کی ضرورت:

واقعہ یہ ہے کہ اگر نکاح کا اعلان ضروری قرار نہ دیا جائے تو پھر لوگ چوری چھپے اور ناجائز آشنائی کو بھی نکاح کی صف میں لاکر ملادیں اور اس طرح ایک چور دروازہ قائم ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں اسی وجہ سے سختی کے ساتھ روکا ہے کہ عفت مقصود ہو صرف ہوس رانی نہ ہو۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک میں ایک جملہ لاکر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ نکاح اعلان کے ساتھ ہونا چاہیے، ارشاد ربانی ہے:

وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَٰلِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَٰفِحِينَ (النساء: ٢٤)

"وہ مرد پارسا ہو، محض اس شہوت پوری کرنا مقصد نہ ہو اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والا۔ عورتیں پاکباز ہوں صرف شہوت پوری کرنا مقصد نہ ہو اور نہ چھپے چوری آشنائی کرنے والیاں۔"

ان آیات میں معجزانہ پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے اور اعلان کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے۔

نکاح کی شہرت بذریعہ دعوت ولیمہ:

نکاح کے اعلان کی ایک اور صورت اختیار کی گئی ہے جس کی دلچسپی اور پاکیزگی کا ہر ایک

① ترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی اعلان النکاح : ۱۰۸۸۔ یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔

کو اعتراف کرنا پڑتا ہے، وہ یہ ہے کہ عورت کے پاس شب باشی کے بعد دعوت ولیمہ مستحب ہے۔ حدیثوں میں دعوت ولیمہ کی خاص تاکید آئی ہے خود ذات بابرکت ﷺ نے بھی اس دعوت کا اہتمام کیا ہے اور لوگوں کو ولیمہ کا کھانا کھلایا ہے۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے جب آپ نے عقد کیا تو بکری ذبح کی اور اس کے گوشت سے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی دعوت ولیمہ کی۔ ① حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو حَیس پکوایا اور لوگوں کو کھلایا۔ ②

حَیس ایک خاص طرح کا عربی کھانا ہوتا ہے جو کھجور، پنیر اور گھی کو ملا کر بنتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض ازواج مطہرات میں اور کچھ فراہم نہ ہوسکا تو دو مد جو سے دعوت کی۔

صحابہ کرام کو بھی دعوت ولیمہ کی تاکید فرمائی۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَوْلِمْ وَ لَوْ بِشَاۃٍ)) ③

''(مجھ سے) نبی کریم ﷺ نے فرمایا، دعوت ولیمہ کرو، گو ایک ہی بکری سے کرو۔''

بعض لوگوں نے اسی وجہ سے اس دعوت کو واجب کہا ہے مگر صحیح یہی ہے کہ سنت ہے یا مستحب، جس کو جو میسر ہو اس سے دعوت ولیمہ کرے، کچھ لوگوں کو بھی کھلانے سے ولیمہ ہو جائے گا۔ اسلام کی یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ قرض لے کر یا سود پر رقم لے کر ضرور دعوت ولیمہ کرے۔

دعوت ولیمہ کا قبول کرنا:

اور پھر غور فرمایے، دعوت ولیمہ کا ایک طرف حکم ہے اور دوسری طرف جن لوگوں کو دعوت ملے ان کو حکم ہے کہ ضرور دعوت ولیمہ میں شریک ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلٰی وَلِیْمَۃِ عُرُسٍ فَلْیُجِبْ)) ④

---

① بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ لا تدخلوا بیوت النبی ﷺ ......الخ : ۱۴۲۸۔

② بخاری، کتاب النکاح، باب الولیمۃ ولو بشاۃ : ۵۱۶۰۔ مسلم : ۱۳۶۵۔

③ بخاری، کتاب النکاح، باب الولیمۃ ولو بشاۃ : ۵۱۶۷۔

④ ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب اجابۃ الداعی : ۱۹۱۴۔

''شادی میں جب کسی کو دعوت ولیمہ دی جائے تو اس کو قبول کرنا چاہیے۔''

مفلس کو بھی دعوت دی جائے:

پھر تاکید نبوی ہے کہ دعوت ایسی نہیں ہونی چاہیے کہ مالداروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے، بلکہ بھوکوں اور غریبوں کو بھی بلایا جائے۔ارشاد نبوی ہے:

((شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيُمَةِ يُدْعىٰ لَهَا الْاَغْنِيَاءُ وَ يُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَ مَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ)) [1]

''بدترین کھانا، ولیمہ کا وہ کھانا ہے جس میں مالدار بلائے جائیں اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے اور جس نے دعوت ولیمہ میں (باوجود دعوت کے) شرکت نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔''

ان حدیثوں کو سامنے رکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس دعوت کی کتنی اہمیت ہے، اس میں اظہار خوشی کے ساتھ ساتھ ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ نکاح کی خوب شہرت ہوتی ہے اور کسی کو شک وشبہ کا موقع نہیں ملتا۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اعلان اور شہرت کا بڑی حد تک مقصد یہی ہے کہ عفت وعصمت کی پوری طرح حفاظت کی جائے اور کوئی اس راستہ سے ناجائز طور پر عفت وعصمت کی مٹی پلید کرنے نہ پائے اور نہ نکاح کا نام لے کر کوئی بدنیت کوئی دوسری کارروائی کر سکے اور ساتھ ہی جائز نکاح کے سلسلہ میں کسی کے دل میں شکوک وشبہات نہ رہ جائیں۔

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله و رسوله: ٥١٧٧۔ مسلم: ١٤٣٢۔

جائز لطف اندوزی کی آزادی

شادی ہوجانے کے بعد اسلام نے اس کا پورا موقع دیا ہے کہ شوہر بیوی سے اور بیوی شوہر سے دستور کے مطابق لطف اندوز ہوں، اس سلسلہ میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ بھی باقی نہیں رکھی گئی ہے اور نہ دوسروں کی رکاوٹ برداشت کی گئی ہے۔ باہمی لطف اندوزی میں دن رات کی کوئی قید نہیں، گرمی سردی کا کوئی سوال نہیں، بہار و خزاں کی کوئی شرط نہیں، برسات اور غیر برسات کی کوئی بات نہیں اور نہ کسی غیر شرعی مداخلت کی گنجائش ہے۔

صرف سال کے کچھ حصوں میں ممانعت:

پورے سال میں ایک مہینا رمضان کا آتا ہے جس میں روزہ دونوں پر فرض ہے اور حالت روزہ میں صحبت کی اجازت نہیں ہے، پھر بھی باہم گفتگو اور دلچسپی کی باتوں کی ممانعت نہیں کی گئی ہے۔ بہر حال ممانعت کا تعلق صرف روزے کی حد تک ہے، افطار کے بعد تو رمضان میں بھی آزادی عطا کی گئی۔ خود قرآن ہی میں صراحتاً فرما دیا گیا ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ ٱلصِّيَامِ ٱلرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ (البقرة: ١٨٧)

”روزوں کی راتوں میں تمہارے لیے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔“

اس آیت میں رمضان کی رات کا نام لیا گیا ہے۔ ایک دوسری آیت میں تذکرہ ہے کہ

غروب آفتاب کے بعد میاں بیوی کے لیے ہم بستری جائز ہے۔ یہ اجازت ایسی ہے کہ کھانے پینے کی عام اجازت ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (البقرۃ:۱۸۷)

''سو تم ان کے پاس جاؤ اور جو تمہارے لیے تجویز کر دیا ہے اس کا سامان کرو اور کھاؤ پیو،اس وقت تک کہ تمہارے لیے سفید دھاگا (صبح کی روشنی) سیاہ دھاگا (رات کے اندھیرے) سے واضح ہو جائے۔''

رمضان کے علاوہ نفلی روزہ کے لیے عورت کو حکم ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے کہ کسی بھی وقت اس کو بیوی کی حاجت ہو سکتی ہے۔

حیض ونفاس:

دو مواقع اور ہیں جن میں عورت قدرتی گندگی میں مبتلا رہتی ہے،ایک حیض کا وقت ہے جو خون غیر حاملہ کو ہر مہینا آیا کرتا ہے،جس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے اور کم سے کم تین دن ،دوسرا نفاس کا زمانہ ہے کہ عورت جب بچہ جنم دیتی ہے تو اس کے بعد مسلسل کئی ہفتے اس کو خون آتا رہتا ہے۔اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس یوم ہے اور کم کے لیے کوئی خاص مدت معین نہیں ہے۔ ان دنوں میں بھی صحبت کرنے سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ یہ گندگی کا زمانہ ہے، طبعًا ایسے وقت میں عورت کے پاس جانے سے نفرت ہوتی ہے۔ دوسرے مہلک امراض کے پیدا ہونے کا بھی خطرہ رہتا ہے۔قرآن پاک نے اس کا تذکرہ کیا ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ

(البقرۃ:۲۲۲)

''لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ وہ گندی چیز ہے پس تم حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں ، پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہوجائیں تو ان کے پاس آؤ جاؤ جس جگہ سے اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے۔''

اس حیض ونفاس کے بعد پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہے،ان چند دنوں میں عورتیں آرام کر کے تازہ دم ہوجاتی ہیں اور حیض کے بعد ان میں حمل کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ان مواقع کے علاوہ اگر کوئی شرعی قباحت پیش نہیں آگئی ہے تو ہر وقت زن وشو باہم مل سکتے ہیں اور تسکین نفس حاصل کر سکتے ہیں، اس سے زیادہ آزادی اس باب میں اور کیا مل سکتی ہے!

عورتوں سے تمتع کا بلیغ بیان:

قرآن پاک نے زن وشو کے باہمی تعلقات کے لیے جو عنوان اختیار کیا ہے وہ بڑا ہی بلیغ اور دونوں کے باہمی داعیات فطرت کی تکمیل کے لیے جو طرز تعبیر مقرر کیا ہے وہ بہت ہی مہذب اور پاکیزہ ہے۔ابھی ابھی سورۂ بقرہ کی آیت گزری ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴿١٨٧﴾ (البقرۃ:١٨٧)

''وہ (عورتیں) تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔''

اس آیت میں ہر ایک کو دوسرے کے لیے پوشاک قرار دیا گیا ہے ۔عورت مرد کی عفت وعصمت کی حفاظت کرتی ہے اور مرد عورت کے ناموس کو بربادی سے بچاتا ہے۔اسی طرح عورت مرد کے لیے زینت ہے اور مرد عورت کے لیے لباس ہے کہ جس طرح جب جی چاہتا ہے لباس زیب تن کر لیتا ہے،یہی حال زن وشو کا ہے کہ ہر ایک دوسرے سے جس وقت چاہیں مل سکتے ہیں،اس میں محبت اور یگانگت کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے جو ازدواجی تعلق کی جان ہے۔''لباس'' کے لفظ میں یہ ساری باتیں مندرج ہیں۔ایک دوسری آیت میں

عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ (البقرۃ: ۲۲۳)

’’تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیت ہیں، سو اپنے کھیت میں جس طرف سے ہو کر چاہو، آؤ۔‘‘

اغلام بازی کی حرمت:

عورت مرد کے لیے بمنزلہ کھیتی ہے، اس کھیتی سے مرد کو متمتع ہونے کا حق ہے، اسی لیے عورت سے جو اولاد ہوتی ہے وہ بھی باپ ہی کی کہی جاتی ہے۔ اس آیت میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ دوران صحبت کسی خاص شکل یا ہیئت کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ البتہ ’’حرث‘‘ یعنی کھیتی کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ پیداواری کی حدود تک یہ حکم محدود ہے۔ اسی وجہ سے اغلام حرام ہے کیونکہ یہ انسانی تخم کی بربادی ہے نہ کہ اس کی کاشت۔ مذکورہ بالا آیت سے بعضوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے ’’حرث‘‘ ہی کا لفظ کافی ہے۔ ماسوا اس کے کہ صحیح حدیثوں میں گزر چکا کہ غیر فطری استعمال خواہ بیوی ہی کے ساتھ ہو قطعی حرام ہے۔ قرآن نے ایک دوسری جگہ اس کی صراحت کی ہے کہ عورت کی اگلی طرف میں ہی آنا چاہیے:

فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ (البقرۃ: ۲۲۲)

’’تم ان کے پاس آؤ جاؤ جس جگہ سے تم کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔‘‘

اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ حکم صرف کاشت والی جگہ ہی کا ہے اس حصہ میں نہیں جو حیوان بھی پسند نہیں کرتا اور جس کی وجہ سے آدمی انسانیت کو پامال کرتا ہوا جانوروں سے بھی نیچے گر جائے، بھلا اس کو اسلام کیسے جائز رکھ سکتا ہے۔ حدیث میں کھلے طور پر اس سے روکا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَتٰی حَائِضًا اَوِ امْرَأَۃً فِیْ دُبُرِھَا اَوْ کَاھِنًا فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ)) ①

''جو شخص حائضہ کے پاس آئے یا کسی عورت سے اغلام کرے یا کسی کاہن کے پاس آئے اس نے دین محمد ﷺ کا انکار کر دیا۔''

((لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی رَجُلٍ اَتٰی رَجُلًا اَوِ امْرَأَۃً فِی الدُّبُرِ)) ②

''جو شخص کسی مرد سے اغلام کرے یا کسی عورت سے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔''

((مَنْ اَتَی النِّسَآءَ فِیْ اَعْجَازِھِنَّ فَقَدْ کَفَرَ)) ③

''جن لوگوں نے عورتوں سے اغلام کیا وہ کافر ہو گئے۔''

اس مسئلہ کے بعض پہلوؤں کا ذکر آگے اپنے محل پر کیا جائے گا۔

پیار و محبت:

میاں بیوی کے تعلقات کو قرآن نے محبت اور پیار کی زندگی سے تعبیر کیا ہے اور سکون وطمانیت کی زندگی بتایا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی اہم نشانیوں میں زن وشو کے تعلق کو ایک اہم نشانی قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ﴿٢١﴾ (الروم: ٢١)

''اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے جوڑا

---

① ترمذی، کتاب الطھارۃ، باب ما جاء فی کراھیة اتیان الحائض: ١٣٥۔

② ترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی کراھیة اتیان النساء فی ادبارھن: ١١٦٥۔

③ المعجم الاوسط للطبرانی: ٩١٧٩۔

پیدا کیا تا کہ تم ان کے پاس چین حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان پیار اور مہربانی رکھی۔“

ایک دوسری آیت میں اس ملی جلی پر سکون زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔رب العزت کا فرمان ہے:

هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ﴿١٨٩﴾ (الأعراف: ١٨٩)

”وہی ذات ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا، تا کہ وہ اس سے چین حاصل کرے۔“

یہ اور اس طرح کی دوسری آیتیں ہیں جو زن وشوئی تعلقات کو عمدہ پیرایہ میں بتاتی ہیں اور انسان کی رہنمائی کرتی ہیں کہ انسان اپنے ان پاک طریقوں سے اپنی جنسی خواہشوں کی تسکین کرے اور روحانی بے چینی کا مداوا تلاش کرے، اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو جوڑا پیدا کیا کہ تنہائی کی بے چینی میں دوسرا غمگسار بنے اور اس طرح دونوں مطمئن زندگی گزار سکیں۔

بیوی بچوں کی محبت اور اس پر تنبیہ:

بیوی بچے انسان کو طبعًا اتنے محبوب ہوتے ہیں کہ انسان کبھی ان میں الجھ کر اللہ تعالیٰ کے فرمان بھول جاتا ہے، لذت ومسرت اور کیف وانبساط کی خوشگوار زندگی میں محو ہوجاتا ہے اور یہ دولت وراحت جس مالک نے عطا کی ہے اس کی یاد سے غفلت طاری ہوجاتی ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو تنبیہ فرمائی اور آگاہ کیا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّ مِنْ أَزْوَٰجِكُمْ وَأَوْلَٰدِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَٱحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِن تَعْفُوا۟ وَتَصْفَحُوا۟ وَتَغْفِرُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤﴾ (التغابن: ١٤)

''اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویاں اور اولا د تمہارے دشمن ہیں سو ان سے بچتے رہو اور اگر معاف کردو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

''اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں گم ہو کر اللہ کو اور اس کے احکام کو بھلا دیتا ہے، ان تعلقات کے پیچھے کتنی برائیوں کا ارتکاب کرتا اور کتنی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے۔ بیوی اور اولاد کی فرمائشیں اور رضا جوئی اسے کسی وقت دم نہیں لینے دیتیں۔ اس چکر میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے جو اہل وعیال اتنے خسارہ اور نقصان کا سبب بنیں، وہ حقیقتاً دوست نہیں کہلا سکتے بلکہ بدترین دشمن ہیں، جن کی دشمنی کا احساس بھی بسا اوقات انسان کو نہیں ہوتا، اس لیے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ان دشمنوں سے ہوشیار رہو اور ایسا رویہ اختیار کرنے سے بچو جس کا نتیجہ ان کی دنیا سنوارنے کی خاطر اپنا دین برباد کرنے کے سوا کچھ نہ ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں سب بیویاں اور ساری اولاد اسی قماش کی ہوتی ہے، بہت اللہ کی بندیاں ہیں جو اپنے شوہروں کے دین کی حفاظت کرتی اور نیک کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں اور کتنی ہی سعادت مند اولاد ہے جو اپنے والدین کے لیے باقیات وصالحات بنتی ہیں۔''[1]

---

① تفسیر موضح فرقان بر حاشیہ قرآن پاک: ص ۷۲۲۔

شوہر کے فرائض واختیارات

اس جائز لطف اندوزی کے برقرار رہنے اور رشتۂ ازدواج کی استواری کے لیے اسلام نے کچھ حقوق اور احکام بیان کیے ہیں اور ان کے اوپر عمل پیرا ہونے کی تاکید کی ہے۔ یہ ایک مسلم بات ہے کہ دو اجنبی جو نکاح کے رشتہ سے مل رہے ہیں الگ الگ دل و دماغ اور فکر و عمل رکھتے ہیں، بسا اوقات دونوں کی طرز معاشرت میں بھی کسی نہ کسی درجہ میں فرق ہوتا ہے۔ اس لیے دونوں میں کلی موافقت پہلی ملاقات ہی میں ہو جانا ایک بعید از قیاس بات ہے۔ پھر عورت و مرد کے دماغی توازن میں یکسانیت بھی غیر ممکن ہے، دونوں کی فطرت میں بھی قدرت نے کچھ خاص عادات و اخلاق مرکوز رکھے ہیں، ان ساری باتوں کو پیش نظر رکھ کر اسلام نے مرد کو عورت کے تعلقات کے سلسلہ میں کچھ ضروری ہدایات دی ہیں اور کچھ اختیارات سپرد کیے ہیں اور اسی طرح عورتوں کے کچھ فرائض و اختیارات ہیں۔ یہاں پہلے شوہر کے فرائض و اختیارات کا اجمالی بیان ہوگا۔

صبر و تحمل:

زندگی کے کسی موڑ پر میاں بیوی میں کشیدگی کا پیدا ہونا کوئی حیرت انگیز واقعہ نہیں ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں شیطان کو بہکانے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے اور اس سے ''عفت و عصمت'' کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، پھر اس وقت اور بھی جبکہ عورتیں نازک طبع، تند خو اور تلون مزاج ہوتی ہیں۔ اس لیے اسلام میں ان حقائق و واقعات سے چشم پوشی اختیار نہیں کی

گئی ہے۔عورتوں کی فطری کمزوریوں کو پیش نظر رکھ کر مردوں کو اس سلسلہ میں مفید ہدایات دی گئی ہیں، تاکہ زن وشو کی باہمی زندگی میں ناخوشگواری نہ آنے پائے اور اگر عورتوں کے کسی قول وفعل سے ان کو اذیت پہنچے تو ایسے موقع پر صبر وتحمل سے کام لیا جائے۔ارشاد ربانی ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾ (النساء:19)

''اور ان عورتوں کے ساتھ حسن وخوبی سے گزر بسر کرو اور اگر تم کو وہ ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک چیز ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔''

اس آیت میں ایک جامع ہدایت ربانی ہے کہ مردوں کو اگر ان کی بیویاں ناپسند ہوں اور طبیعت کے تقاضے کے خلاف معلوم ہوں تو ایسے وقت جذبات کی جگہ عقل سے کام لینا چاہیے اور ناگواری کو برداشت کرنا چاہیے، کیونکہ یہ کوئی عجوبہ نہیں ہے کہ انسان کو اپنی افتاد طبع کی وجہ سے ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں کوئی منفعت مضمر ہو، جو اس کے لیے دین ودنیا دونوں میں خیر وبرکت کا باعث ہو اور سب سے اہم حکیمانہ نکتہ وہ ہے جس کی طرف اس ارشاد نبوی میں اشارہ کیا گیا ہے:

((لَا يَفْرَكُ مُؤمِنٌ مُؤمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنهَا اٰخَرَ))[1]

''کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت کو اس لیے مبغوض نہ رکھے کہ اس کی کوئی عادت ناگوار لگتی ہے، اس لیے کہ اگر ایک عادت ناپسند ہے تو اس کی کوئی دوسری عادت پسندیدہ ہوگی۔''

اور یہی واقعہ ہے کہ برے پہلوؤں کے ساتھ بھلائی کے پہلو بھی عموماً عورت میں پائے جاتے ہیں۔پس چاہیے کہ آدمی برائیوں کی تلافی بھلائی کے پہلوؤں سے کرتا رہے۔

---

[1] مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصية بالنساء:١٤٦٧۔

سرور کائنات کی وصیت:

سید الکونین ﷺ نے عورتوں کی طبعی وفطری کمزوری کی نشاندہی فرماتے ہوئے مردوں کو ہدایت فرمائی:

((وَ اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَ اِنَّهٗ اَعْوَجُ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهٗ كَسَرْتَهٗ وَ اِنْ تَرَكْتَهٗ لَمْ يَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ))[1]

"تم وصیت قبول کرو کہ عورتوں سے بھلائی کرو گے، کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اوپر والا ہے، لہٰذا تم اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ کے لیے کجی رہ جائے گی ،اس لیے عورتوں کے متعلق نصیحت قبول کرو۔"

اس حدیث میں بتایا گیا کہ ٹیڑھا پن عورتوں کی سرشت میں داخل ہے ،اس سے جدا نہیں ہوسکتا۔ ہاں ان کی ضروری حد تک اصلاح ہوسکتی ہے اور وہ بھی پیار اور محبت سے ،اس لیے اس کی تو کوشش ہی نہ کی جائے کہ وہ بالکل سیدھی ہو جائے اور ہر چیز اور ہر کام میں مرد کی موافقت کرے۔ کیونکہ دونوں کی طبیعت دو طرح پیدا کی گئی ہے۔ اگر کسی نے غلط فہمی سے ایسی کوشش کی تو اطمینان کی بجائے بلا ہی سامنے آئے گی۔ ہاں اس سے غافل بھی نہیں ہونا چاہیے کہ عورت اپنی من مانی کارروائی پر اتر آئے۔ کیونکہ میاں بیوی کے درمیان جو تعلقات ہیں وہ بہت گہرے ہیں، گھر کا سارا نظام دونوں کی مصالحت اور اتحاد عمل میں مضمر ہے۔ عورت زندگی کی ساتھی ہے اس سے ایک لمحہ کے لیے بھی ہم بے نیاز نہیں ہوسکتے ۔اگر باہر کا سارا نظام مرد درست رکھتا ہے تو گھر کا سارا اندرونی نظام عورت کے ہاتھ میں ہے۔ گھر میں کھانے پینے کا نظم ،بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت اور اس طرح کی دوسری تمام چیزیں عورت سے تعلق

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب الوصاة بالنساء :٥١٨٦۔

رکھتی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میاں بیوی میں یگانگت اور موافقت نہ ہو اور زندگی کی گاڑی تیز رفتاری سے رواں دواں ہو۔ جس نے کہا سچ کہا کہ ''مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے لیے دو پہیے ہیں۔'' بغیر ان کی آپس کی دوستی اور اتحاد عمل کے یہ گاڑی نہیں چل سکتی۔

اوپر والی حدیث کے سلسلہ میں صاحب فتح الباری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی تھیں، اس وقت حضرت آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، اس لیے آپ کو اس کی خبر نہ ہوئی۔

رفق وملاطفت:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری نے اس باب کے بعد یہ باب باندھا ہے: ''باب قوله قوا انفسكم واهليكم نارا'' جس کا منشاء یہ ہے کہ عورتوں کو ان کی حالت پر نہیں چھوڑنا چاہیے، بلکہ نرمی سے بتدریج اصلاح کی سعی پیہم کرنی چاہیے کہ مرد پر اس قدر اصلاح کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ نیز حدیث مذکور میں اس طرف رہنمائی کی گئی ہے کہ عورتوں کے ساتھ مدارات اور ملاطفت کا برتاؤ ناگزیر ہے جو دلوں میں محبت والفت کا باعث ہو، پھر ساتھ ہی یہ تدبیر بھی ہے کہ عورتوں کی بہت سی باتوں سے عفو ودرگزر کیا جائے اور ان کی بدخلقی پر صبر وتحمل سے کام لیا جائے۔

بات سمجھنے کی ہے کہ عورت میں جب پیدائشی طور پر ٹیڑھا پن ہے تو اس کا بالکلیہ استیصال کیسے ممکن ہے۔ ہاں محبت اور نرمی سے اس کی اصلاح بقدر ضرورت ہوسکتی ہے، جس میں کوئی اشکال نہیں۔ نرمی اور محبت سے سمجھانے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کو اپنا پورا اعتماد دے کر بتایا جائے کہ تم اپنے مقام کو پہچانو، تمہاری ذرا سی لغزش سے اتنے فتنے اٹھ سکتے ہیں۔ اس بات سے تمہارے خاندانی وقار کو بھی ٹھیس لگے گی اور تمہارے پیارے شوہر کے لیے بھی یہ ضرر رساں ثابت ہوگی۔ اگر بیوی دیندار اور غیرت مند ہے تو یہی پہلو اختیار کیا جائے۔ الغرض عورت کے مزاج کا لحاظ بہرحال ضروری ہے۔

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے مرد کو تحمل مزاجی کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

((اَلْمَرْأَۃُ کَالضِّلَعِ اِنْ اَقَمْتَھَا کَسَرْتَھَا وَ اِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِھَا وَ فِیْھَا عِوَجٌ))①

''عورت پسلی کی ہڈی کی طرح ٹیڑھی ہے اگر اس کو سیدھا کرو گے تو توڑ ڈالو گے اور اگر فائدہ اٹھانا چاہو گے تو اس کی کجی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکو گے۔''

اس سے واضح روایت مسلم شریف کی ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّ الْمَرْأَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِیْمَ عَلٰی طَرِیْقَۃٍ فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِھَا اسْتَمْتَعْتَ بِھَا وَ عِوَجٌ وَ اِنْ ذَھَبْتَ تُقِیْمُھَا کَسَرْتَھَا وَ کَسْرُھَا طَلَاقُھَا))②

''عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، بالکل سیدھی ہرگز نہیں ہوگی، اس سے فائدہ کے حصول کی خواہش ہو تو اس کی کجی کے ساتھ فائدہ حاصل کر سکتے ہو اور اگر بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور اس کو توڑنا اس کو طلاق دینا ہے۔''

عورت کی تلون مزاجی:

تجربات کی دنیا میں ان حدیثو ں کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ ہم اپنی زندگی میں مشاہدات کرتے ہیں کہ عموماً عورتیں ضدی، اپنی بات پر اڑ جانے والی اور درشت خو ہوتی ہیں، پھر ان کو کسی حالت پر بھی قرار نہیں۔ خوش رہیں تو سراپا امتنان وتشکر اور اگر خفا ہوجائیں تو ناشکری کی آخری سرحد بھی پار کر جائیں۔ سورج گرہن والی حدیث میں عورتوں کے متعلق آنحضرت ﷺ کا یہ قول موجود ہے:

---

① بخاری، کتاب النکاح، باب المداراۃ مع النساء: ۵۱۸۴۔

② مسلم: کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء: ۱۴۶۶۔

((یَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ وَ یَکْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰی اِحْدٰھُنَّ الدَّھْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَیْئًا قَالَتْ مَا رَأَیْتُ مِنْكَ خَیْرًا قَطُّ))[1]

''عورتیں شوہروں کی ناشکر گزار ہوتی ہیں اور ان کے احسان کی منکر، تم اگر ان کے ساتھ زندگی بھر احسان کرو پھر اگر کوئی بات تمہاری طرف سے ان کی طبیعت کے خلاف ہوگئی تو بول اٹھیں گی کہ میں نے کبھی تم سے کوئی بہتری نہیں دیکھی۔''

مرد ایک ایک بات پر اگر دارو گیر شروع کر دے تو نباہ مشکل ہوجائے، مرد میں نسبتاً ضبط وتحمل کا مادہ زیادہ ہوتا ہے، اس لیے اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ اگر کوئی باہمی زندگی میں نازک موقع آجائے تو صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دے۔عورت اس معاملہ میں کمزور ہے۔

جدید تحقیقات اور عورت :

فرید وجدی آفندی نے ''المرأۃ المسلمۃ'' نامی کتاب میں عورت کے مزاج کے متعلق کافی بحث کی ہے۔مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کا ترجمہ اور تلخیص کی ہے، جس کا نام ''مسلمان عورت'' رکھا ہے۔ اس کتاب میں ایک جگہ فرید وجدی نے انیسویں صدی کے انسائیکلوپیڈیا کے حوالہ سے لکھا ہے :

''درحقیقت عورت کی جسمانی ترکیب قریب قریب بچے کی جسمانی ترکیب کے واقع ہوئی ہے، اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ بچے کی طرح عورت کا حاسّہ بھی ہر قسم کے اثر سے بہت جلد اور بہت زیادہ متاثر ہوجاتا ہے۔بچے کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی رنج اور افسوس کا واقعہ پیش آئے تو فوراً رونے لگتا ہے اور اگر کوئی خوشی کی بات ہو تو بے اختیار ہوکر اچھلنے کودنے لگتا ہے۔قریب قریب یہی حال عورتوں کا ہے کہ بہ

---

[1] بخاری، کتاب النکاح ، باب کفران العشیر وھو الزوج وھو الخلیط من المعاشرۃ : ۵۱۹۷۔

نسبت مرد کے بہت زیادہ اس قسم کے جذبات سے متاثر ہوتی ہیں۔کیونکہ یہ مؤثرات اس کے تصور پر اس طرح اثر ڈالتے ہیں کہ عقل کا ان سے لگاؤ نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ ان میں استقلال نہیں ہوتا اور اسی لیے سخت اور خوفناک مواقع پر عورت ثابت قدم نہیں رہ سکتی۔ ①

عورت کے عضلات:

عورت اپنی قوت میں بھی مرد کے مقابل نہیں ہے۔صبر وتحمل کا مادہ اس میں فطرتاً کم ہے۔کیونکہ ضبط اور برداشت کی قوت کا دارو مدار عضلات کی طاقت پر ہے اور عورت کے عضلات نسبتاً کمزور ہوتے ہیں۔ڈاکٹر دوفارینی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے:

''مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو عورت کے جسم کے عضلات مرد کے عضلات سے اس درجہ مختلف ہیں اور حجم اور قوت کے لحاظ سے اول الذکر (عورت) کے عضلات اس قدر ضعیف ہیں کہ اگر ان کی طبعی قوت کے تین حصے کیے جائیں تو دو حصے قوت مرد کے حصہ میں آئے گی اور صرف ایک حصہ قوت عورت میں ثابت ہوگی۔عضلات کی حرکت کی سرعت اور ضبط کا بھی یہی حال ہے۔مرد کے عضلات جسمی عورت کی نسبت حرکت میں زیادہ تیز اور اپنے فعل میں زیادہ قوی ہیں۔''

عورت میں خوبیاں:

مگر اس کے ساتھ ساتھ عورت میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں جو مرد کو بہت بھاتی ہیں اور جن سے مرد کو قلبی سکون واطمینان میسر ہوتا ہے۔اس لیے عورت کے ایک پہلو کی کمزوری سامنے رکھ کر اس کو طعنہ زنی کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے۔

---

① مسلمان عورت

تجربات کی دنیا میں اسے ماننا پڑے گا کہ عورتیں عموماً جفاکش،[1] قناعت پسند، شوہر پر جان چھڑکنے والی، بچوں کی پرورش پر نثار، گھریلو معاملات کی بہتر منتظم اور وفا واخلاص کی پیکر ہوتی ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ عورت میں کمزوری سے زیادہ خیر اور بھلائی کے پہلو پائے جاتے ہیں۔

عورت کی محنت و جفاکشی کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب گردش زمانہ کی وجہ سے مصائب کا ہجوم ہوتا ہے اور اس کا شوہر کسی وجہ سے مصیبت اور تکلیف میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ جدید تحقیق نے بھی اس کو ثابت کردیا ہے۔ علامہ لومبروز لکھتے ہیں:

> ''حمل اور وضع حمل کی شدید تکلیف پر غور کرو اور دیکھو کہ عورت کیسے کیسے آلام اور مصائب کی متحمل ہوسکتی ہے۔ اگر مرد کی طرح اس کا احساس قوی ہوتا تو ان تمام سختیوں کی کیونکر متحمل ہوسکتی۔ درحقیقت نوع انسانی کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ قدرت نے اسے قوی احساس سے محروم رکھا ہے ورنہ بنی نوع انسان کے نازک اور تکلیف دہ فرائض کی انجام دہی ایک غیر ممکن بات ہوجاتی۔''[2]

بلاشبہ یہ صنف نازک، ان کے دل چھوٹے اور نازک ہوتے ہیں، عشوہ و ادا ان کی فطرت ہے، بات بات پر ہنسنے اور خوش ہونے والی بھی ہیں اور ذرا سی خلاف طبیعت بات پر چراغ پا ہونا بھی جانتی ہیں۔ اس لیے مرد کو عورت کی مجموعی حیثیت کا پاس کرتے ہوئے کوئی برتاؤ کرنا چاہیے۔ قرآن پاک میں طلاق دینے کا جہاں تذکرہ کیا گیا ہے وہاں مردوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ عورتوں پر ظلم وتعدی نہ ہونے پائے۔

---

① ھڈی سے عورت کی پیدائش میں شاید اس کی جفاکشی کی طرف بھی اشارہ ھو۔ نیز حسن و جمال میں مرد سے برتری شاید اسی لیے حاصل ھوئی کہ مرد ''حماءٍ مسنون، صلصال کالفخار'' سے پیدا ھوا ھے اور عورت ایک سفید چمکدار چیز سے بنی ۔

② مسلمان عورت: ٤٠ ۔

ظلم وتعدی کی ممانعت:

پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ (البقرة: ۲۳۱)

''اوران کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت رکھو، اس ارادے سے کہ ان پر ظلم کیا کرو گے جو شخص ایسا کرے گا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور حق تعالیٰ کے احکام کو لہو ولعب مت سمجھو۔''

یوں تو یہ آیت طلاق کے سلسلہ میں ہی ظلم وتعدی کی روک تھام کے لیے اتری مگر غور کیا جائے تو اس معجزانہ بیان میں بڑی جامعیت ہے اور عورت کے حالات پر رب العزت نے ترس کھایا ہے اور مردوں کو زیادتی سے روکا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عورت کی تلون مزاجی کو سامنے رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((لَا يَجْلِدُ اَحَدُكُمُ امْرَأَتَهٗ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي اٰخِرِ الْيَوْمِ))[1]

''تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو اس طرح نہ پیٹنے لگے جس طرح غلام کو پیٹا جاتا ہے اور پھر دن کے دوسرے حصے میں جنسی میلان کی تکمیل کے لیے اس کے پاس پہنچے۔''

عورت میں ہیجان:

عورت اس لیے پیدا نہیں کی گئی کہ اسے مارا پیٹا جائے، ہاں اس کی خام عقلی اور ضدی طبیعت کے پیش نظر اسلام نے ضرورتاً خاص حالات میں معمولی تنبیہ کی اجازت دی ہے اور یہ بھی اس وقت جب کوئی چارۂ کار نہ رہے۔ یہ بھی شاید اس لیے کہ نظام حیات میں برہمی نہ آنے پائے اور عورت کی عفت وعصمت محفوظ رہ سکے۔ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب ما یکرہ من ضرب النساء: ۵۲۰۴۔

مزاج میں ہیجان کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔عورت طبعاً زودرنج واقع ہوئی ہے اور مرد میں عقل وفہم زیادہ ہے، اس لیے یہ ضبط وتحمل کی صلاحیت زیادہ رکھتا ہے۔انسائیکلوپیڈیا میں دوفارینی کہتے ہیں:

''یہ اختلاف ان دونوں کے ظاہری ممیّزات سے بالکل مطابق ہے: مرد میں ذکا، فہم اورادراک کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اورعورت میں انفعال اور ہیجان کا جذبہ بڑھا ہوا ہے۔''

ایک ماہرانگریز تروسیہ کا قول ہے:

''عورت کے عصبی ضعف کا یہ نتیجہ ہے کہ تم اس کے مزاج میں مرد کی نسبت ہیجان زیادہ پاتے ہو۔''

زدوکوب کی ممانعت:

عورت کو مار پیٹ سے رحمت عالم ﷺ نے ایک اورموقع پر روکا ہے۔ارشادنبوی ہے:

((لَا تَضُرِبُ ظَعِیُنَتَكَ كَضَرُبِ اُمَیَّتَكَ))①

''اپنی شریک حیات کو لونڈی کی طرح ہرگز نہ مارو پیٹو۔''

ایک دفعہ آنخضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ بیویوں کے حقوق ہم پر کیا ہیں؟اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَنُ تُطُعِمَهَا اِذَا طَعِمُتَ وَ تَكُسُوَهَا اِذَا اكُتَسَیُتَ وَ لَا تَضُرِبِ الُوَجُهَ وَ لَا تُقَبِّحُ وَ لَا تَهُجُرُ اِلَّا فِی الُبَیُتِ))②

''جب تم کھاؤ اس کو کھلاؤ اور جب تم پہنو اس کو پہناؤ نہ اس کے چہرہ پر مارو نہ برا بھلا کہو اور سوائے گھر کے ناراض ہوکر علیحدگی اختیار نہ کرو۔''

---

① ابوداؤد، کتاب الطهارة، باب فی الاستنثار: ۱۴۲۔

② ابوداؤد، کتاب النكاح ، باب فی حق المرأة علی زوجها : ۲۱۴۲۔

یہ ساری تاکید نبی کریم ﷺ اس لیے فرمارہے ہیں کہ بعض موقعوں پر مردوں کو اجازت دی گئی ہے کہ بعض خاص حالات میں عورتوں کو تنبیہ کی جاسکتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مرد اس اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور عورتوں کو ستانے یا اذیت دینے لگیں یا اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں اور غریب عورت کی زندگی بے کیف بناڈالیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کے ساتھ جو برتاؤ اور حسن سلوک کر کے دکھایا، عبرت کے اسباق سے وہ معمور ہے، نازک ترین مواقع میں بھی جسمانی اذیت پہچانے کا خیال بھی شاید نہیں کیا گیا۔

سرزنش کی اجازت اور اس کا مطلب:

حالانکہ قرآن میں ''جسمانی اذیت'' تک کی اجازت خاص حالات میں دی گئی ہے۔ یعنی ارشاد ہوا ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا

[نساء: ۳۴]

''ایسی عورتیں جن کی نافرمانی کا تم کو احتمال ہو، ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہ تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کردیں تو ان پر بہانہ مت تلاش کرو۔''

لیکن پیغمبر اسلام ﷺ کا اسوۂ حسنہ بتا رہا ہے کہ عملی طور پر اس اجازت سے مجبوریوں کے خاص حالات ہی میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ بہر حال قرآن میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کا مطلب ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی کی صورت میں پہلا درجہ یہ ہے کہ مرد عورت کو زبان سے سمجھائے اور منالینے کی کوشش کرے۔ دوسرا درجہ جب زبانی نصیحت بے اثر ہو کر رہ جائے تب حکم دیا گیا ہے کہ اپنی خواب گاہ میں عورت کے ساتھ سونا چھوڑ دے اور علیحدگی کی یہ شکل

بھی جب ناکام ہوجائے تب ((فَاضْرِبُوْهُنَّ)) کی اجازت سے چاہے تو مرد فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن اس ضرب یا مار کی نوعیت کیا ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کی حد بندی کرتے ہوئے فرمایا:

((فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ)) [1]

''ان عورتوں کو مارو اس طرح کہ جسم پر گہرے زخم نہ لگیں۔''

جس کا مطلب یہی ہوا کہ معمولی سرزنش (چاہے گوشمالی کہہ لیجیے) سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں عورتوں کے متعلق ارشادات نبوی ﷺ:

حجۃ الوداع کا تاریخی خطبہ جہاں دوسرے اہم حقائق کا حامل ہے، انہی میں نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا:

((اَلَا وَ اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ لَيْسَ تَمْلِكُوْنَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ اِلَّا اَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اَلَا اِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَآئِكُمْ حَقًّا وَ لِنِسَآئِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَاَمَّا حَقُّكُمْ عَلٰى نِسَائِكُمْ فَلَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُوْنَ وَ لَا يَأْذَنَّ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُوْنَ اَلَا وَ حَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ اَنْ تُحْسِنُوْا اِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَ طَعَامِهِنَّ)) [2]

''سنو! عورتوں کے متعلق بھلائی کا تاکیدی حکم قبول کرو کیونکہ وہ تمہارے یہاں

---

① مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی: ١٢١٨۔

② ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها: ١١٦٣۔

قیدی ہیں، اس کے سوا تم ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو، اگر وہ کھلی ہوئی نافرمانی پر اتر آئیں تو ان کو بستر پر تنہا چھوڑ دو اور معمولی تنبیہ کرو، اطاعت کر لیں تو پھر زیادتی کی ضرورت نہیں۔ سنو! تمہاری عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اور اسی طرح تمہاری عورتوں کے تم پر۔ تمہارے حقوق میں سے یہ ہے کہ وہ ان کو تمہارے بستر پر نہ بیٹھنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ان کو نہ بلائیں جن کا آنا تمہیں پسند نہیں اور تم پر حق ہے کہ تم ان کو کپڑا دینے اور کھانا دینے میں احسان کرو۔''

سچ تو یہ ہے کہ ضرب جس کی اجازت قرآن میں دی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''فاحشہ مبینہ'' ہی کی حد تک اجازت کو محدود رکھا جائے، ماسوا اس خطبۂ نبویہ کے مذکورہ بالا قطعہ کا ایک ایک فقرہ ''زن وشو'' کے باہمی تعلقات کے متعلق بصیرتوں کی دنیا اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

غور کیجیے! ان ہدایات پر جو اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے عورتوں کے متعلق دی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ گھریلو زندگی کے نظام میں مرکزیت پیدا کرنے کے لیے مردوں کو عورتوں پر برتری عطا کی گئی ہے، آخر دونوں کی حیثیت اگر برابر ہو گی تو اقتداری مساوات کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ عائلی زندگی کا شیرازہ منتشر ہوکر رہ جائے، دو بادشاہ ایک اقلیم میں نہیں رہ سکتے۔ اس کے بعد وہی بات یعنی ''فاحشہ'' کی صورت میں زبانی نصیحت، بستر الگ اور اس کے بعد ایسی مار کی اجازت دی گئی ہے جس میں ہڈی وغیرہ نہ ٹوٹے اور گہرا زخم نہ آئے اور پھر دونوں کے حقوق کا بیان ہے، اس میں مرد کو ہدایت ہے کہ پوشاک وخوراک میں حسن سلوک سے پیش آؤ، گھر کا سربراہ بن جانے سے دھوکا نہ کھاؤ کہ جو جی میں آئے کر بیٹھو۔ بلکہ عورتوں کی فطرتی دلچسپیوں کا خیال رکھو، کھانے پینے اور لباس میں ان کے شوق کو پورا کرو، کیونکہ اس باب میں عورتیں تمہاری محتاج ہیں۔

اصول یہ ہے کہ جس شعبۂ زندگی میں آدمی دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اس میں اگر اس کے ذوق کی آسودگی نہیں ہوتی تو اس کو دلی آزردگی ہوتی ہے اور اس کے نازک قلب کو ٹھیس لگتی ہے۔

جاہلیت میں عرب کا یہ جاہلی دستور تھا کہ غیر محرم عورتوں اور مردوں کے میل جول میں کسی قسم کا مضائقہ محسوس نہیں کرتے تھے جیسا کہ آج کل بھی یورپ کی جدید جاہلیت میں دیکھا جا رہا ہے۔

اس حدیث میں ((فَلَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ)) سے اسی طرف اشارہ ہے کہ عورتیں اب پہلی جاہلیت کی رسموں کو ختم کر دیں ''وطی فرش'' سے مراد نفس زنا نہیں ہے کیونکہ یہ تو کلیتاً حرام ہے، پھر مکروہ سمجھنے کا کیا منشا ہوگا؟ اس سلسلہ میں عورتوں پر دوسری ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ گھر میں محرم یا غیر محرم جو بھی داخل ہو، اس کے آنے کے متعلق شوہر کی رائے معلوم کر لی جائے، کسی کو شوہر کی رضا معلوم کیے بغیر یونہی گھر میں نہ آنے دے۔

عورتوں سے حسن سلوک احادیث کی روشنی میں:

رسول اکرم ﷺ نے تعلیم دی کہ مومن کی شان یہ ہے کہ حسن واخلاق کا پیکر اور مروت وحسن کردار کا مجسمہ ہو اور اس شعبہ میں بہترین مسلمان وہ ہے جو اپنے بال بچوں اور بیوی کے لیے اخلاق ومروت میں سب سے اچھا ثابت ہو۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَ خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَآئِكُمْ))[1]

''ایمان میں کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور تم میں بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لیے بہترین ثابت ہوگا۔''

اس حدیث میں صراحت ہے کہ کامل اور بہترین مومن کی شناخت یہ ہے کہ حسن سلوک میں سب سے اچھا اپنی بیوی کے ساتھ ہو۔ یہ طرز بیان بتاتا ہے کہ مردوں کو اپنی بیویوں کے

---

① ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها : ١١٦٢۔

حق میں سراپا محبت وشفقت ہونا چاہیے اور بیوی کی ہر جائز دلدہی کرنی چاہیے۔ الغرض بیوی کے ساتھ جو اپنے آپ کو اچھا ثابت کرنے میں کامیاب ہو۔ بتایا گیا ہے کہ یہی مرد کی فطرت کی نیکی کی دلیل ہے، ورنہ کچھ دیر کے لیے مصنوعی طور پر تو بد سے بدتر آدمی بھی ثابت کر دیتا ہے کہ وہ بڑا نیک ہے۔ لیکن بیوی کی دائمی رفاقت اصل فطرت اور افتاد طبع کو تباہ کر دیتی ہے اور یہی مرد کی فطرت کی حقیقی کسوٹی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی پیاری بندیوں کو مارنے پیٹنے سے اجتناب کرو۔''[1]

عرب جہاں عورتوں کو جانوروں سے زیادہ اہمیت نہ تھی، مردوں کے جو جی میں آتا تھا ان کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے مار پیٹ تو معمولی بات تھی، لیکن اسلام کا سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی سارے ظالمانہ قصے ختم ہو گئے، عورتوں کی جان میں جان آئی۔

صدیوں کی مظلومیت سے خلاصی کا ردعمل، جیسا کہ ہونا چاہیے تھا، وہ بھی سامنے آیا، جس کا پتہ اس روایت سے چلتا ہے جس میں ہے کہ ایک دن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''عورتیں اپنے شوہروں کے مقابلہ میں جری ہو گئی ہیں۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مذکورہ بالا فرمان کی سختی میں نرمی آ گئی۔ مگر مردوں نے اس ''نرمی'' سے معلوم ہوتا ہے، ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کیا، جس کی شکایتیں دربار نبوت میں پہنچنے لگیں۔ انہی شکایتوں کو سن کر آنحضرت ﷺ نے ایک دن یہ اعلان فرمایا:

((لَقَدْ طَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ نِسَآءٌ كَثِيْرٌ يَشْكُوْنَ اَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ اُولٰئِكَ بِخِيَارِكُمْ))[2]

---

① ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی ضرب النساء: ٢١٤٦، ابن ماجه: ١٩٨٥۔

② ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی ضرب النساء: ٢١٤٦۔

"بہت سی عورتوں نے محمد ﷺ کے گھر والوں کو گھیر لیا، جو اپنے شوہروں کی شکایت کر رہی ہیں، ان کے شوہر اچھے لوگ نہیں ہیں۔"

اچھے نہ ہونے کی خبر اور وہ بھی پیغمبر کی زبان سے اپنے متعلق کون برداشت کر سکتا تھا، جیسا کہ چاہیے تھا، معاملہ حد اعتدال پر آ گیا اور مقصود بھی یہی تھا۔

حضور ﷺ اپنی ازواج مطہرات میں:

زندگی کے آخری حصہ میں یعنی وفات سے آٹھ نو سال پہلے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس امہات المومنین کا اجتماع دوسرے مصالح کے ساتھ ساتھ "زن و شو" کے باہمی تعلقات کا عملی درس، یہ بھی اس کی بڑی غرض تھی۔ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَ اَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ وَ اِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوْهُ))①

"تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے بہتر ہے اور خود میں اپنے اہل و عیال کے لیے سب سے بہتر آدمی ہوں اور جب تمہاری رفیقۂ حیات مرجائے تو اس کے لیے دعا کرو۔"

اس میں بھی اسی راز کا انکشاف کیا گیا ہے کہ وقتی طور پر اپنے آپ کو نیک بنا کر پیش کرنا یہ کوئی بات نہیں ہے، نیکی اور بھلائی تو وہی ہے جو بال بچوں کے تعلقات میں نمایاں ہو۔ بہرحال عمل کر کے یہی دکھایا جاتا تھا اور زبان مبارک سے بھی فرمایا جاتا تھا:

((اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَ اَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ))②

---

① ترمذی، کتاب مناقب، باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۳۸۹۵۔ الصحیحۃ: ۲۸۵۔ اس کی سند صحیح ہے۔

② ترمذی، کتاب الایمان، باب فی استکمال الایمان و الزیادۃ و النقصان: ۲۶۱۲۔ الصحیحۃ: ۲۸۴۔

''سب سے زیادہ کامل مومن وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو اور اپنے بال بچوں کے لیے نرم خو ہو۔''

سرور کائنات ﷺ کی بیویوں سے محبت:

سرور کائنات ﷺ کی عملی زندگی وہی تھی جو فرمایا کرتے تھے۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو حضور ﷺ کی پہلی بیوی ہیں ،ان کے متعلق روایتوں میں متعدد واقعات ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان کو ان کی وفات کے بعد برابر یاد کرتے اور ان کی سہیلیوں سے حسن سلوک فرمایا کرتے تھے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑ کر آپ کی اور کسی بیوی پر مجھے رشک نہیں ہوتا تھا۔گو میں نے ان کو نہیں دیکھا تھا، مگر آپ اس کثرت سے ان کا ذکر فرماتے (کہ وہ میرے لیے اجنبی نہ تھیں) انس ومحبت کا یہ عالم تھا کہ گھر میں جب کبھی بکری ذبح ہوتی تو آپ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آجاتیں اور گوشت کا ایک حصہ ان کی سہیلیوں میں تقسیم فرمادیتے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اکثر میں آپ ﷺ سے کہا کرتی تھی کہ کیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوا اور کوئی عورت نہیں ہے؟ یہ کثرت یاد کو دیکھ کر کہتی۔ جب کبھی میں یہ باتیں کہتی تو آپ ﷺ فرماتے:

''بات یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ان سے اولاد دی تھی اور وہ بہت زیادہ نیک اور باوفا تھی۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیویوں سے محبت:

اس عملی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس رنگ میں رنگ گئے تھے اور ان بزرگوں کو بھی اپنی بیویوں سے بڑی مخلصانہ محبت تھی۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک جلیل

القدر صحابی ہیں، ایک دفعہ جہاد کے سلسلہ میں سفر میں تھے، جہاد سے واپسی ہوئی تو راستہ میں کسی نے بتایا کہ آپ کی بیوی بیمار ہے، یہ سننا تھا کہ آپ بے چین ہو گئے اور بڑی تیزی سے وہاں سے روانہ ہوئے اور جلد پہنچنے کی خاطر آپ نے اس موقع پر مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی وجہ سے آپ کے محترم ابا جان نے حکم دیا کہ بیوی کو علیحدہ کر دو (یعنی طلاق دے دو)۔ یہ سن کر شش و پنج میں پڑ گئے۔ ایک طرف بیوی کی محبت، دوسری طرف والد محترم کا حکم، نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کوئی فیصلہ نہ کر پائے، بلکہ عملی طور پر طلاق دینے سے کلی انکار کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو آپ کے والد محترم تھے، انہوں نے یہ مقدمہ دربار نبوی میں پیش کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب والد کی اطاعت کا فیصلہ کیا تب کہیں جا کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ ①

جگر گوشۂ بتول حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کسی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور بیوی کا حق مہر بھی بیوی کے یہاں بھجوا دیا۔ ان کی بیوی کو جب طلاق کی خبر پہنچی تو ان پر رقت طاری ہوگئی اور رونے لگیں۔ قاصد نے آ کر بیوی کا یہ سب حال حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، تو آپ بھی بے اختیار رو پڑے اور فرمانے لگے کہ طلاق بائن نہ دے چکا ہوتا تو رجوع کر لیتا۔ ②

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند ارجمند کے متعلق بھی اسی طرح کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ ان کو اپنی بیوی سے بے حد محبت تھی اور اس محبت کے غلو کا یہ عالم تھا کہ ان کو بیوی سے جدا ہو کر جہاد میں جانا بھی شاق گزرتا تھا، اسی وجہ سے کبھی کبھی جہاد کی شرکت سے محروم بھی رہے۔ اس کی اطلاع جب ان کے باپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو بیٹے کو بلا کر کہا کہ بیوی کو

---

① مسند احمد: ۲/ ۴۲۔ اس حدیث کی سند قوی ھے۔

② اسوہ صحابہ: ۱/ ۳۵۳۔

طلاق دے دو۔ پہلے تو صاحبزادے نے ٹالنے کی کوشش کی ،مگر والد محترم کا جب اصرار ہوا تو اطاعت پر مجبور ہوگئے اور بیوی کو علیحدہ کر دیا۔علیحدہ تو کر دیا مگر دل سے محبت نہ گئی، جدائی پر دردناک اشعار کہنے لگے۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بیٹے کی اس حالت کا علم ہوا تو بلا کر ان سے کہنا پڑا کہ ’’رجوع کرلو۔‘‘ ①

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اور مغیث کی محبت کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں بہت مشہور ہے اور دلچسپ بھی۔حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پہلے لونڈی تھیں اور ان کی شادی حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ یہ جب آزاد کر دی گئیں تو شرعی طور پر ان کو پہلے شوہر کے ساتھ رہنے نہ رہنے کا اختیار حاصل ہوگیا۔حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے آزادی کے بعد طے کر لیا کہ مغیث رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ رہیں گی۔حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو بیوی کی جدائی پر مدینہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے۔ ②

اسلام کے قانون عفت وعصمت کا یہ فیض تھا کہ جو عورتیں کل تک دنیا کی نگاہ میں حقیر و ذلیل تھیں وہ آسمان عزت وعظمت کی آفتاب و ماہتاب بن کر چمکیں اور کیسے یہ عزت و رفعت حاصل نہ کرتیں جبکہ پیغمبر اسلام نے ان کو ان کے حقوق دلوا رہے تھے۔

بیوی کے حقوق کی اہمیت:

عبادت وریاضت کتنی قابل ستائش چیز ہے ،مگر اسلام نے یہاں بھی یہ برداشت نہیں کیا کہ عورتوں کے حقوق پر دست درازی کر کے ان کو محروم رکھا جائے اور ان سے علیحدہ رہ کر کوئی دن رات عبادت میں مشغول رہے ۔ابتداء میں چند ایک صحابہ راتوں کو عبادت گزاری میں مشغول رہتے تھے اور ’’زن وشو‘‘ کے باہمی تعلقات کی ان کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر ان کو سمجھایا:

---

① اسوۂ صحابہ: ۱/۲۵۳۔

② بخاری، کتاب الطلاق ، باب خیار الامۃ تحت العبد: ۵۲۸۲۔

((اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا))[1]

’’تم پر تمہاری بیوی کا بھی ضروری حق ہے۔‘‘

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا واقعہ بڑی تفصیل سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

بیوی کے لیے نظافت کا اہتمام:

اپنی بیوی کے لیے اپنے آپ کو بہتر اور اچھا ثابت کرنے کی عملی صورتیں جہاں یہ ہیں کہ بیوی کی خاطر و مدارت اور دلجوئی وغیرہ میں کوشش کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے، اسی کے ساتھ ان باتوں کا بھی مرد کو خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے جن کی طرف ارشادات نبوی میں اشارے کیے گئے ہیں۔

مثلاً شوہر کو چاہیے کہ بیوی کے سامنے آئے تو صاف ستھرے کپڑوں میں آئے، تاکہ اس کو دیکھ کر بیوی کو مسرت ہو اور یہ محسوس کر کے وہ خوشی سے پھول جائے کہ ہمارا شوہر لباس میں، وضع قطع میں صاف ستھرا اور پاکیزہ مذاق ہے، گندا گھناؤنا، بدسلیقہ اور پھوہڑ نہیں ہے۔ آخر جب مرد چاہتا ہے کہ اس کی بیوی صاف ستھری رہے، میلی کچیلی نہ رہے تو اس طرح عورتوں کی بھی طبعی خواہش یہی ہوتی ہے کہ ہمارے شوہر خوش وضع ہوں۔ یوں بھی مسلمانوں کو کب اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اپنے آپ کو ممسوخ و منحوس شکل میں رکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی صفائی، پاکیزگی اور خوش وضعی کی اپنی مثال آپ تھی۔ کون نہیں جانتا کہ سفر وحضر ہر حال میں آئینہ، کنگھی، سرمہ دانی اور اسی قسم کی دیگر چیزیں جن سے اپنی اصلاح اور درستی میں مدد ملتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التزاماً اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔[2]

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند فرماتے تھے کہ آدمی یوں بھی بری ہیئت میں رہے۔ حضرت

---

① بخاری، کتاب النکاح، باب لزوجك علیك حق: ۵۱۹۹۔

② اس سلسلہ کے لیے مشکوۃ کے باب الترجل کا مطالعہ کیا جائے۔

عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، جس کے سر اور ڈاڑھی کے بال بکھرے ہوئے اور پریشان حال تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ بالوں کو درست کرلے۔ چنانچہ اس نے اشارۂ نبوی پا کر سر اور ڈاڑھی کے بال درست کر لیے اور اس شخص کو واپس جاتے وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اچھی ہیئت میں دیکھا تو فرمایا:

''یہ ہیئت پہلی ہیئت سے بہتر نہیں ہے؟ جو شیطان سی معلوم ہوتی تھی۔''[1]

یہ حدیث بھی مشہور ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ ، نَظِيُفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ))[2]

''اللہ پاک ہے، پاکی کو پسند کرتا ہے، اللہ پاکیزہ ہے، پاکیزگی کو محبوب رکھتا ہے۔''

بیویوں کے لیے سامان:

ان حدیثوں کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ شوہر کو بیوی کے لیے خصوصاً صاف ستھرا رہنا چاہیے اور بیوی کو شوہر کے لیے تو یہ ایسی بات ہوگی جس پر عمل کرنا چاہیے۔ فقہائے کرام نے اس کی تفصیل کی ہے کہ مردوں کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ بیوی کو ایسا سامان فراہم کرے جس سے وہ اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھ سکے:

((وَ يَجِبُ عَلَيْهِ مَا تَنَظَّفُ بِهِ وَتُزِيُلُ الْوَسُخَ كَالْمُشُطِ وَ الدُّهُنِ وَ السِّدُرِ وَ الْخَطُمِيِّ وَ الْاَشُنَانِ وَ الصَّابُوُنِ عَلٰى اَهُلِ الْبَلَدِ وَ اَمَّا

---

① مؤطا امام مالك، كتاب الشعر، باب اصلاح الشعر : ۷۔ اس کی سند صحیح ھے لیکن یہ مرسل ھے تاھم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے موصول بھی ثابت ھے۔ السلسلة الصحيحة : ۴۹۳۔

② ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی النظافة : ۲۷۹۹۔ یہ روایت مرسل ھے لیکن شاھد کی بنا پر حسن درجہ تك پھنچ جاتی ھے۔ (جلباب المرأة المسلمة للالبانی رحمة اللہ علیہ : ص۱۹۷۔ ھدایة الرواة: ۴/ ۲۵۴۔

الطِّیبُ فَیَجِبُ عَلَیۡهِ مَا یَقۡطَعَ السُّهُوکَةَ لَا غَیۡرَ وَ عَلَیۡهِ مَا تَقۡطَعُ الصَّنَانَ))[1]

''شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کے لیے ایسی چیزوں کا سامان کر دے جس سے وہ اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھ سکے اور میل کچیل سے پاک رہے، کنگھی، تیل، بیری کے پتے، خطمی، اشنان اور صابون، جیسا کہ وہاں رواج ہو اور جس سے بدبو کو دور کر سکے اتنی خوشبو کا فراہم کرنا بھی ضروری ہے، اسی طرح بغل کی بو کو دور کرنے کا سامان۔''

((وَ عَلَیۡهِ الۡمَآءُ مَا تَغۡتَسِلُ بِهِ ثِیَابَهَا وَ بَدَنَهَا مِنَ الۡوَسۡخِ))[2]

اتنا پانی بھی فراہم کر دینا شوہر پر ضروری ہے جس سے وہ اپنے کپڑے اور اپنا بدن دھو سکے۔''

حدیث میں جہاں ذکر کیا گیا ہے کہ شوہر اگر سفر میں گیا ہوا ہے، تو اس کو واپسی کے وقت چاہیے کہ کسی ذریعہ سے اپنی آمد کی اطلاع کر دے، دفعتاً پہنچنے کی کوشش نہ کرے۔ وہاں اس کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ عورت چونکہ شوہر کے نہ ہونے کی صورت میں صفائی کا وہ اہتمام نہیں کرتی جو اس کو شوہر کے لیے رکھنا چاہیے، اس لیے پہلے اگر عورت کو اطلاع مل جائے گی تو وہ اپنے آپ کو سنوار لے گی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((لِکَیۡ تَمۡتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَ تَسۡتَحِدَّ الۡمُغِیۡبَةُ))[3]

''تاکہ عورت پراگندگی درست کر لے اور استرہ استعمال کر کے صاف ستھری بن جائے۔''

---

① ردالمختار: ۲/ ۷۰٤۔

② عالمگیری مصری: ۱/ ۵۶۹۔

③ بخاری، کتاب النکاح، باب تزویج الثیبات: ۵۰۷۹۔

عورت کی مصیبت میں اظہار وفاداری:

شوہر کا یہ بھی اخلاقی فریضہ ہے کہ بیوی کے ساتھ وفاداری اور خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے، اگر حوادث زمانہ کی وجہ سے عورت پر کوئی ناگہانی آجائے تو محبت اور لطف وکرم میں کمی نہ کرے، بلکہ پہلے سے بڑھ کر اخلاق ومروت سے پیش آئے، اس کے دفیعہ کی سعی کرے۔اگر کسی بیماری کی وجہ سے اس کی شکل وصورت میں فرق آجائے تو عورت کو بدصورت دیکھ کر بے مروتی اور بداخلاقی کا برتاؤ نہ کرے۔ بلکہ اس کی دل دہی اور دل جوئی کرے۔مرد اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا،اس کی مسرت حزن وملال میں تبدیل ہوجائے گی اور عورت مرد کی بے وفائی پر گھٹ گھٹ کر جان دے دے گی۔

ٹھنڈے دل سے سوچنے کی بات ہے،کل ایک حسین اور دلفریب عورت کو شادی کر کے لائے،اس پر اپنی جان نثار کی، بلائیں لیں،اس کی خوشنودی کے لیے بازار چھان ڈالا اور قیمتی سے قیمتی زیور اور کپڑے لاکر دیئے، سب کی ناراضی برداشت کی۔اتفاق کی بات وہی بیمار ہوئی اور آج اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چیچک نے اس کی صورت بگاڑ دی، یا آنکھوں کی بینائی چھین لی۔آئینہ دیکھتی ہےتو اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے ہیں کہ یہ کیا سے کیا بن گئی اور اگر اندھی ہوگئی ہےتب تو ساری دنیا ہی اندھیر ہے۔بیچاری عورت ان مصیبتوں کی تاب نہ لاکر دن رات روتی ہے۔اس پر ظلم یہ ہوا کہ شوہر کی آنکھیں بھی گئیں، بات بات پر غریب جھڑکی جارہی ہے، یہ بساط محبت کیوں الٹ گئی اور بہار خزاں میں کیوں تبدیل ہوگئی؟حسن وجمال جاتا رہااور وہ بھی قدرتی مرض سے۔

للہ سوچا جائے! انسانیت کا یہی تقاضا ہے!! محبت کا یہی انجام ہے!!اخلاق کی عدالت کا یہی فیصلہ ہے!! پھر یہ بھی پیش نظر رکھنے کی سعی کی جائے کہ غریب وبے کس عورت کی دل سوزیوں کا وبال کس کے سر ہوگا، اس کے گرم گرم آنسو جو آنکھوں سے جاری ہیں کیا رنگ لائیں گے۔ یقین کیا جائے اسلام ایسی بے مروتی اور کج خلقی کی اجازت نہیں دیتا۔وہ ایسی

سنگ دلی کو برداشت نہیں کرتا بلکہ اعلان کرتا ہے:

((مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ)) ①

''اس پر رحم نہیں کیا جاتا جو رحم نہیں کرتا۔''

بیوی کے جذبات کا پاس:

یہ تو ایک ضمنی بات تھی بتانا یہ تھا کہ شوہر کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ بیوی کی ہر طرح دلجوئی کرے، اس کے تمام داعیات و جذبات کا پاس کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک رات بحیثیت خلیفہ گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر سے دردناک اشعار پڑھے جانے کی آواز آئی آپ کھڑے ہو گئے اور غور سے سننے لگے، ایک عورت یہ شعر اپنے خاص انداز میں پڑھ رہی تھی ۔

فَوَ اللّٰهِ لَوْ لَا اللّٰهُ تُخْشٰى عَوَاقِبُهٗ

لَزَحْزَحَ مِنْ هٰذَا السَّرِيْرِ جَوَانِبُهٗ

''اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ کے عقاب کا خوف نہ ہوتا...... تو اس چار پائی کے کنارے جنبش میں ہوتے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس عورت کا خاوند جہاد کے سلسلہ میں باہر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس سچے جذبۂ محبت کا بڑا گہرا اثر ہوا۔ وہ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے تھیں) پوچھا، عورت بغیر مرد کے کتنے دنوں صبر کر سکتی ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا چار مہینے۔ یہ معلوم کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحیثیت خلیفہ سپہ سالاروں کے نام یہ حکم بھیج دیا:

((لَا يَتَخَلَّفُ الْمُتَزَوِّجُ عَنْ اَهْلِهٖ اَكْثَرَ مِنْهَا))

---

① بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته : ٥٩٩٧۔

''جو شادی شدہ ہو وہ اپنی بیوی سے چار مہینے سے زیادہ غائب نہ رہے۔''

اس تاریخی واقعہ سے معلوم ہوا کہ آدمی پر ان باتوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے داعیات و جذبات کو بھول نہ جائے اور اگر زیادہ مدت کے لیے پردیس میں رہے تو بال بچوں کو ساتھ رکھے۔

اس کی تائید قرآن پاک کی آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ایلاء کا ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص بلا قید مدت، یا چار ماہ یا زیادہ مدت کے لیے بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائے اور اس پر عمل کرے تو اس صورت میں عورت کو طلاق ہو جائے گی اور اس کو دوسری شادی کی اجازت حاصل ہوگی:

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَإِنْ عَزَمُوا ٱلطَّلَٰقَ فَإِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾

(البقرۃ: ۲۲۶، ۲۲۷)

''جو لوگ اپنی بیویوں سے قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے سو اگر یہ رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے، رحمت فرمائیں گے اور اگر چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔''

بیوی پر اعتماد:

مرد کا یہ بھی فریضہ ہے کہ بیوی پر اعتماد کرے اور گھر کے اندرونی معاملات اس کے حوالہ کر دے تا کہ وہ اپنی حیثیت کو جان سکے اور اس کی عزت و عظمت اور اس کا وقار اس میں خود اعتمادی پیدا کرے۔ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو گھر کا نگران مقرر کیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا))[1]

''عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے۔''

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب المرأة راعية في بيت زوجها: ۵۲۰۰۔

دوسری بہت سی حدیثوں سے اس کی تائید ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ عورتیں اپنے شوہر کے مال کی محافظ ہیں ،عورتوں پر اعتماد سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ اس کا وقار بلند ہوگا اور یہ اپنے آپ کو گھر کے ایک شعبہ کی ذمہ دار سمجھے گی ،جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مرد کو بڑی حد تک سکون رہے گا اور اس کو اطمینان کی زندگی میسر ہوگی۔

بیوی کی رازداری:

بیوی کا مرد پر ایک حق یہ بھی ہے کہ مرد عورت کے پردہ کی بات دوسروں سے نہ کہے بلکہ اس راز کو راز ہی کے درجے میں رہنے دے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کے پردہ کی باتوں کو افشاں کرے:

((اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِيْ اِلَى امْرَأَتِهِ وَ تُفْضِيْ اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا))[1]

’’لوگوں میں اللہ کے نزدیک قیامت کے دن بدترین وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے پاس جائے اور اس کی بیوی اس سے ملے پھر مرد اس راز کی بات کو پھیلائے۔‘‘

معلوم ہوا کہ مرد اور عورت کی نجی باتیں طشت از بام نہ ہونی چاہئیں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مرد اور عورت کے باہمی استمتاع کا تفصیلی تذکرہ کرنا حرام ہے۔مثلاً یہ کہے کہ جماع کے باب میں یہ بات باہم پیش آئی اور پھر زن وشو کے راز کی کہانی بیان کرے ۔حد یہ ہے کہ بلافائدہ جماع کا اجمالی تذکرہ بھی کراہت سے خالی نہیں۔امام موصوف لکھتے ہیں:

((فِيْ هٰذِهِ الْحَدِيْثِ تَحْرِيْمُ اِفْشَاءِ الرَّجُلِ مَا يَجْرِيْ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ امْرَأَتِهِ مِنْ اُمُوْرِ الْاِسْتِمْتَاعِ وَ وَصْفِ تَفَاصِيْلِ ذٰلِكَ وَ مَا يَجْرِيْ مِنَ الْمَرْأَةِ

---

[1] مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم افشاء سرالمرأة : ۱۴۳۷۔

فِيهِ مِنْ قَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ اَوْ نَحْوِهِ))[1]

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کے راز کی باتوں کو ظاہر کرنا اور اس کی تفصیل کہ باہم ایسے ایسے ہوا، حرام ہے، اسی طرح عورت سے متعلق کوئی راز کی بات یا کوئی فعل یا کسی ایسی ہی چیز کا اظہار حرام ہے۔''

بیوی کا نفقہ:

شریعت نے جہاں مردوں پر بیویوں کی بہت ساری ذمہ داریاں عائد کی ہیں، ان میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ''بیوی'' کو نفقہ (کپڑا، کھانا اور گھر) دیا کرے اور بیوی کو ان ضروریات سے بے نیاز کردے جو اس کے لیے ضروری ہیں تاکہ وہ بال بچوں کی تربیت آزادی کے ساتھ کرسکے۔ رب العزت کا ارشاد ہے:

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ (الطلاق: ٧)

''جس کو گنجائش ہو اس کو چاہیے کہ اپنی گنجائش سے خرچ کرے اور جس کی آمدنی نپی تلی ہو وہ جتنا اس کو اللہ نے دیا ہے، اس کے موافق خرچ کرے، اللہ نے جس کو جتنا دیا ہے اس سے زیادہ تکلیف کسی کو نہیں دیتا۔''

کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ جبر نہیں ڈالا گیا ہے، بلکہ ہر شخص پر اس کی صلاحیت کے انداز ہی سے ذمہ داری عائد کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا

(البقرة: ٢٣٣)

''اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ اس کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے مطابق ہے۔ کسی

---

[1] شرح مسلم للنووی: ١/٤٦٤۔

شخص کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔‘‘

بتاتا ہے کہ بیوی کے ’’نفقہ‘‘ کا بار شوہر پر اس لیے ڈالا گیا ہے تاکہ وہ بچہ پیدا کرے، اس کی تربیت اور نشو ونما میں بیوی بے فکر ہو کر کوشاں رہے، جس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ خود بچہ کی نفسیات پر بھی خوشگوار اثر پڑے گا اور وہ افکار کے ہجوم سے طبعی طور پر محفوظ رہے گا۔

پہلے ابواب میں جو حدیثیں گزر چکی ہیں، ان میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ بیوی کا حق یہ بھی ہے کہ:

((اَنْ تُحْسِنُوْا اِلَیْھِنَّ فِیْ کِسْوَتِھِنَّ وَ طَعَامِھِنَّ))①

’’تم ان (بیویوں) کے ساتھ کپڑا اور کھانا دینے میں خوش اخلاقی کا برتاؤ کرو۔‘‘

مقدار نفقہ:

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ مشہور ہے کہ نبوی سرکار میں حاضر ہوئیں اور شکوہ سنج ہوئیں کہ میرا شوہر کنجوس آدمی ہے، بخوشی اتنا بھی دینے کو تیار نہیں جو میرے بچوں کو کافی ہو، یہ روداد سنا کر دریافت کیا:

((فَھَلْ عَلَیَّ مِنْ حَرَجٍ اَنْ اُطْعِمَ مِنَ الَّذِیْ لَہٗ عِیَالَنَا))②

’’اگر میں ان کے مال سے بال بچوں کو کھلاؤں تو اس میں کیا کوئی حرج ہے؟‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خُذِیْ مَا یَکْفِیْكِ وَ وَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ))③

’’اتنا لے لیا کر جو تیرے اور تیرے بال بچوں کے لیے کافی ہو۔‘‘

---

① ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء حق المرأة علی زوجها : ١١٦٣۔

② بخاری، کتاب الاحکام، باب من رأی القاضی ان یحکم بعلمه فی امر الناس اذا لم یخف الظنون و التهمة : ٧١٦١۔

③ بخاری، کتاب النفقات، باب اذا لم ینفق الرجل فللمرأة ان تأخذ بغیر علمه ما یکفیها بالمعروف : ٥٣٦٤۔

آنحضرت ﷺ کا نظم نفقہ:

خود سرور کائنات ﷺ کا بھی یہی دستور تھا کہ ازواج مطہرات کے نفقہ کا نظم فرما دیا کرتے، بلکہ ایک باغ ہی اس کام کے لیے خاص کر رکھا تھا جس کا پھل فروخت کر کے سال بھر کا نفقہ ایک ہی دفعہ جمع کرا دیتے۔

((اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَبِیْعُ نَخْلَ بَنِی النَّضِیْرِ وَ یَحْبِسُ لِاَھْلِہٖ قُوْتَ سَنَتِھِمْ))①

''نبی ﷺ بنو نضیر کے کھجوروں کے باغ (کی کھجوریں) فروخت فرمایا کرتے اور اس کی قیمت اپنے اہل وعیال کے سال بھر کے نفقہ کے لیے جمع فرما دیتے۔''

فقہاء نے نفقہ کی ادائیگی کو واجب کہا ہے، اور بیوی مالدار ہو، غریب ہو، جیسی بھی ہو اگر وہ شوہر کے زیر فرمان ہے تو نفقہ دلوایا ہے۔ نفقہ کا ماحصل کھانا، کپڑا اور مکان ہے۔

((ھِیَ اللُّغَۃَ مَا یُنْفِقُہُ الْاِنْسَانُ عَلٰی عَیَالِہٖ وَ شَرْعًا ھِیَ الطَّعَامُ وَ الْکِسْوَۃُ وَ السُّکْنٰی))②

''لغت میں نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں جو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے اور شریعت میں نفقہ کھانا، کپڑا اور مکان کا نام ہے۔''

اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

بیوی کو والدین سے ملنے کی اجازت:

بیوی کے حقوق میں سے شوہر پر ایک حق یہ بھی ہے کہ بیوی کو اس کے ماں باپ سے ملاقات کی اجازت دے اور قریبی رشتہ دار سے بھی، یعنی ان لوگوں سے جو محرم ہیں، خود

---

① بخاری، کتاب النفقات، باب حبس الرجل قوت سنة علی اھله وکیف نفقات العیال : ۵۳۵۷۔

② در مختار باب النفقة۔

آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ دستور تھا کہ اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کے گھر جا کر ملاقات کرتے۔ شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اپنی اپنی صاحبزادیوں کو ملنے کی غرض سے شانۂ نبوی میں حاضری دیا کرتے۔ حدیث کی کتابوں میں اس طرح کے واقعات بکثرت مذکور ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ہفتہ میں ایک دن والدین سے ملنے کے لیے جائے تو شوہر کو روکنا نہ چاہیے مگر یہ اس وقت جبکہ بیوی کے والدین کسی معقول عذر کی وجہ سے خود حاضری سے مجبور ہوں، ورنہ وہ خود آ کر لڑکی سے مل جائیں گے۔ ①

زن و شو میں اختلاف کے وقت حکم:

بیوی سے کسی بات میں اختلاف ہوجائے اور کشیدگی بڑھ جائے تو شوہر کے لیے اس وقت بھی عجلت پسندی اچھی نہیں سمجھی جائے گئی ہے۔ ضرب کے بعد بھی معاملہ درست نہ ہوتو ایسی شکل میں دونوں جانب سے نمائندے مقرر کر دیے جائیں۔ قرآنی ارشاد ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ﴿٣٥﴾ (النساء: ٣٥)

"اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہوتو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو، مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو۔"

مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھا جائے کہ جو بھی نمائندے مقرر کیے جائیں وہ مخلص ہوں، کیونکہ ان کا اخلاص ہی ان گتھیوں کو سلجھا سکتا ہے۔ ورنہ پھر فائدہ کے بجائے شدید نقصان کا احتمال ہے۔ قرآن پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

---

① در محتار فی ردالمختار، باب النفقۃ۔

إِن يُرِيدَآ إِصۡلَٰحٗا يُوَفِّقِ ٱللَّهُ بَيۡنَهُمَآۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرٗا ۝٣٥
(النساء: ٣٥)

''ان دونوں آدمیوں کو اگر اصلاح منظور ہوگی، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میاں بیوی میں اتفاق فرمادیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور باخبر ہیں۔''

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ کی آیتوں کے تفسیری ترجمہ میں فرماتے ہیں:

''اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو قرائن سے ان کی بد دماغی کا احتمال قوی ہو تو ان کو اول زبانی نصیحت کرو، نہ مانیں تو ان کو لیٹنے کی جگہ تنہا چھوڑ دو یعنی ان کے پاس مت لیٹو اور اس سے بھی نہ مانیں تو ان کو اعتدال کے ساتھ مارو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر زیادتی کرنے کے لیے بہانہ اور موقع مت ڈھونڈو اور اگر قرائن سے تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو کہ اس کو وہ باہم نہ سلجھا سکیں گے تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو ایسے ہی تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے تجویز کر کے اس کشاکش کو رفع کرنے کے لیے ان کے پاس بھیجو کہ وہ جا کر تحقیق حال کریں اور جو بے راہی پر ہو یا دونوں کا کچھ کچھ قصور ہو، سمجھا دیں۔ ان دونوں آدمیوں کو سچے دل سے معاملہ کی اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں بشرطیکہ وہ ان دونوں آدمیوں کی رائے پر عمل کریں۔ اتفاق فرمائیں گے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور بڑے خبر والے ہیں، جس طریقہ سے ان میں باہم مصالحت ہوسکتی ہے اس کو جانتے ہیں۔ جب حکمین کی نیت ٹھیک دیکھیں گے وہ طریقہ ان کے قلب میں القا فرما دیں گے۔''[1]

بہرحال نمائندے دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ دونوں میاں بیوی کے اختلاف کو

---

① بیان القرآن ۲/۱۱۵۔

خوش اسلوبی سے حل کرنے کی انتھک جد و جہد کریں اور دونوں کو ایک مرکز پر لا کر باہم جوڑ دیں، ساتھ ہی میاں بیوی کا اخلاقی فریضہ ہے کہ نمائندے سے تعاون کریں جو صورت صلح اور میل میلاپ کی پیدا کر رہے ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی سعی بلیغ کریں۔

بیوی کے فرائض واختیارات

بیوی کے ’’حقوق‘‘ کے سلسلہ میں اسلام نے مردوں پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں اس کا اجمالی نقشہ پیش کیا جاچکا ہے۔اب مردوں کے حقوق کے سلسلہ میں عورتوں کو جو زریں ہدایات دی گئی ہیں اسے بھی اجمال کے ساتھ بیان کردینا مناسب ہے تاکہ دونوں کے فرائض واختیارات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جاسکے کہ اسلام نے عصمت وعفت کے تحفظ کی کتنی زبردست جدوجہد کی ہے اور دونوں کے باہمی رشتہ محبت کو کس قدر پائدار اور جاندار قرار دیا ہے۔

قانون کا کمال:

کوئی ایسا قانون جو صرف ایک فریق پر ذمہ داری عائد کرے اور دوسرے کو ہر ایک ذمہ داری سے بری قرار دے وہ کتنا ہی خوش نما اور جاذب نظر کیوں نہ ہو اسے ادھورا اور ناقص ہی کہا جائے گا۔آئین اور ضابطے وہی مکمل ہوسکتے ہیں جو ہر ایک پر دوسرے کی ذمہ داری کو ضروری قرار دیں۔گواس کی شکل مختلف ہی کیوں نہ ہو۔

کوئی شبہ نہیں کہ عورت اپنی خلقت میں کمزور، اپنے فطری جذبات میں اعتدال سے دور اور اپنی جسمانی ساخت میں بڑی حد تک ضعیف ہے اور اسی وجہ سے یہ قابل لطف وکرم، لائق انس ومحبت اور باعث درگزر ہے۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے اس کے لائق ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش رکھا جاتا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عورت اور مرد کی اجتماعی زندگی نہایت

ناخوشگوار حد تک پہنچ جاتی۔

نظام منزلی کی صدارت:

اسلام نے عورت کی ان تمام کمزوریوں کی رعایت ملحوظ رکھی، جو اس مرد کے مقابل میں قدرت کے خزانہ سے عطا ہوئی ہیں اور اسی وجہ سے باہمی زندگی کی صدارت و امارت مرد کے سر ڈالی گئی، یعنی زن وشو کی اجتماعی زندگی کا امیر اور صدر مرد کو منتخب کیا تاکہ نظام منزلی میں کوئی سخت دقت آئے تو مرد اپنی خدا داد قوت اور شوکت سے اسے حل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کی صدارت کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (النساء: ۳۴)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔''

جس کا ماحصل یہ ہے کہ مردوں کو علم و عمل میں فضیلت اور بڑائی عطا کی گئی ہے۔ ساتھ ہی مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور عورت کو مہر، خوراک و پوشاک کے راستے سے سہارا دیتے ہیں۔ اسی لیے مرد کو زن وشو کی باہمی زندگی کا امیر اور صدر بنایا گیا ہے۔

مرد کی صدارت کی وجہ:

کوئی ذی عقل انسان اس امر سے انکار نہیں کرسکتا کہ مرد اپنی اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کی وجہ سے بہت سے امور میں عورت سے فائق ہے، غریب عورت پر زندگی میں کچھ زمانہ ایسا گزرتا ہے جس میں وہ بڑی حد تک بیکار ہوجاتی ہے اور دوسرے کی امداد و اعانت کی محتاج رہتی ہے۔ میری مراد حمل، رضاعت، بچوں کی تربیت اور حیض و نفاس کے زمانہ سے ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ مرد کی صدارت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''ضروری ہے کہ مرد کو اس کی بیوی کا قوام بنایا جائے ،اور فطرت کا تقاضا ہے کہ عورت پر مرد کو غلبہ حاصل ہو،اس لیے کہ مرد عقل میں کامل ،سیاست میں ماہر، حمایت میں مضبوط اور ننگ و عار کو دور کرنے کی صلاحیت کا مالک ہے اور اس حیثیت سے بھی مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے کہ مرد عورت کا کپڑا، روٹی اور گھر مہیا کرتا ہے۔''①

جدید تحقیق میں مرد کی حیثیت:

جدید تحقیق نے بھی اس کی تائید کر دی ہے کہ مرد کا دماغ عورت سے بڑا ،اس میں فہم و ذکا کا مادہ نسبتاً زیادہ اور اس کی عقل میں پختگی ہوتی ہے۔ساتھ ہی مرد جسم اور عضلات کا مضبوط ہوتا ہے۔اس سلسلہ میں کچھ اقوال نقل کیے جا چکے ہیں ۔یہاں بھی کچھ لوگوں کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

مشہور نیشنلسٹ فلاسفر علامہ پروڈن اپنی کتاب ''ابتکار النظام'' میں لکھتا ہے :

''عورت کا وجدان بمقابلہ مرد کے اسی قدر ضعیف ہے جس قدر اس کی عقلی قوت مرد کی عقلی قوت کے مقابلہ میں ضعیف نظر آتی ہے، اس کی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے بالکل مختلف ہے، اور ایک دوسری قسم کی طبیعت رکھتی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے حسن و قبح کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے ،وہ مردوں کی رائے کے مطابق نہیں ہوتی۔پس مرد اور عورت میں یہ فرق کوئی عارضی فرق نہیں ہے بلکہ عورت کی طبعی خاصیت پر مبنی ہے۔''②

اس قول کو نقل کر کے علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں:

''حواس خمسہ جس پر انسان کی عقلی اور دماغی نشو ونما کا دار و مدار ہے ،اس میں بھی

---

① حجة الله البالغة،حقوق الزوجية : ۱۳۶/۲۔

② مسلمان عورت : ص ۳۹۔

سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔علامہ نیکولس اور علامہ بیلی نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے حواس خمسہ،مرد کے حواس سے ضعیف تر ہیں۔“①

پھر آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں:۔

”علم سائیکلوجیا نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے بھیجے اور مرد کے بھیجے میں مادتاً اور شکلاً سخت اختلاف ہے۔مرد کے بھیجے کے وزن کا اوسط عورت کے بھیجے سے سو ڈرام زیادہ ہے۔“②

عورت کا دماغ:

جدید تحقیق نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ عورت کا دماغ مرد کے دماغ سے چھوٹا ہے۔ جس کا اثر عقل وشعور پر پڑتا ہے۔تولنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ احمق کا دماغ عقلمند کے دماغ سے کافی چھوٹا ہوتا ہے۔اس سلسلہ میں علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں:

”یہی وہ قوائے عقلیہ کا سرچشمہ ہے جس میں مرد کا پلہ عورت سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔مرد کے دماغ کے وزن کا اوسط عام طور پر (۴۹،۲/۱) ساڑھے انچاس اوقیہ ہے اور عورت کے دماغ کا وزن صرف (۴۴) چوالیس۔ دوسو اٹھہتر مردوں کے دماغ کے وزن کیے گئے تو سب سے بڑے دماغ کا وزن (۶۵) پینسٹھ اوقیہ اور سب سے چھوٹے دماغ کا وزن (۳۴) چونتیس اوقیہ ثابت ہوا ،لیکن جب دوسو اکانوے(۲۹۱) دماغ عورتوں کے وزن کیے گئے تو سب سے وزنی دماغ (۵۴) اوقیہ کا اور سب سے کم وزنی دماغ (۲۱) اکیس اوقیہ کا نکلا۔کیا یہ اس امر کا ثبوت نہیں ہے کہ عورتوں کے عقلی قویٰ مرد کے قویٰ سے بدرجہا ضعیف ہیں۔“③

---

① مسلمان عورت، ص: ۳۹۔

② مسلمان عورت، ص: ۳۹۔

③ مسلمان عورت، ص: ۴۱۔

پھر واضح رہنا چاہیے کہ یہ اختلاف ہر جگہ واقع ہوتا ہے، اس میں متمدن اور غیر متمدن کا کوئی سوال نہیں جس کی آڑ لے کر بعض ناسمجھ بحث شروع کر دیتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا کا مصنف پروفیسر دوفارینی لکھتا ہے:

''جس طرح مرد عورت کے جسمانی اور دماغی قویٰ کا باہمی اختلاف تم کو پیرس جیسے متمدن شہر کے شائستہ باشندوں میں نظر آتا ہے اسی طرح امریکہ کے وحشی ترین اقوام میں بھی پایا جاتا ہے۔''

ماحصل یہ کہ جدید تحقیقات نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ مردوں میں عورتوں کی بہ نسبت زیادہ صلاحیت پائی جاتی ہے اور مرد صلاحیت میں عورتوں سے ہر اعتبار سے بڑھے ہوئے ہیں۔

مرد کی صدارت کے باوجود دونوں حقوق میں برابر ہیں:

زن و شو کی باہمی زندگی میں مرد کی صدارت سے جو لوگ یہ مطلب پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو مرد کا غلام بنا دیا ہے، سراسر بے جا اور ہٹ دھرمی ہے۔ عقل سے بیگانہ ہو کر ہی ایسی بات کہی جاسکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ زن و شو کی رائے میں اختلاف ناممکن ہے؟ تو اگر کوئی ایسی بات آ پڑی جس میں دونوں کی رائے میں اختلاف ہو گیا تو پھر اس وقت کیا کیا جائے گا؟ اسلام کہتا ہے کہ اس وقت مرد کی رائے کو ترجیح ہوگی اور عورت کا فریضہ ہے کہ ایسے موقع پر مرد کی رائے کو ترجیح دے کہ یہ اپنی مخصوص صلاحیتوں کی وجہ سے باہمی اور منزلی زندگی کا صدر اعظم ہے۔

ورنہ اسلام خود چاہتا ہے کہ جو کام انجام پائے، وہ باہم مشورے اور اتفاق رائے سے انجام پذیر ہو۔ علاوہ ازیں مرد اور عورت میں مکمل مساوات ہے اور ہر ایک کے دوسرے پر حقوق اور فرائض ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾

(البقرة : ٢٨)

''جس طرح کے حقوق عورتوں پر ہیں اس کے مثل خود عورتوں کے بھی حقوق قاعدہ کے مطابق ہیں اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔''

اس آیت میں باوجود ایجاز و اختصار کے ایک بڑا ضابطہ مندرج ہے اور ایک قاعدہ کلیہ کا اعلان ہے، وہ یہ کہ عورت ہر چیز میں مرد کے مساوی ہے اور تمام انسانی حقوق میں مرد کے برابر ہے۔ صرف ایک امر میں البتہ عورت مرد کے برابر نہیں، جس کو '' لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ '' سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور جس کی تشریح '' اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ '' کے تحت کی گئی، اس ایک بات کے علاوہ عورت سارے معاملات، اخلاق اور عبادات میں مرد کے مساوی ہے، کوئی ایسی بات نہیں جس سے مرد کو بڑا اور عورت کو حقیر سمجھا جائے اور اسلام ہی ہے جس نے سب سے پہلے عورتوں کو عزت عطا کی۔

ایک فلاسفر کا قول:

ایک فلاسفر نے کتنی درست بات کہی ہے کہ اگر رب العزت کا مقصد یہ ہوتا کہ زن وشو کی اجتماعی زندگی کی صدارت عورت کے حصہ میں آئے تو عورت کو مرد کے سر والے حصہ سے پیدا کرتا اور اگر عورت کو خادمہ کے درجہ میں رکھنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ عورت کو مرد کے پاؤں والے حصہ سے وجود عطا کرتا، مگر چونکہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی مقصد نہ تھا بلکہ ان دونوں سے بلند ایک جداگانہ مقصد تھا اور وہ یہ کہ عورت اور مرد مساوات کی زندگی گزاریں، دوستانہ برتاؤ قائم رکھیں اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی عزت اور محبت کو اپنے دل میں جگہ دے اس لیے رب العزت نے عورت کو مرد کے پہلو سے پیدا کیا۔

صدارت کے باوجود عورت سے مشورہ کا حکم:

یہی وجہ ہے کہ صدارت کے لیے مرد کا نام لینے کے باوجود قدرت کا منشا یہ ہے کہ سارے امور باہمی مشورے سے طے کیے جائیں اور اس طرح کے جو کام انجام پائیں وہ

باہمی رضامندی اور خوشنودی سے۔قرآن پاک نے جہاں یہ بیان کیا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں اور بچے کے باپ پر دودھ پلانے والی کا کھانا اور کپڑا ہے۔ اس مقام پر یہ بیان کرتے ہوئے کہ اگر تم دودھ چھڑانا چاہو تو باہمی مشورے اور رضامندی سے ایسا کرو۔قرآن پاک نے بیان کیا ہے:

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا
(البقرۃ: ۲۳۳)

''پھر اگر دونوں اپنی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں،تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں۔''

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ جو کام انجام پائے حتی الوسع باہمی مشورے سے انجام پائے۔پھر مومنوں کی شان ہی یہ بیان فرمائی ہے:

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوریٰ: ۳۸)

''اور وہ آپس میں مشورے سے کام کرتے ہیں۔''

اس ساری تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت میں جائز رشتہ کے قیام کے بعد ایک نظام قائم کر دیا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے دونوں میں محبت رہے گی اور پھر اس طرح عفت وعصمت پر کوئی دھبہ نہ پڑ سکے گا۔

موجودہ دور میں تعطل:

اس دور پرفتن میں آئے دن یہ بات سننے میں آتی ہے کہ مالدار گھرانوں میں میاں بیوی میں ذرا سی بات پر اختلاف پیدا ہوجاتا ہے اور دونوں علیحدہ ہوکر زندگی گزارتے ہیں، برسوں دونوں میں جدائی رہتی ہے۔بیوی اپنی ضد پر رہتی ہے اور شوہر اپنی شان میں، یہ جدائی کا زمانہ دونوں کے لیے نازک ہوتا ہے۔کیونکہ نفسانی خواہشات سے کوئی خالی نہیں۔اسلام نے اس طرح کی زندگی کو لعنت قرار دیا ہے اور کہیں اس کی گنجائش نہیں رکھی ہے۔جیسا کہ آئندہ

تفصیل سے معلوم ہوگا۔

عورت صالحہ اور اس کا فریضہ:

میاں بیوی کے سامنے اگر اسلام کے قوانین ہوتے تو ایسی نوبت ہرگز نہ آتی اور ایسے مواقع پر مرد کی قوامیت کا فیصلہ فتنہ کے اس سوراخ کو بند کر دیتا" اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ " کے بعد ہی ارشاد ربانی ہے:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۚ

(النسآء: ٣٤)

''پس نیک بخت عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں اور مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت سے نگہبانی کرتی ہیں۔''

اس ٹکڑے میں عورت کی شناخت کا بیان ہے اور اس طرح عورت کو مرد کی اطاعت پر ابھارا گیا ہے تاکہ دونوں میں اختلاف رائے کبھی ہو تو علیحدگی کی نوبت نہ آئے۔ پھر مزید اس رشتہ کی مضبوطی کے لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ مَا بَأْسَ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ))[1]

''جو عورت خواہ مخواہ معمولی باتوں میں اپنے شوہر سے طلاق چاہتی ہے، اس پر جنت کی بو حرام ہے۔''

اس میں عورت کو ہدایت دی گئی ہے کہ زن وشو کی باہمی زندگی میں ایسی بات ہوجائے جو تم کو ناپسند ہو تو ایسی ذرا ذرا سی بات پر شوہر سے طلاق کا مطالبہ شروع نہ کر دیا کرو، کیونکہ اجتماعی زندگی میں عموماً ایسی بات ہوتی رہتی ہے کیونکہ دونوں کے مزاجوں میں قدرتی طور پر

---

[1] ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الخلع : ٢٢٢٦۔ ترمذی : ١١٨٧۔ ابن ماجه : ٢٠٥٥۔ اس حدیث کی سند جید هے۔ ارواء الغلیل : ٢٠٣٥۔

اختلاف پایا جاتا ہے۔

عورت صالحہ کا فریضہ ہے کہ باہمی اجتماعی زندگی کے نظام میں جونہی برہمی اور انتشار محسوس کرے، شوہر کی صدارت کو یاد کرے اور جوش کو ترک کر کے ہوش کو رہبر بنائے، یہ یقین پیدا کر کے کہ شوہر باہمی زندگی یا نظام منزلی کا صدر اور امیر ہے اس کی اطاعت اپنا فریضہ سمجھے۔ اگر اپنے صدر کی زیادتی کا شبہ ہو تو قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس کی زیادتی اس پر آشکارا کرے اور حزم واحتیاط اور انصاف کا جو تقاضا ہو اسے مہذب طور پر پیش کرے۔

اللہ نہ کرے اگر عورت نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تو پھر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعی زندگی کا سکون واطمینان جاتا رہے گا، ہر کام میں انتشار اور برہمی لازمی ہے اور میاں بیوی جس چھوٹی سی سلطنت کے ذمہ دار رکن ہیں وہ تباہ وبرباد ہو جائے گی اور اسی کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا کی نگاہ میں دونوں کی حیثیت اور دونوں کا وقار خاک میں مل جائے گا اور پوری قوم پہ یہ راز کھل جائے گا کہ ان دونوں میں سے کسی میں بھی گھریلو سلطنت چلانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اب کوئی بھی جلد ان کو اس حکومت کی رکنیت دینے پر راضی نہ ہوگا۔

شوہر کی تعظیم وتکریم:

مرد کی محبت اور صدارت کی وجہ سے عورت پر اپنے شوہر کی دلجوئی اور اس کی تعظیم وتکریم ازبس ضروری ہے، رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد:

«لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا»[1]

"کسی کو کسی آدمی کے سجدہ کا میں اگر حکم دیتا، تو پہلے عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔"

---

(1) ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأۃ : ۱۱۵۹۔ یہ حدیث شواھد کی بنا پر صحیح ھے۔ ارواء الغلیل : ۱۹۹۸۔ ابن ماجہ : ۱۸۵۲۔

کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی تعظیم وتکریم اور اس کی دلجوئی ضروری ہے۔ عقل بھی کہتی ہے کہ جس شوہر نے اپنے کو بیوی کی محبت میں سرشار کرلیا، اپنی کمائی اور جائداد بیوی کے آرام و عافیت کے لیے اس کے قدموں میں ڈال دی اور اپنے انس ومحبت کا مرکز بنالیا، اس کی دلجوئی اورعزت وتکریم عورت کا فریضہ ہے۔

رسمی تعظیم وتکریم تک ہی تعلق کافی نہیں ہے بلکہ اخلاص بھی ضروری ہے تاکہ شوہر کے قلب پر اثر پڑے اور یہ اپنی بیوی سے خوش رہے۔شوہر کی رضا کی ضرورت بیوی کو دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اَیُّمَا امْرَأَۃٍ مَاتَتْ وَ زَوْجُھَا عَنْھَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّۃَ))[1]

''جو عورت مرجائے اور اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو ہو جنت میں جائے گی۔''

اطاعت وفرماں برداری:

شوہر کی محبت اور اس کی رضا عورت اپنے ایثار اور فرماں برداری ہی سے خرید سکتی ہے، یعنی عورت جب اپنے شوہر کی ہر جائز بات پر گردن جھکاتی رہے گی، شوہر اس پر اپنی جان چھڑکتا رہے گا اور بیوی کے لیے وہ سارے جتن کرے گا جو ایک شریف مرد کرسکتا ہے، چنانچہ عورت کی خوبیوں میں شوہر کی جائز اطاعت کو بھی شمار کیا گیا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَۃُ خَمْسَھَا وَ صَامَتْ شَھْرَھَا وَ احَصَّنَتْ فَرْجَھَا وَ

---

[1] ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأۃ : ۱۱۶۱۔ ابن ماجہ : ۱۸۵۴، اگرچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن کہا ہے لیکن یہ روایت منکر ہے جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے وضاحت فرمائی ہے۔ (السلسلۃ الضعیفۃ : ۱۴۲۶)۔

اَطَاعَتُ بَعْلَهَا دَخَلَتُ مِنُ اَيِّ اَبُوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ تُ))[1]

''عورت جب پنج وقتی نماز پڑھے، رمضان کے مہینے کے روزے رکھے اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی فرماں بردار ہو تو وہ جنت کی دروازوں میں سے جس دروازہ سے چاہے، داخل ہو جائے۔''

نماز روزہ اور عفت وعصمت کی حفاظت کے ساتھ شوہر کی فرماں برداری بھی ضروری قرار دی گئی اور اس حدیث میں اشارہ کیا گیا کہ عورت پر جہاں حقوق اللہ کی بجا آوری ضروری ہے، شوہر کے حقوق کا لحاظ اور پاس بھی اس کا فریضہ ہے۔ شوہر کے حقوق سے چشم پوشی کر کے عورت کامیاب نہیں ہوسکتی۔

سید الکونین ﷺ سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ بہترین عورت کونسی ہے۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

((اَلَّتِيُ تَسُرُّهُ اِذَا نَظَرَ وَ تُطِيُعُهُ اِذَا اَمَرَ وَ لَا تُخَالِفُهُ فِيُ نَفُسِهَا وَ مَالِهَا بِمَا يَكُرَهُ))[2]

''شوہر جب اس کو دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے اور جب کسی (جائز) کام کا حکم دے، بجالائے اور وہ اپنی جان و مال میں ایسی مخالفت نہ کرے جو اس (کے شوہر) کو ناپسند ہو۔''

شوہر کے حقوق کی بجا آوری کی تاکید کا اس سے دلچسپ انداز اور کیا ہوسکتا ہے، گویا جو

---

① ابن حبان : ۴۱۶۳ ۔ احمد : ۱۹۱/۱۔ شواهد کی بنا پر یه حدیث حسن یا صحیح کے درجه تك پهنچ جاتی هے ۔ (آداب الزفاف : ص ۲۸۶)۔ شیخ شیعب ارناؤوط نے اس روایت کو شواهد کی وجه سے حسن لغیره قرار دیا هے۔ (مسند احمد : ۱۶۶۱)۔

② نسائی، کتاب النکاح، باب ای النساء خیر : ۳۲۳۳ ۔ یه روایت حسن درجه کی هے۔ (هدایة الرواة : ۳۰۷/۳)۔

عورت محسوس کرے کہ اس میں یہ خوبیاں نہیں ہیں وہ یقین کرے کہ سرور دوعالم ﷺ کے نزدیک بہتر نہیں ہے، سب کچھ ہے مگر جو اپنے خاتم الرسل ﷺ کی نگاہ میں بہتر نہیں نکمی اور محروم القسمت ہے۔

شوہر کی ناجائز بات میں اطاعت نہیں:

مگر یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ شوہر کی جائز اطاعت سے آگے نہ بڑھنا چاہیے یعنی عورت اپنے شوہر کی ان باتوں پر عمل نہ کرے گی جو رب العزت کے احکام کے خلاف ہوں۔ حدیث میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک انصاری خاتون ایک مرتبہ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں اور بتایا کہ میں نے اپنی لڑکی کی شادی کر دی ہے۔ اتفاق سے میری لڑکی کے بال گر گئے ہیں، اب میرے داماد کا تقاضا ہے کہ دوسرے بال علیحدہ سے لیکر اس کے بالوں میں شامل کر دیے جائیں کہ بدصورتی جاتی رہے۔ حضور ﷺ کا اس سلسلہ میں کیا ارشاد ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"ایسی عورت پر لعنت کی گئی ہے جو الگ سے بال لے کر اپنے بالوں میں جوڑے۔"①

شوہر کی خوشنودی:

ان امور میں بلاشبہ شوہر کا حکم بجا لائے گی جن میں شریعت کی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے۔ فرماں بردار بیوی کو حدیث میں بڑی گراں قدر نعمت قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث کو پڑھیے اور اندازہ لگایے کہ فرماں بردار بیوی کا اسلام میں کیا درجہ ہے:

((مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللّٰهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ اِنْ

---

① نسائی، کتاب الزینة، باب لعن الواصلة و المستوصلة : ۵۲۵۲ ـ مسند احمد : ۳۴۶/۶ ـ

اَمَرَهَا اَطَاعَتُهُ وَ اِنْ نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَ اِنْ اَقْسَمَ عَلَيْهَا اَبَرَّتْهُ وَ اِنْ غَابَ عَنْهَا نَصِحَتْهُ فِيْ نَفْسِهَا وَ مَالِهِ))[1]

''تقویٰ کے بعد مسلمان کے لیے بہترین چیز جواس کے لیے قابل استفادہ ہے وہ نیک عورت ہے کہ اگر اس کو شوہر حکم کرے ، بجالائے ،اس کو دیکھے تو خوش کردے،اس کوقسم دے تو پورا کر دکھائے اور اگر شوہر موجود نہ ہو اپنی ذات اور شوہر کے مال میں خیر خواہ بن کر رہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کے خوف کے بعد بہترین دولت نیک اور فرماں بردار بیوی ہے جو اپنے پیارے شوہر کی لاڈلی اس پر جان دینے والی،اپنے ہنس مکھ چہرے سے شوہر کا دل لبھانے والی، اس کے ایک ایک حکم پر اپنے کو نثار کرنے والی اور عصمت مآب ہو۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اگر شوہر اپنی بیوی کو حکم دے کہ سرخ پہاڑ سے سیاہ پہاڑ پر پتھر لے کر جائے اور سیاہ پہاڑ سے سرخ پہاڑ پر تو بیوی پر واجب ہے کہ وہ ایسا کرے۔''[2]

اسلام نے زن وشو کے رشتہ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنا چاہا ہے اور اس سلسلہ میں دونوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر ہر ایک کو اس کے لائق حقوق عطا کیے ہیں ۔بیوی پر شوہر کے جو حقوق ہیں وہ سب اسی لائق ہیں کہ عورت یہ دل وجان بجالائے۔

ایک دفعہ رسول ثقلین ﷺ نے فرمایا:

''عورت پر اپنے شوہر کی جائز فرماں برداری ضروری ہے۔''

---

① ابن ماجه، كتاب النكاح، باب افضل النساء: ١٨٥٧۔

② ابن ماجه، كتاب النكاح، باب حق الزوج على المرأة : ١٨٥٢۔ شیخ البانی نے حدیث کے مذکور الفاظ کو ضعیف قرار دیا ھے۔ضعیف ابن ماجه : ٣٦٣ ۔ ارواء الغليل : ٧/ ٥٨۔

بلکہ آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے:

''کوئی بیوی اس وقت تک ایمان کی مٹھاس سے لذت اندوز نہیں ہوسکتی ہے جب تک وہ اپنے شوہر کے جائز حقوق ادا نہ کرے۔''①

پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ شوہر اپنے پورے گھر کا نگران ہے جس میں بیوی بھی داخل ہے پھر نگران کے جائز حکم کی سرتابی کیونکر جائز ہوسکتی ہے۔

یہ احکام عورت بخوشی بجا لائے کہ عورت اپنے شوہر کی رفیق حیات اور شریک زندگی ہے اور ایک دوست کا فریضہ ہے کہ دوسرے دوست کے لیے ایثار وقربانی سے کام لے۔عورت جو کچھ کرے، رفیقہ حیات کی حیثیت سے اسے کرنا چاہیے۔اپنے کو غلام اور محکوم تصور نہ کرنا چاہیے۔

جنسی میلان میں حکم کی بجا آوری:

جنسی میلان کی تکمیل جو بظاہر دنیاوی امور میں سے ہے مگر اس سلسلہ میں بھی شوہر اپنی بیوی کو بلائے تو بیوی کی طبعی محبت کا تقاضا ہے کہ شوہر کی فرماں برداری کرے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِذَا دَعَا الرَّجُلُ زَوْجَتَهٗ لِحَاجَتِهٖ فَلْتَأْتِهٖ وَ اِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ))②

''شوہر جب اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لیے بلائے تو وہ فوراً اس کے لیے حاضر ہوجائے گو وہ تنور پر بیٹھی (روٹی پکا رہی) ہو۔''

بلکہ حدیث میں صراحت ہے کہ اگر اس سلسلہ میں بھی حکم نہ بجا لائے گی تو گنہگار رہو گی۔

---

① مفتاح الخطابة: ص ۱۸۵ عن الحاکم۔

② ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأة: ۱۱۶۰۔ ابن حبان: ٤١٦٥۔ نسائی فی السنن الکبری: ۸۹۷۱۔ امام ابن حبان رحمه الله نے اسے صحیح کہا ھے اور شیخ البانی رحمه الله نے بھی اسے صحیح کہا ھے۔ هداية الرواة: ۳۱۹۳۔

سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ اِلٰی فِرَاشِهِ فَأَبَتْ اَنْ تَجِيْءَ لَعَنَتْهَا الْمَلَآئِكَةُ حَتّٰی تُصْبِحَ))[1]

''شوہر جب اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔''

شرعی طور پر عورت کا شوہر کے مطالبۂ ہم بستری کو ٹھکرا دینا حرام ہے۔[2] یہ الگ بات ہے کہ خود شوہر کو بھی بیوی کے حالات کا لحاظ کرنا از بس ضروری ہے۔ صرف جنسی میلان کی خاطر عورت کی صحت کو نظر انداز کر دینا انسانیت اور اخلاق دونوں کے منافی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت کی صحت اجازت نہ دے تو پرہیز چاہیے:

((لَوْ تَضَرَّرَتْ مِنْ كَثْرَةِ جِمَاعِهِ لَمْ تَجُزِ الزِّيَادَةُ عَلٰی قَدْرِ طَاقَتِهَا))[3]

''اگر کثرت مباشرت عورت کے لیے مضر ہو تو ایسی حالت میں اس کی طاقت سے زیادہ ہم بستری مرد کے لیے جائز نہیں ہے۔''

بہرحال عورت اس باب میں بھی شوہر کے حکم کی پابند ہے۔ اسے نافرمانی کی اجازت نہیں ہے۔ اس حدیث سے بھی اس کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَصُوْمُ الْمَرْأَةُ وَ بَعْلُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهِ))[4]

''شوہر موجود ہو تو بغیر اس کی اجازت کے عورت نفلی روزے نہ رکھے۔''

ان سارے قوانین کا منشا یہ ہے کہ عفت وعصمت کا تحفظ ہو اور اخلاق واعمال پاکیزہ رہیں۔ ساتھ ہی زن وشو کے تعلقات مستحکم اور باہمی انس ومحبت قائم ودائم رہے۔

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب اذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها: ۵۱۹۳۔

[2] شرح مسلم: ۱/ ۴٦٤۔

[3] در محتار، باب القسم۔

[4] بخاری، کتاب النکاح، باب صوم المرأة باذن زوجها تطوعا: ۵۱۹۲۔

شوہر کی خوشنودی خیر القرون میں:

یہی وجہ تھی کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں عورتیں اپنے شوہروں کو خوش رکھنے کی بے انتہا سعی کرتی تھیں، شوہر کی ذرا سی ناراضی ان کے لیے سوہان روح بن جاتی تھی۔ شوہر کی بے رخی پر بھی وہ اپنا طرز عمل نہیں چھوڑتی تھیں۔

خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ ایک دن یہ اپنے ہاتھوں میں چاندی کے چھلے پہنے ہوئے تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھلوں کو ان کے ہاتھوں میں پہنے ہوئے دیکھ کر فرمایا: "عائشہ یہ کیا؟" بولیں، یہ آپ کی خوشنودی ہی حاصل کرنے کے لیے پہنے گئے ہیں۔ ①

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بیان کیا کہ میں ہر رات پہن اوڑھ کر اور آراستہ ہو کر لوجہ اللہ اپنے شوہر کے لیے دلہن بن جاتی ہوں اور ان کے پاس سو جاتی ہوں مگر پھر بھی وہ توجہ نہیں کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: "ان سے کہہ دو کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہیں۔"

ازواج مطہرات کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت:

اس طرز معاشرت کا نتیجہ یہ تھا کہ میاں بیوی میں بے حد محبت ہوتی تھی، ایک دوسرے پر جان دیتے تھے۔ خود ازواج مطہرات کی زندگی ملاحظہ فرمایے کہ ان کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر والہانہ محبت تھی، آپ جانتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک مالدار عورت تھیں مگر جب ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہو گئی تو انہوں نے اپنی کل دولت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کر دی، آپ کو کوئی درد و غم پیش آیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تڑپ اٹھیں اور آپ کو تسلی دی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی محبت بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشہور ہے آپ پر وہ اپنی جان

---

① اسوۂ صحابہ: ۱/۲۵۲۔

چھڑکتی تھیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا خود اپنے ہاتھوں سے دھویا کرتیں، آپ کو خوشبو ملا کرتیں۔آپ کی مسواک چبا دیا کرتیں اس کو حفاظت سے اٹھا کر رکھتیں، حد یہ ہے کہ قربانی کے جانور کے لیے خود اپنے ہاتھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قلادہ کی رسی بٹتی تھیں۔ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمبل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لائے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے توجہ دلانے سے معلوم ہوا کہ کمبل پر دھبہ ہے، آپ نے اسے اتار کر اندر بھیج دیا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود برتن میں پانی لے کر بیٹھ گئیں اور اپنے ہاتھوں سے اسے دھویا پھر خشک کر کے خدمت اقدس میں بھیجا۔ ①

صحابیات کی اپنے شوہروں سے محبت:

صحابیات رضی اللہ عنہن بھی اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں، اپنے شوہر کی خوشنودی پر جان دیتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی تھیں، ان کی شادی ...... ابوالعاص سے ہوئی تھی، ابوالعاص ابھی مسلمان بھی نہ ہوئے تھے کہ غزوہ بدر کا واقعہ پیش آ گیا،اس حق و باطل کی جنگ میں ابوالعاص کافروں کی طرف سے آئے تھے۔اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کو فتح عطا کی اور قریش کی ایک بڑی تعداد ان کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئی تو ان میں ابوالعاص بھی تھے۔آپ کی طرف سے جب فدیۂ رہائی کا اعلان ہوا تو ابوالعاص کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رہائی کے لیے اپنے گلے کا قیمتی ہار بھیج دیا۔یہ ہار حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی یادگار کی حیثیت سے تھا۔ ②

حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کے شوہر جہاد میں گئے اور اللہ کے دین کی بلندی کی خاطر جام شہادت نوش فرمایا۔حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ خبر پہنچی کہ ان کے شوہر تو غزوہ میں شہید ہو گئے

---

① اسوہ صحابہ : ۲۵۷/۱۔

② اسوۂ صحابہ : ۲۴۸/۱ ۔

ہیں تو ضبط نہ کر سکیں اور فرط محبت میں چیخ اٹھیں۔ ①

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی روزے کے دنوں میں فرط محبت سے اپنے لاڈلے شوہر کے سر کو بوسہ دیا کرتیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی کو طلاق کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے شوہر کی طرف سے جب مہر ملا تو وہ رو پڑیں اور فرمانے لگیں: ''جدا ہونے والے محبوب کے مقابلہ میں یہ رقم بالکل حقیر ہے۔ ②

ان حقائق کو غور سے پڑھا جائے اور پھر اندازہ لگایا جائے اسلام نے زن وشو کی زندگی کو کس بنیاد پر قائم رکھنا چاہا ہے۔کیا یہ حقیقت نہیں کہ بغیر محبت واطاعت رشتۂ نکاح بے روح جسد ہے۔

شوہر کا خیر مقدم خندہ روئی سے:

جو کچھ گزر چکا ،اس کی روشنی میں یہ ماننا پڑے گا کہ عورت کا فریضہ یہ بھی ہے کہ شوہر جب گھر میں داخل ہو تو بیوی شوہر کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرے، کیونکہ قدرت نے عورت کی مسکراہٹ میں ایسی عظیم الشان قوت عنایت کی ہے کہ شوہر بیوی کی مسکراہٹ دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے سارے غم بھول جاتا ہے اور اگر مرد تکان سے نڈھال ہو رہا تھا تو پھر بیوی کی تبسم آمیز گفتگو اور دلجوئی سے تازہ دم ہو جاتا ہے اور اس کی قوت عود کر آتی ہے۔

جو عورتیں اپنے شوہروں کے سامنے منہ بسورتی ہیں، وہ گھر کو قصدًا جہنم بنانا چاہتی ہیں اور شوہر کی زندگی کو گھن لگاتی ہیں ۔اس حدیث میں اسی طرف اشارہ گزر چکا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین عورت کی تعریف میں فرمایا:

---

① اسوۂ صحابہ: ١/ ٢٤٨۔

② اسوہ صحابہ: ١/ ٢٤٩۔

((اَلَّتِیْ تَسُرُّہٗ اِذَا نَظَرَ))①

''شوہر کی نگاہ جب بیوی پر پڑے،تو بیوی اس کو خوش کردے۔''

نیز اس طرح کے موقع پر بیوی شوہر کے سامنے آئے تو بن سنور کر اور صاف ستھرے لباس میں آئے۔ گھر، بستر اور دوسرے سامان کو شوہر کے سامنے صفائی کے ساتھ پیش کرے۔

شوہر اور گھر کی خدمت:

ضرورت کے وقت شوہر کی خدمت سے بھی نہ چوکے کہ ازواج مطہرات کی یہی زندگی تھی۔خود سرور کائنات ﷺ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی دستور تھا۔گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرلیا کرتیں ۔بخاری نے اپنی جامع میں ایک باب ہی باندھا ہے ''عمل المرأة فی بیت زوجها''عورت کا اپنے شوہر کے گھر میں کام کاج کرنااوراس ضمن میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چکی چلاتے چلاتے گھٹے پڑ گئے تھے۔②

محدثین نے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر بتایا ہے کہ عورتوں کو چاہیے کہ گھر کے معمولی کام کاج خود کرلیا کریں ۔حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب چکی چلاسکتی ہیں تو کیا یہ بعید ہے کہ آپ آٹا بھی گوندھتی ہوں ،روٹی بھی پکاتی ہوں ۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس حد تک فرماتے ہیں کہ بیوی پر اس وقت گھر کی خدمت لازم ہے جبکہ اس کا شوہر مالدار نہیں ہے۔خواہ بیوی بڑے سے بڑے گھر ہی کی چشم و چراغ کیوں نہ ہو۔③

غزوۂ تبوک میں جو تین بزرگ شریک نہ ہوسکے تھے اور جن کا سرور کائنات ﷺ کے حکم سے بائیکاٹ کیا گیا تھا، ان میں حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی تھے ۔کچھ دنوں بعد حضور ﷺ

---

① نسائی، کتاب النکاح، باب ای النساء خیر : ۳۲۳۳ ۔ یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔ ھدایة الرواة : ۳۲۰۸ ۔

② بخاری، کتاب النفقات، باب عمل المرأة فی بیت زوجها : ۵۳۶۱ ۔

③ دیکھیے عمدة القاری : ۶۴۵/۹ ۔ زادالمعاد:۳۲/۴۔

کا یہ فرمان جاری ہوا کہ ان کی بیویاں بھی اس وقت تک ان سے ترک تعلق کر لیں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فیصلہ نہ آجائے اس فرمان کے فوراً بعد ہی حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ میرے شوہر بوڑھے آدمی ہیں کوئی خادم نہیں ہے جو ان کی خدمت انجام دے سکے۔ لہذا حضور اجازت مرحمت فرمائیں تو میں ان کی خدمت کیا کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اس کی اجازت دے دی۔ ①

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت کا تفصیلی واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی کس قدر خدمت سرانجام دیا کرتی تھیں۔ ②

ضد اور ہٹ سے پرہیز:

عورتوں کا ایک بڑا عیب ضد اور ہٹ ہے۔ اس سے عورتوں کو بالکل اجتناب کرنا چاہیے۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں کوئی ایک بات بھی ان کی طبیعت کے خلاف پڑی، آگ بگولا ہو گئیں اور اٹھا پٹخ شروع کر دی، اس سے آپس کے تعلقات خراب ہوجاتے ہیں اور شوہر بیوی سے بددل ہوجاتا ہے اگر کوئی معقول بات ہو تو شوہر کو سمجھانے کی سعی کرے۔ منہ پھلانا، اور لڑنا بری بات ہے۔ شوہر کو گرم دیکھے تو خود نرم ہو اور اپنی گرمی کا اظہار ضروری ہی سمجھے اور جی نہ مانے تو گرمی نکال لے مگر تعلقات پر ان باتوں کا اثر نہ آنے دے۔

مرد کی زیادتی اور بددماغی سے معاملہ پڑے تو ہوش وخرد سے کام لے، عجلت نہ کرے، کچھ دب کر ہی سہی صلح کر لے تو عورت کے لیے مفید ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

---

① بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوک: ٤٤١٨۔

② زادالمعاد: ٤/٣٢۔

وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (النساء: ۱۲۸)

''اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بد دماغی اور بے پروائی کا ہو تو دونوں کو کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے۔''

عفت و عصمت کے تحفظ کے لیے چند ضروری قوانین

گزشتہ مباحث اگر آپ نے غور سے پڑھے ہوں گے تو یہ بات آپ پر روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہوگی کہ اسلام نے اپنے قوانین میں میاں بیوی کے درمیان محبت، یگانگت اور جذبۂ ایثار کی بے انتہا رعایت ملحوظ رکھی ہے تاکہ نکاح کے جو مقاصد ہیں وہ روئے زمین پر ظاہر ہوں اور انسانیت اطمینان وسکون کا سانس لیتی رہے، کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے زن و شو کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو سکے اور اس طرح عفت و عصمت اور اخلاق کی مٹی پلید ہو۔

یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کے حقوق دوسرے پر اس طرح جتائے گئے ہیں کہ اگر دونوں اپنے فرائض ادا کرتے رہیں تو پھر باہمی رنجش اور کشیدگی کی کبھی نوبت نہ آنے پائے۔

میاں بیوی کی محبت میں حائل ہونے کی مذمت:

قوم کو بھی ان تمام حرکتوں سے سختی کے ساتھ اسلام نے روکا ہے جو مرد اور عورت کے تعلقات کو خراب کرتی ہوں۔ قرآن پاک جادو کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی سب سے بڑی برائی یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے میاں بیوی میں تفریق پیدا کرتے تھے:

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ

(البقرة: ۲ - ۱۰)

''سو وہ لوگ ان دونوں سے ایسا سحر (جادو) سیکھ لیتے تھے کہ اس کے ذریعہ کسی مرد

اوراس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے۔''

پھراس جادو کا انجام ذکر کرتے ہوئے قرآن ہی میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ

(البقرۃ: ۱۰۲)

''اورضرور یہ بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے، ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔''

میاں بیوی کی تفریق سے شیطان کی مسرت:

جس کا ماحصل یہی ہوا کہ میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنا بڑا گناہ ہے اور ایسا شخص آخرت کی نعمتوں سے محروم رہے گا۔ سید الکونین محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ ابلیس اور اس کی ذریات کی شیطنت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''ابلیس اپنا تخت شاہی بچھا کر جلوہ افروز ہو جاتا ہے اور اپنی شیطانی فوج کو انسانوں میں بھیجتا ہے تاکہ ان میں فتنے برپا کرے، چنانچہ شیطانی فوج اپنی خدمات کی انجام دہی پر روانہ ہوجاتی ہے اور ابلیس اس فوج میں اس کو زیادہ نوازتا ہے۔ جس نے سب سے بڑھ کر فتنہ برپا کیا ہو، شیطانی فوج جب اپنی فتنہ گری سے واپس آتی ہے تو ان میں سے ہر ایک اپنے سردار کے روبرو ایک رپورٹ پیش کرتا ہے کہ میں نے یوں کیا، میں نے یوں کر ڈالا اور میں نے یہ عظیم الشان کام سرانجام دیا۔ اسی سلسلہ میں ایک شیطان آگے بڑھتا ہے اور اپنے سردار کے روبرو آ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے:

''میں نے اپنی ڈیوٹی بڑی تندہی سے ادا کی اور اس وقت تک اطمینان کی سانس نہ لی جب تک میں نے میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنے کی کامیابی حاصل نہ کر لی۔''

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ابلیس یہ رپورٹ سن کر خوشی سے اچھل پڑتا ہے اور اس

شیطان کو اٹھ کر سینہ سے چمٹا لیتا ہے اور تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے، تو نے خوب کیا اور سب سے بازی لے گیا۔"[1]

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

"میاں بیوی کی تفریق اور پھوٹ سے شیطان کی مسرت کی وجہ یہ ہے کہ وہ زنا کی کثرت کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ حرامی بچے پھیلیں اور زمین پر فتنہ و فساد کی گرم بازاری ہو۔"[2]

زن و شو کے تعلقات بگاڑنے کی مذمت:

کسی ذی عقل پر یہ بات راز نہیں ہے کہ میاں بیوی کی باہمی کشیدگی اور علیحدگی سے کیا برائیاں پیدا ہوتی ہیں، اس لیے اس شخص کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے، جو بالقصد میاں بیوی کے تعلقات خراب کرنے کی فکر میں منہمک رہتا ہے اور بیوی کو شوہر سے اور شوہر کو بیوی سے بدظن کرنے کی سعی کرتا ہے، یہ انسان نہیں انسانیت کا دشمن ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ الْمَرْأَةَ عَلٰى زَوْجِهَا))[3]

"جس نے کسی عورت کی اس کے شوہر کے سامنے چغلی کھائی وہ ہم میں سے نہیں۔"

جو دین ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے اور منتشر افراد کی شیرازہ بندی کرنے آیا ہو، اس دین کا

---

① مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان و بعثه سرایا لفتنة الناس: ۲۸۱۳۔

② حاشیه مشکوٰة عن المرقاة: ص ۱۸۔

③ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی من خبب مملوکا علی مولاه: ۵۱۷۰۔ نسائی فی السنن الکبری: ۹۲۱۴۔ حاکم: ۱۹۶/۲۔ امام حاکم رحمه الله نے اسے صحیح کہا ہے اور شیخ البانی رحمه الله نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ السلسلة الضعیفة: ۳۲۴۔

پیرو اگر ایسا کرتا ہے جس سے پھوٹ پڑتی ہے اور کشیدگی بڑھتی ہے تو واقعہ ہے کہ اس میں اپنے دین کی کوئی خو بو نہیں۔

بالخصوص میاں بیوی کے تعلقات کو بگاڑنا جس سے بنا بنایا گھر برباد ہو۔عصمت وعفت کو خطرہ لاحق ہو اور اخلاق واعمال کے گندہ ہونے کا اندیشہ ہو، کسی پیرو اسلام کے شایان شان نہیں۔

رشتۂ نکاح کے ختم کرنے کی اجازت:

رشتۂ نکاح کے قیام کا منشا تو بلاشبہ یہی ہے کہ عورت اور مرد اس رشتہ میں منسلک ہوکر عفت کی زندگی گزاریں اور تاحیات اس بندھن کو کھلنے نہ دیں مگر کبھی زندگی میں ایسا موڑ بھی پیش آجاتا ہے کہ وہاں اس رشتہ کا ختم کرنا ہی سودمند ہوتا ہے۔

ہم رشتۂ ازدواج کے قیام کی بحث میں اس طرف اشارہ کر آئے ہیں کہ شادی کرنے سے پہلے عورت اور مرد میں سے ہر دوسرے کے حالات معلوم کرلیں، ممکن حد تک دیکھ بھال کرلی جائے اور طرفین کو جب ہر طرح تشفی حاصل ہوجائے تو یہ رشتہ وجود میں لایا جائے تاکہ یہ رشتہ زیادہ سے زیادہ مضبوط ثابت ہو اور زن وشو میں اخوت ومحبت قائم رہ سکے، لیکن کوئی شبہ نہیں کہ بایں ہمہ کوئی ایسی بات پیش آجاتی ہے کہ جو نکاح کے مقاصد ہیں وہ پورے ہوتے نظر نہیں آتے، ان مشکلات میں اسلام نے کچھ ایسے معتدل قوانین نافذ کیے ہیں جن پر عمل کرنے سے عفت وعصمت پر جو خطرات منڈلانے لگتے ہیں۔وہ ٹل جاتے ہیں اور عورت و مرد اطمینان کی زندگی گزارنے کا راستہ پالیتے ہیں۔

ناگہانی مصائب

بظاہر زن وشوئی کے تعلقات کی باگ ڈور مرد ہی کے ہاتھ میں معلوم ہوتی ہے اور عورت مجبور محض معلوم ہوتی ہے، لیکن ایسی بات ہرگز نہیں، عورت کے لیے قاضی کی مجلس بااختیار قرار دی گئی ہے۔جس عورت پر اگر کوئی ناگہانی افتاد آپڑے یا شوہر کے مظالم سے عاجز ہو تو قاضی

عورت کو اس کے شوہر سے نجات دلا سکتا ہے اور اس کی افتاد کی تدبیر کر سکتا ہے۔

شوہر کا نامرد ہونا:

دنیا میں یہ کوئی عجیب وغریب معاملہ نہیں ہے کہ کبھی کسی عورت کا شوہر مرد کی شکل میں رہتے ہوئے بھی عورت کے جنسی میلان کی تکمیل سے مجبور ہوتا ہے۔ مرد اس قابل نہ ہو کہ اس کی بیوی اس سے اپنے داعیات فطرت کی تسکین کر سکے، اس حالت میں اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے علیحدہ ہونا چاہے اور شوہر اس کے لیے آمادہ نہ ہو تو اسلام نے اس کے لیے قاضی کی مجلس کو اختیار دیا ہے۔ عورت قاضی کا دروازہ کھٹکھٹائے اور اپنا مقدمہ پیش کر دے۔ قاضی اس کے شوہر کو نوٹس دے گا اور حالات کی تحقیقات کرے گا، اگر مرد عنین (نامرد) ثابت ہوگا تو قاضی اس کو پہلے ایک سال کی مہلت دے گا کہ وہ اپنا علاج و دوا کرے اگر مرد کار آمد ثابت ہوگا تب تو خیر! ورنہ ناکامی کی صورت میں تفریق کر دے گا۔ حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

((مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً فَلَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَّمَسَّهَا فَاِنَّهٗ يُضْرَبُ اَجْلٌ سَنَةً فَاِنْ مَّسَّهَا وَ اِلَّا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا))[1]

''جو کسی عورت سے شادی کرے اور اس کو عورت سے ہم بستر ہونے کی قدرت نہ ہو تو اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی اگر اس کے بعد ہم بستر ہو سکا، تب خیر، ورنہ ان دونوں میں تفریق کر دی جائی گی۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ نامرد (عنین) شوہر کو علاج کے لیے ایک سال کی جو مہلت دی جائے گی وہ کب سے؟ رخصتی کے دن سے یا اس دن سے کہ قاضی کے یہاں مقدمہ آیا۔ ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

---

[1] مؤطا، کتاب الطلاق، باب اجل الذی لا یمس امرأته: ۱۰۶۹۔

((بَلْ مِنْ یَوْمٍ تُرَافِعُهُ اِلَی السُّلْطَانِ))[①]

''سلطان کے پاس مقدمہ کی پیشی کے دن سے۔''

بہرحال اس طرح عورت اپنے عنین (نامرد) شوہر سے علیحدہ ہوسکتی ہے اور پھر شریعت کی روشنی میں دوسری شادی کرسکتی ہے۔

شوہر کا مجنون ہونا:

اسی طرح اگر کسی عورت کا شوہر مجبوب ہو، یعنی اس کا عضو تناسل کٹ جائے اور عورت کے جنسی میلان کی تکمیل کے لائق باقی نہ رہے تو عورت ایسے شوہر سے اسی ترکیب سے باآسانی علیحدہ ہوسکتی ہے، بلکہ اتنی اس میں سہولت اور ہے کہ ایک سال کی تاخیر بھی نہ ہوگی، درخواست پاتے ہی قاضی تحقیق حال کرے گا اور عورت کو مرد سے علیحدہ کر دے گا۔ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ عنین وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((فَاِنْ كَانَ عِنِّيْنًا اَجَّلَهُ الْحَاكِمُ حَوْلًا ، فَاِنْ وَصَلَ اِلَيْهَا وَ اِلَّا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا اِنْ طَلَبَتِ الْمَرْأَةُ ذٰلِكَ ...... وَ اِنْ كَانَ مَجْبُوْبًا فَرَّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ وَ لَمْ يُؤَجِّلْهُ))[②]

''اگر کسی کا شوہر نامرد ہو تو حاکم اسے دوا اور علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دے گا اگر وہ عورت کے لائق ہو گیا تب تو خیر ورنہ ان دونوں میں عورت کے مطالبہ پر تفریق کر دی جائے گی اور اگر مقطوع الذکر (جس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہو) تو قاضی بغیر مہلت کے فوراً تفریق کردے گا۔''

خصی شوہر کا حکم:

خصی شوہر کا حکم بھی عنین ہی جیسا ہے یعنی مرد اپنے کو خصی کرا کے اس لائق بنا لے کہ اس

---

① المصفیٰ علی مؤطا: ۲/۲۳۔

② قدوری مصری کتاب النکاح: ص ۷۱۔

میں جنسی میلان باقی نہ رہے اور اس طرح وہ عورت کے لیے ناکارہ ثابت ہو تو قاضی کے پاس عورت درخواست دے، قاضی فوراً شوہر کی حالت کی تحقیق کرے گا، علاج کے لیے ایک سال کا موقع دے گا اور اگر اس کے بعد بھی نکما ہی باقی رہے گا تو قاضی عورت کو اس مرد سے جدا کر دے گا۔

((وَالْخَصِيُّ يُوَجَّلُ كَمَا يُوَجَّلُ الْعِنِّيْنُ))[1]

''شوہر خصی کو عنین کی طرح ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔''

فروعات میں نہیں جانا بلکہ یہ بتانا ہے کہ اسلام نے ان تمام صورتوں کی راہ پیدا کی ہے جن صورتوں میں عورت کو عصمت کا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے، کوئی ایسی شکل باقی نہیں رکھی کہ عورت معصیت کے لیے اپنے آپ کو مجبور پائے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کا ارشاد:

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بحث کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

((وَالْقِيَاسُ اِنَّ كُلَّ عَيْبٍ يَنْفِرُ الزَّوْجُ الْآخَرُ وَ لَا يَحْصِلُ بِهِ مَقْصُوْدُ النِّكَاحِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَالْمُوَدَّةِ يُوْجَبُ الْخِيَارُ))[2]

''قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وہ عیب جس کی وجہ سے زن وشو میں یکجہتی باقی نہ رہ سکے اور نکاح کا مقصد جو محبت ومودت ہے فوت ہوجائے تو ایسی حالت میں علیحدگی کا اختیار دینا ضروری ہوجاتا ہے۔''

بعض جزئیات میں ائمہ کا باہمی اختلاف ہے، مگر یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ کوئی ایسی صورت اسلام نے برداشت نہیں کی ہے کہ مرد اور عورت میں کوئی اپنے آپ کو بدکاری کے لیے مجبور محسوس کرے۔

---

[1] قدوری مصری کتاب النکاح: ص ۷۱۔

[2] زاد المعاد: ۴/ ۳۱۔

اسلام کا قانون خلع:

اسی طرح کے نازک وقت کے لیے اسلام نے کشمکش کی آخری شکل میں ''خلع'' کی اجازت بخشی ہے، ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کے لیے پیش بندی کے طور پر سختی کے ساتھ خلع سے روکا ہے۔ رحمت عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ مَا بَأْسَ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ))①

''جو عورت خواہ مخواہ معمولی باتوں میں اپنے شوہر سے طلاق چاہتی ہے۔ اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔''

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمُنْتَزِعَاتُ وَ الْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ))②

''شوہر سے علیحدہ ہونے والی اور خواہ مخواہ خلع کی طالب عورتیں منافق ہیں۔''

ان حدیثوں کا منشا یہی ہے کہ عورتیں خواہ مخواہ اپنے شوہروں سے جدائی کی خواہش نہ کریں۔ تلذذ کی خاطر ایسا کرنا اسلام کے ایک عظیم الشان قانون کو بازیچۂ اطفال بنا لینا ہے۔ لیکن اگر واقعی عورت دیانت داری سے یہ محسوس کرے کہ اگر خلع کی صورت اختیار نہ کی گئی تو رب العزت کے قائم کردہ حقوق باقی نہ رہ سکیں گے اور عورت کو ظن غالب ہے کہ موجودہ تعلقات دین و دنیا کے لیے مضر ہیں تو ایسی مجبوری اور نزاکت کے وقت عورت خلع کے قانون سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

---

① ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الخلع: ۲۲۲۶۔ ترمذی: ۱۱۸۷۔ ابن ماجه: ۲۰۵۵۔ اس حدیث کی سند جید هے۔ ارواء الغلیل: ۲۰۳۵۔

② نسائی، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی الخلع: ۳۴۹۱۔ اس حدیث کی سند صحیح هے۔ السلسة الصحیحة: ۶۳۲۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ
[البقرة: ٢٢٩]

''سو اگر تم لوگوں کو احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط الٰہیہ کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے۔''

عہد نبوی میں خلع:

گو حدود اللہ کے عدم قیام کی شرط کے ساتھ خلع کی اسلام نے اجازت دی ہے، اس سے پہلے ہرگز اجازت نہیں ہے۔خلع کی مثال عہد نبوی ﷺ میں موجود ہے۔حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ حبیبہ بنت سہل انصاری رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئی تھیں۔ایک صبح سویرے آنحضرت ﷺ فجر کی نماز کے لیے نکلے، دروازے پر پہنچے تو دیکھا ایک عورت کپڑے میں لپٹی، سمٹی ہوئی کھڑی ہے۔صبح کی تاریکی ابھی باقی تھی۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''آپ کون ہیں؟'' آواز آئی یارسول اللہ! میں سہل کی بیٹی حبیبہ ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ حضرت حبیبہ نے کہا نہ تو میں ثابت بن قیس کے ساتھ ہوں اور نہ ثابت میرے ساتھ یعنی ہم دونوں میاں بیوی میں اتفاق و نباہ کی امید باقی نہیں رہی۔آپ ﷺ نے یہ قصہ سن لیا اور نماز کے لیے روانہ ہوگئے۔حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جب خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''یہ حبیبہ بنت سہل انصاری ہیں، اللہ تعالیٰ کو جو منظور تھا، اسے آ کر انہوں نے یہاں بیان کیا۔'' حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے مہر کی واپسی پر بھی اپنی آمادگی ظاہر کر دی اور درخواست کی کہ شوہر کا عطیہ موجود ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ثابت سے فرمایا: ''اپنا عطیہ واپس لے لو۔'' یہ سن کر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے بیوی سے اپنا عطیہ واپس لے لیا اور اس طرح دونوں میں جدائی ہوگئی۔

بخاری میں ہے کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر بیان دیا:

((یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ ثَابِتُ بْنُ قَیْسٍ مَا اَعْتِبُ عَلَیْہِ فِیْ خُلُقٍ وَ لَا دِیْنٍ وَلٰکِنِّیْ اَکْرَہُ الْکُفْرَ فِی الْاِسْلَامِ))

''یارسول اللہ! میں ثابت بن قیس کو ان کے اخلاق و دین میں عیب نہیں لگاتی لیکن بات یہ ہے کہ میں اسلام میں کفر کی بات پسند نہیں کرتی۔''

یہ سن کر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: ''تم ان کا باغ واپس کرنے پہ تیار ہو؟'' ثابت رضی اللہ عنہ کی بیوی نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ معلوم کر کے آپ ﷺ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا:

((اِقْبَلِ الْحَدِیْقَةَ وَ طَلِّقْهَا تَطْلِیْقَةً وَاحِدَةً)) [1]

''باغ لے لے اور اس کو ایک طلاق دے دے۔''

بخاری نے یہ واقعہ جو بیان کیا ہے، یہ ہے تو ثابت رضی اللہ عنہ ہی کی بیوی کا مگر حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نہیں ہے بلکہ ان کی دوسری بیوی جمیلہ بنت سلول کا ہے۔ ابن ماجہ میں یہی واقعہ جمیلہ کے نام کے ساتھ مذکور ہے۔ [2]

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کوتاہ قد، بدصورت اور تیز مزاج تھے، اس لیے کسی عورت کی نگاہ میں سماتے نہیں تھے۔ بعض روایات میں ان کی بیوی کا ان کے باب میں بڑا سخت جملہ ہے۔ [3]

حدیث کی کتابوں میں خلع کے اور واقعات بھی مذکور ہیں یہاں تفصیل مقصود نہیں۔

مفقود الخبر کی بیوی کا حکم:

عورت اس وقت بھی مشکلات میں نظر آتی ہے جب اس کا شوہر لاپتہ ہو جائے نہ یہی معلوم ہو کہ مر گیا اور نہ یہی پتہ چلے کہ زندہ ہے اور ہے تو کہاں ہے؟ ایسے وقت عورت کیا

---

[1] بخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع و کیف الطلاق فیه : ۵۲۷۳۔

[2] دیکھیے ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب المختلعة یأخذ ما اعطاها : ۲۰۵۶۔

[3] دیکھیے ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب المختلعة یأخذ ما اعطاها : ۲۰۵۶۔

کرے، یہ ایک اہم سوال ہے۔

کوئی شبہ نہیں، یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے مگر اس سلسلہ میں علماء راسخین کا جس پر فتویٰ ہے وہ یہ ہے کہ عورت اپنے مفقود الخبر شوہر کا چار سال انتظار کرے گی، اس عرصہ میں بھی کوئی پتہ نہ چلے تو چار سال بعد عدت وفات چار ماہ گزارے گی اور اس کے بعد شرعی حدود میں رہ کر دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

((اَیُّمَا امْرَأَۃٍ فَقَدَتْ زَوْجَھَا فَلَمْ تَدْرِ اَیْنَ ھُوَ؟ فَاِنَّھَا تَنْتَظِرُ اَرْبَعَ سِنِیْنَ ثُمَّ تَعْتَدُّ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَ عَشْرًا ثُمَّ تُحِلُّ))[۱]

’’جس عورت کا شوہر کھو جائے اور پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں ہے تو ایسی عورت چار سال انتظار کرے اور پھر چار مہینے دس دن عدت کے دن گزارے اور حلال ہوجائے۔‘‘

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔ علماء احناف نے اس قول پر فتویٰ کی اجازت دی ہے۔ اس سلسلہ میں صاحب جامع الرموز، صاحب الدر المنتقیٰ اور صاحب رد المختار کا خصوصیت سے نام لیا جاتا ہے۔ علمائے ہند میں حکیم الامۃ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالحی فرنگی رحمۃ اللہ علیہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جن بزرگوں نے دلیل کے ساتھ اسے تسلیم کیا ہے۔[۲]

---

۱ مؤطا، کتاب الطلاق، باب عدۃ التی تفقد زوجھا : ۵۲۔

۲ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے :عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایہ:۲/۳۹۳،اور مسویٰ علی المؤطا:۲/۶۸،۶۹۔

اسلام کا قانون طلاق اور عفت وعصمت کی حفاظت

طلاق کا مسئلہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے یعنی اگر مرد اور عورت کا تعلق ازدواج ناکام ہوجائے، حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے زن وشو میں صلح وآشتی اور اتحاد واتفاق کی زندگی محال ہوجائے تو ایسے موقع پر مرد اپنی مرضی سے عورت کو علیحدہ کرسکتا ہے۔ مگر یہ بالکل آخری شکل ہے۔

طلاق کا قانون یہود میں:

اسلام نے طلاق کا جو ضابطہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس کی تفصیل سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ طلاق کی اجازت اور گنجائش دوسرے مذاہب وادیان میں بھی ہے۔ یہود کے یہاں طلاق میں بہت ڈھیل ہے۔ شوہر کی خواہش ہی طلاق کے لیے کافی سمجھی گئی ہے۔ یعنی شوہر اگر چاہے کہ موجودہ بیوی کو علیحدہ کر دے اور اس سے خوبصورت عورت سے شادی کرلے تو اس کو طلاق کی اجازت ہوگی۔ اسی طرح عورت کے معمولی معمولی عیوب بھی وجہ طلاق بن سکتے ہیں مثلاً عورت کی دونوں آنکھیں برابر نہ ہوں، چھوٹی بڑی ہوں، عورت کی بغل سے بو آتی ہو، لنگڑی یا کبڑی ہو یا بانجھ ہو۔ جس طرح یہ خلقی عیوب طلاق کی وجہ کے لیے کافی سمجھے گئے ہیں اسی طرح کچھ اخلاقی عیوب بھی، جیسے سخت مزاج ہو، زیادہ بولنے والی ہو، بے ادب ہو، لالچی ہو، کھانے میں نفاست پسند نہ ہو، اس کی خوراک زیادہ ہو اور اسی طرح کے دوسرے عیوب۔ [1]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے سعادۃ الزوجین جلد ۳، احکام الطلاق عند اسرائیلین اور نداء للجنس اللطیف : ص ۹۷۔

مردوں کو طلاق کے لیے اتنے وسیع اختیارات مگر عورت کے ساتھ یہ ظلم ہے کہ وہ مرد کے ہزاروں عیوب کے بعد بھی مرد سے علیحدگی کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔

قانون طلاق عیسائیوں میں:

عیسائیت میں سرے سے یہ جائز ہی نہیں تھا کہ طلاق کسی وجہ سے بھی دی جائے، رشتہ نکاح دوامی سمجھا جاتا تھا۔موت کے سواجدائی کی کوئی اور وجہ ناممکن تھی اور یہ ساری سختی حضرت مسیح علیہ السلام کے اس قول سے اخذ کی گئی تھی:

''جسے خدا نے جوڑا، اسے آدمی جدا نہ کرے۔''①

حالانکہ اس قول کا یہ مطلب سرے سے غلط تھا، یہ ایک اخلاقی ہدایت تھی اور منشا بے وجہ طلاق دینے کو روکنا تھا کیونکہ خود متی کی دوسری آیت میں ہے:

''جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسرا بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔''②

اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ بوقت ضرورت طلاق دی جاسکتی ہے مگر مسیحی علماء نے اس کو پہلی آیت سے متعارض سمجھ کر یہ تاویل کی کہ بعد کا اضافہ ہے، اس دوسرے قول پر عمل جائز نہ ہوگا اور بعض مسیحی علماء نے یہ مطلب اخذ کیا:

''حرام کاری کی صورت میں میاں بیوی میں تفریق کرا دی جائے مگر رشتۂ نکاح بدستور قائم رہے۔ یعنی مرد اور عورت میں سے کوئی اس تفریق کے بعد دوسری شادی نہیں کرسکتا۔''

آپ یہ سن کر حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ صدیوں مسیحی دنیا اسی قانون پر عامل رہی، ایک تو طلاق ہی ناجائز سمجھی جاتی تھی اور جن لوگوں کے یہاں طلاق جائز تھی ان کے یہاں فیصلہ

---

① متی ۱۹ : ٦۔

② متی ۱۹ : ۹۔

یہ تھا کہ اب مرد اور عورت دونوں تجرد کی زندگی گزاریں۔ بعد میں مشرقی کلیسا نے کچھ صورتیں رشتۂ نکاح کے ختم کرنے کی نکالیں، مگر مغربی مذہبی پیشواؤں نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور وہ کلیسائے روم کی ہی فقہ پر عامل رہے کہ موت کے سوا کوئی دوسرا سبب اس رشتہ کو منقطع نہیں کرسکتا۔ تقریباً پندرہ سو سال تک عیسائیوں کو کلیسا کے اس ظالمانہ اور جابرانہ قانون کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا رہنا پڑا۔

قانون طلاق کی اصلاح:

سولہویں صدی سے طلاق کے قانون کی اصلاح کی آواز اٹھی مگر نتیجہ کے اعتبار سے کچھ زیادہ سود مند ثابت نہ ہوئی۔ انگلستان میں ۱۸۵۷ء سے پہلے تک جب تک زنا اور ظالمانہ برتاؤ نہ ثابت کیا جائے، قانونی تفریق کا فیصلہ بھی نہیں ملتا تھا، اگر کسی نے یہ دو جرم ثابت کر دیے تو قانونی تفریق حاصل ہوتی۔ لیکن اس کو اب بھی دوسری شادی کی اجازت نہیں تھی اور ہر حال میں شرط یہ تھی کہ مقدمہ عدالت میں پیش ہو اور عدالت ہی فیصلہ کرے اور پھر مرد اور عورت میں سے جو بھی طلاق کا خواہشمند ہو، اس پر ضروری تھا کہ دوسرے پر زنا ثابت کرے اور اگر عورت فریادی ہے تو مرد پر زنا کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ بھی۔ یہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قانون نے یہ بھی حق دیا تھا کہ مرد اپنی بیوی کے ناجائز دوست سے ہرجانہ یا یوں کہیے کہ:

''بیوی کی عصمت کا معاوضہ وصول کرسکتا ہے۔''

۱۸۶۶ء کے قانون میں عدالت کو حق دیا گیا کہ خطا کار شوہر پر مطلقہ عورت کے نفقہ کا بوجھ بھی ڈال دے اور ۱۹۰۷ء میں ''خطا کار'' کی شرط بھی ختم کر دی گئی یعنی میاں بیوی میں مکمل جدائی کے باوجود عدالت کو حق تھا کہ مرد سے مطلقہ بیوی کو نفقہ دلوائے۔

۱۸۹۵ء میں طے کیا گیا کہ شوہر کے ظلم و جور کی وجہ سے اگر عورت گھر چھوڑ کر چلی جائے اور شوہر سے الگ کسی دوسری جگہ رہنا شروع کر دے تو عدالت شوہر کو بیوی کے پاس جانے سے روک دے گی مگر بیوی کو شوہر سے نفقہ دلائے گی۔ اسی قانون میں یہ بھی طے کیا گیا کہ

عورت اگر شوہر کی بے پروائی اور بدسلوکی کی وجہ سے زنا کی مرتکب ہوئی اور شوہر نے بیوی پر مقدمہ کر کے طلاق کا مطالبہ کیا تو عدالت شوہر کے مقدمہ کو خارج کر دے گی۔

رپورٹ شاہی کمیشن:

۱۹۱۰ء میں ایک شاہی کمیشن مقرر کیا گیا کہ وہ طلاق و نکاح کے مسائل و معاملات پر غور کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے تو اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اور چیزوں کے ساتھ ساتھ اس کی بھی سفارش کی کہ:

''اسباب طلاق کے اعتبار سے مرد اور عورت دونوں کو مساوی قرار دیا جائے یعنی جن وجوہ کی بنیاد پر مرد کو طلاق دینے کا حق حاصل ہے، انہی وجوہ کی بنا پر عورت بھی طلاق حاصل کرنے کی مستحق ہے۔''

۱۹۲۳ء کے قانون میں اسے شامل کر لیا گیا۔ اس قانون کی رو سے مرد اگر ایک مرتبہ بھی زنا کا ارتکاب کرے تو عورت مرد سے طلاق لے سکتی ہے۔

ایک تو اصلاح ہی ناقص ہوئی اور دور اندیشی کا پورے قانون میں کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ دوسری طرف ظلم یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں نے اس کو بھی برداشت نہ کیا۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ ۱۹۳۰ء میں صریح الفاظ میں یہ فیصلہ کیا گیا:

''ہم کسی ایسے مرد اور عورت کا نکاح نہیں پڑھا سکتے جس کا سابق شریک حیات زندہ ہے۔''[1]

انسانی قانون کا انجام:

مختصر یہ کہ یہود کے یہاں افراط تھی تو عیسائیوں نے تفریط سے کام لیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ جونہی قانون نے طلاق کی معمولی اجازت دی، طلاق بکثرت ہونے لگی۔ مندرجہ ذیل

---

① عیسائی طلاق کا بڑا حصہ حقوق الزوجین ضمیمہ نمبر ۲ سے ماخوذ ہے۔

اعداد سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

”سین کی عدالت دیوانی نے ایک مرتبہ صرف ایک تاریخ میں دو سو چورانوے (۲۹۴) نکاح فسخ کیے۔۱۸۴۴ء میں جب طلاق کا نیا قانون پاس ہوا تھا چار ہزار طلاقیں واقع ہوئی تھیں۔۱۹۰۰ء میں یہ تعداد ساڑھے سات ہزار تک پہنچی۔۱۹۱۳ء میں سولہ ہزار اور ۱۹۳۱ء میں اکیس ہزار۔“①

جج لنڈسے لکھتا ہے:

”۱۹۲۲ء میں ڈنور میں ہر شادی کے ساتھ ایک واقعہ تفریق کا پیش آیا اور دو شادیوں کے مقابلہ میں ایک مقدمہ طلاق کا پیش ہوا۔ یہ حالت محض ڈنور ہی کی نہیں ہے، امریکہ کے تمام شہروں کی قریب قریب یہی حالت ہے۔“

آرتھر گارفیلڈ ہیس ای۔اے۔ایل۔ایل۔بی، ایک مقالہ میں لکھتے ہیں:

”بیس سال قبل ہر سات شادیوں میں ایک طلاق ہونے لگی۔اب اعداد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ولایات متحدہ میں ہر تین شادیوں میں ایک طلاق ہونے لگی...... یہ شرح کچھ عرصہ سے برابر بڑھتی جا رہی ہے۔“

”انگلستان کی ایک عدالت جب تعطیل کے بعد کھلی تو پہلے ہی روز چار ہزار ایک سو نو درخواستیں طلاق کی پیش ہوئیں۔“

جاہلیت کا قانونِ طلاق:

اسلام سے پہلے جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ مرد عورتوں کو متعدد طلاقیں دیتے اور رجوع کر لیتے اور اس طرح برسوں عورتوں کو ستاتے تھے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک شخص جتنی دفعہ چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیتا اور عدت کے اندر رجوع کر لیتا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عورت اس مرد کی زوجیت سے نہیں نکل سکتی تھی۔ایک مرد سو سے زیادہ دفعہ طلاق دیا کرتا تھا۔

---

① پردہ: ص ۵۹۔

اس افراط وتفریط کا اخلاق اورعفت وعصمت پر جو اثر پڑا، اس کی تفصیل لمبی ہے۔اس سلسلہ کے لیے دوسری بہت سی کتابیں موجود ہیں، ان کو ملاحظہ فرمائیں۔ لاکھوں عورتوں کی عصمت غارت ہوئی، لاکھوں مردوں کے اخلاق واعمال برباد ہوئے۔ان گنت گھر اجڑے، نہ معلوم کتنے ملکوں اورآبادیوں کے اخلاقی اقدار پست ہوئے اور قانون طلاق کی ناہمواری کی وجہ سے بے شمار آفتیں اور مصیبتیں پیش آئیں۔

اسلام کا قانون طلاق:

اس اندھیری رات میں اسلام کا ماہتاب عالمتاب چمکا اور اس کے جلو میں طلاق کا اسلامی قانون روئے زمین پر نازل ہوا اور اس نے افراط وتفریط کا راستہ چھوڑ کر اعتدال کا راستہ پیش کیا اور مظلوم انسانوں کے لیے ابرکرم بن کر برسا یعنی اس مسئلہ میں بھی مرد اور عورت کو ان کا پورا پورا حق دیا گیا، کسی کو اس کے جائز حق سے محروم نہیں کیا گیا۔

اسلام نے طلاق کے باب میں عجلت سے سختی کے ساتھ روکا کہ اس فعل سے دو شخص اور دو خاندانوں کا تعلق ہے۔ان کی عزت وآبرو اور عفت وعصمت کا معاملہ ہے۔شریعت میں گو طلاق جائز ہے مگر حلال چیزوں میں اسے سب سے زیادہ مبغوض بتایا گیا ہے۔رحمت عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اَبۡغَضُ الۡحَلَالِ اِلَی اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ الطَّلَاقُ))[1]

''حلال چیزوں میں سب سے مبغوض اللہ تعالیٰ کو طلاق ہے۔''

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

((وَ لَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰی وَجْهِ الۡاَرۡضِ اَبۡغَضُ اِلَيۡهِ مِنَ الطَّلَاقِ))[2]

---

① ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی کراهية الطلاق : ۲۱۷۷۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ ضعیف ابوداؤد ۔ ارواء الغلیل : ۲۰۴۰۔

② دارقطنی : ۳۵/۴۔اس کی سند ضعیف اور منقطع ہے۔ هداية الرواة : ۳۲۲۹۔

''اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر طلاق سے بڑھ کر کوئی چیز مبغوض پیدا نہیں کی۔''

طلاق فقہائے کرام کی نظر میں:

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ طلاق دراصل ممنوع ہے۔ ہاں کوئی عارضی یا ایسی ضرورت پیش آجائے کہ بغیر طلاق کے کوئی گنجائش ہی نہ ہو تو ایسے وقت میں جائز ہے۔ جیسے میاں بیوی میں ایسی عداوت یا بغض وکینہ پیدا ہو جائے کہ نباہ غیر ممکن ہو اور حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خطرہ لاحق ہو جائے۔[۱]

اور اگر مرد میں وظیفۂ زوجیت پورا کرنے کی صلاحیت سرے سے باقی ہی نہ رہے جیسے عنین (نامرد) ہو، خصی ہو، مجبوب ہو اور یا شکاز[۲] کی شکایت ہو تو ان مجبوریوں کے وقت طلاق واجب ہو جاتی ہے۔[۳]

طلاق کی باگ ڈور مرد کے ہاتھ میں:

دوسرا یہ کہ طلاق کی باگ ڈور مردوں کے سپرد کی گئی اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مرد نسبتاً دور اندیش، معاملہ فہم، برد بار اور عقل میں عورت سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے آپ پڑھ آئے ہیں۔

علاوہ ازیں مرد شادی کے سلسلہ میں کافی اخراجات برداشت کرتا ہے اور اسے مہر کی کافی رقم ادا کرنا پڑتی ہے، پھر عدت کے زمانہ کا نفقہ بھی مرد ہی کے ذمہ ہے اور اگر اس نے دوسری شادی کی تو پھر اس کو اخراجات برداشت کرنے ہوں گے۔ لہٰذا ان ذمہ داریوں کے ہوتے ہوئے مرد کے لیے طلاق کا استعمال آسان نہیں ہے۔

طلاق کے سلسلہ میں دوسرے قوانین کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ بات آسانی سے

---

① ردالمختار: ۲/۴۵۱۔

② شکاز: مرد کی ایسی کمزوری جس سے وطی کے وقت انتشار عضو خاص نہ رہے۔

③ ردالمختار: ۲/۴۵۲۔

سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اس طرح طلاق کے امکانات برائے نام رہ جاتے ہیں۔

طلاق رجعی اور مسئلہ عدت:

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ شریعت نے طلاق کا جو مسنون طریقہ مقرر کیا ہے، اس میں رجعت کی گنجائش رکھی ہے۔ یہ مسئلہ بھی طلاق کے عدم وقوع کے لیے معاون کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ گو طلاق تین تک ہے مگر ان کا یک بارگی استعمال سخت ناپسندیدہ ہے۔

پھر طلاق کے بعد فوراً عورت کو نکاح کی اجازت نہیں ہے بلکہ شریعت نے اس کے لیے عدت مقرر کی ہے، یعنی اگر بالغہ حائضہ ہے تو تین حیض آنے تک انتظار کرے گی یا سرے سے حیض نہیں آتا ہے یا آئسہ (حیض سے ناامید) ہے تو تین ماہ انتظار کرے گی اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اس عدت کا استبرائے رحم اور اولاد کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ بھی فائدہ ہے کہ طلاق رجعی میں مرد کو سوچنے سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے۔

یہاں طلاق کے احکام بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اشارہ کرنا ہے کہ اسلام نے اپنے قوانین میں ان تمام چیزوں کی رعایت ملحوظ رکھی ہے جس سے طلاق بجائے مضر ہونے کے صحیح معنی میں مفید ہو اور کائنات انسانی اس کو راہ عمل بنا کر اپنی عفت وعصمت کی جائز حفاظت کر سکے اور عورتیں ظلم وجور کا شکار بننے سے محفوظ و مامون رہیں۔

آپ طلاق کے اعداد وشمار اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اسلامی ممالک میں طلاق نفی کے درجہ میں ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اسلام کا قانون طلاق دنیا کے لیے رحمت ہے، زحمت کا اس میں نام ونشان تک نہیں۔

کچھ لوگوں کا کہنا کہ طلاق کا اختیار بجائے شوہر کے عدالت کو ہونا چاہیے لیکن یہ عدم تدبر کا نتیجہ ہے، اس طرح کا مسئلہ عدالت کے ہاتھ میں دینا اور عیسائیوں کی طرح زنا ثابت کرنا مرد اور عورت دونوں کی زندگی کو برباد کرنا ہے اور کون نہیں جانتا کہ پھر عورت کی دوسری شادی

اس طرح تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے۔ اسلام نے خواہ مخواہ عیب جوئی کرنا اور اسے عوام الناس میں عام کرنا پسند نہیں کیا۔ آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے قاضی کو فسخ نکاح کا اختیار انہی امور میں دیا ہے جن کے اعلان میں کوئی خاص قباحت نہیں بلکہ کچھ مخصوص فائدے ہی ہیں جیسے شوہر کا عنین ہونا وغیرہ۔

بہرحال مجموعی طور پر اسلام کا قانون طلاق کائنات انسانی کے لیے مفید اور اس کی عفت وعصمت کا محافظ ہے۔

لعان:

شوہر اگر اپنی عفیفہ، بالغہ، آزاد اور مسلمان بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور مقدمہ قاضی کے یہاں لے کر جائے تو ایسی صورت میں قاضی چار عینی گواہوں کی شہادت بطور ثبوت طلب کرے گا اگر شوہر ایسا کرنے سے قاصر رہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر چار مرتبہ کہنا پڑے گا کہ میں اس دعویٰ میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ کہے گا کہ اگر میں بیوی کو زنا کا الزام لگانے میں جھوٹا ہوں تو اللہ کی مجھ پر لعنت ہو۔ اب اگر عورت اپنے کو پاک سمجھتی ہے تو اس کو بھی یہ چار بار کہنا پڑے گا کہ واللہ اس الزام تراشی میں میرا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے گی کہ اگر میرا شوہر اس الزام لگانے میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔ اسی کو شریعت کی اصطلاح میں ’’لعان‘‘ کہتے ہیں۔

قاضی کی عدالت میں جب شرعی لعان مکمل ہو جائے گا تو قاضی دونوں میں تفریق کر دے گا جس کے بعد ان دونوں کا آپس میں نکاح کسی بھی صورت میں نہیں ہوسکتا۔ قرآن پاک کی اس آیت میں یہی بیان ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٦﴾ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٧﴾ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ

إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٨﴾ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٩﴾ [النور: ٦-٩]

''جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہ دے کہ بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو۔''

یہاں بھی مقصود وہی ہے کہ جب میاں بیوی کی باہمی زندگی تلخ ہو جائے تو خواہ مخواہ انہیں تلخی کے ساتھ رشتۂ نکاح میں منسلک رہنے پر قانوناً مجبور نہ کیا جائے کیونکہ ایسی حالت میں جبکہ ایک کو دوسرے کا اعتماد حاصل نہ ہو، زندگی ہر اعتبار سے جہنم کا نمونہ بن جائے گی۔

لعان کا پہلا واقعہ خود عہد نبوی ﷺ میں پیش آچکا ہے، جس کی تفصیل کتب احادیث میں آپ پڑھ سکتے ہیں اور لعان کی مکمل تفصیل احادیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

عفت وعصمت کے لوازم

عفت وعصمت کے تحفظ کے سلسلہ میں اسلام نے کچھ ایسے آئین وقوانین پیش کیے ہیں جن کا تعلق رات دن کی زندگی سے ہے اور ان کا لحاظ اور پاس ہر محتاط انسان کے لیے بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ان میں ذراسی غفلت اور کوتاہی انسان کی عفت کو مجروح کر ڈالنے کے لیے کافی ہے۔ جنسی میلان جو انسان کے خمیر میں پیوست ہے، اس میں کچھ ایسی درندگی ہے جو معمولی سی بے حجابی کو برداشت نہیں کرتی اور موقع پاکر انسان کو ہلاکت میں ڈالنے کے درپے ہو جاتی ہے، پھر شیطان، جس نے بنی آدم کی عداوت پر قسم کھا رکھی ہے وہ الگ تاک جھانک میں رہتا ہے اور ناپاک راستہ پر غلط طور پر جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس لیے اسلام نے نکاح سے پہلے بھی اور بعد بھی ''شرم وحیا'' سے متعلق کچھ ضروری احکام نافذ کیے ہیں۔

شرم وحیا:

شرم وحیا انسان کی ایسی مخصوص صفت ہے جو اسے ''لغزش'' کے موقع پر سہارا دیتی ہے اور اس نیک جذبہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ انسان اپنے جسم کے ان تمام حصوں کو پردہ میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے جو جنسی میلان میں ہیجانی کیفیت کی وجہ بن سکتے ہیں۔ستر پوشی کا خیال اسی شرم وحیا کا نتیجہ ہے۔

اس روئے زمین پر بہت سی قوموں میں عریانی کا عام رواج تھا اور اب تک بہت سے قبیلے اور آبادیاں اس مرض میں گرفتار ہیں۔ افریقہ اس سلسلہ میں مشہور ہے ۔یورپ میں جو ستر پوشی ہے وہ برائے نام ہے،ان کے لباس اس حد تک کم ہو چکے ہیں کہ عریانی کو بھی شرمانے والے ہیں،مغربی رسالوں میں ننگی تصویریں عام شائع ہوتی ہیں۔

صحت اور آرٹ کے نام پر عریانی کی اشاعت ہو رہی ہے اور اس راستہ سے عفت وعصمت پر زبردست زد پڑ رہی ہے، آدمی کی ''قوت برداشت'' جواب دے رہی ہے ۔ایک دن یہی چیزیں اخلاق واعمال کے ساتھ انسانی صحت کو بھی لے ڈوبتی ہیں۔ایک امریکی رسالہ میں یہ ماتم پڑھیے،جسے مولانا مودودی نے اپنی کتاب ''پردہ'' میں نقل کیا ہے:

> ''تین شیطانی قوتیں ہیں جن کی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھا گئی ہے اور یہ تینوں ایک جہنم تیار کرنے میں مشغول ہیں،فحش لٹریچر جو جنگ عظیم کے بعد حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی بےشرمی اور کثرت اشاعت میں بڑھتا چلا جا رہا ہے، متحرک تصویریں جو شہوانی محبت کے جذبات کو نہ صرف بھڑکاتی ہیں بلکہ عملی سبق بھی دیتی ہیں،عورتوں کا گرا ہوا اخلاقی معیار جو ان کے لباس اور بسا اوقات ان کی برہنگی اور سگریٹ کے روز افزوں استعمال اور مردوں کے ساتھ ان کے ہر قید و امتیاز سے

نا آشنا اختلاط کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تین چیزیں ہمارے یہاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں اور ان کا نتیجہ مسیحی تہذیب و معاشرت کا زوال اور آخر کار تباہی ہے۔ اگر ان کو نہ روکا گیا تو ہماری تاریخ بھی روم اور ان جیسی دوسری قوموں کی مماثل ہوگی جن کو یہی نفس پرستی اور شہوانیت ان کی شراب اور عورتوں اور ناچ رنگ سمیت فنا کے گھاٹ اتار چکی ہے۔''

شرم وحیا اسلام میں:

اسی دن کے لیے اسلام نے اپنے قانون ''شرم و حیا'' کا نفاذ اپنے ماننے والوں میں ضروری سمجھا ہے اور پیغمبر اسلام نے حیا کی مختلف پیرایہ میں تاکید فرمائی ہے اور ساتھ ہی ترغیب بھی دی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک انصاری اپنے بھائی سے کہہ رہا ہے کہ زیادہ شرم نہ کیا کرو تو آپ ﷺ نے اس انصاری صحابی سے فرمایا کہ ایسا نہ کہو کیونکہ:

((فَاِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ))[1]

''حیا ایمان کا جزو ہے۔''

شریعت میں ''حیا'' اس صفت کا نام ہے جو انسان کو ان تمام چیزوں کے چھوڑنے پر ابھارے جو شریعت میں قبیح ہیں اور اسی بنا پر ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اَلْحَیَاءُ لَا یَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ))[2]

''حیا خیر ہی کی موجب ہوتی ہے۔''

شرم وحیا انسانی زندگی کے لیے ایک ضروری حیثیت رکھتی ہے، افعال میں ہو، اخلاق میں ہو یا اقوال میں جس میں حیا کا جذبہ نہ ہو اس کے لیے ہر آن گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ رسول

---

① بخاری، کتاب الادب ، باب الحیاء : ٦١١٨۔ مسلم : ٣٦۔ ابوداؤد: ٤٧٩٥۔ ترمذی: ٢٦١٥۔ ابن ماجه : ٥٧۔

② بخاری، کتاب الادب، باب الحیأ : ٦١١٧۔

اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ))[1]

''شرم وحیا باقی نہ رہے تو جو جی میں آئے کرو۔''

یہی وجہ ہے کہ ایک دفعہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

((اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَ الْاِیْمَانُ فِیْ الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِیْ النَّارِ))[2]

''شرم وحیا جزو ایمان ہے اور ایمان باعث دخول جنت ہے اور بے حیائی جفا ہے اور جفا باعث دخول دوزخ ہے۔''

شرم وحیا کی اہمیت جتا کر اسلام نے ان تمام چیزوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو بے حیائی کی پیداوار ہیں اور جن کی وجہ سے عفت وعصمت اور اخلاق کا دامن داغدار ہوسکتا ہے۔ اس سلسلہ سے متعلق جو احکام وہدایات ہیں ان کو یہاں اجمالی طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ ان تعلیمات سے آپ اندازہ لگاسکیں گے کہ عفت وعصمت کے تحفظ کے لیے یہ چیزیں کتنی ضروری ہیں۔

بے باک نگاہ اور اس کے متعلق ہدایات

ان میں بدنظری کو ام الخبائث کی حیثیت حاصل ہے کہ یہ تمام فواحش کی بنیاد ہے، اسلام نے اس سوراخ کو پہلے بند کیا ہے اور نظر کو آنکھوں کا زنا قرار دیا ہے اور پھر نگاہ کا تیر مشہور ہے اور تجربہ کی دنیا میں بھی مسلم ہے۔ عشق ومحبت کی تعریف کرنے والوں نے تعریف کی ہے کہ

---

① بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب: ٣٤٨٤۔ ابوداؤد: ٤٧٩٧۔ ابن ماجه : ٤١٨٣۔

② ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جا فی الحیاء : ٢٠٠٩۔ یه حدیث صحیح هے ۔السلسلة الصحیحة: ٥٩٥ ۔

محبت ایک نادیدہ چیز ہے جو آنکھوں کے راستہ دل میں اترتی ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نگاہیں شہوت کی قاصد اور اس کی پیامبر ہیں۔ شعراء نے اس مسئلہ پر سب سے زیادہ روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ کتنی نگاہیں ہیں جو تیر کی طرح دل میں پیوست ہوجاتی ہیں۔

اسلام سے پہلے شعراء نے بھی اقرار کیا ہے کہ دل کے زخمی کرنے میں آنکھ کا بڑا قصور ہے اور اسلام کے بعد کے شعراء نے بھی بتایا ہے کہ نگاہوں سے دل چھلنی ہوتا ہے۔ پھر اس مسئلہ میں ہر مذہب وملت کے شعراء متفق ہیں، کوئی اختلاف نہیں۔ نگاہ کی تاثیر کے باعث اسلام نے اعلان کیا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (النور: ۳۰)

''ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ ذرا اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کو بچائے رکھیں، اس میں ان کے لیے پاکیزگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کی خبر ہے۔''

فتنہ کا چشمہ جہاں سے ابلتا تھا اور اخلاق اور سوسائٹی پر جہاں سے ضرب پڑتی تھی ان صورتوں اور سوراخوں ہی کو بند کر ڈالا، جائز حد تک اجازت دی اور اس کے بعد پہرہ بٹھا دیا کہ کوئی شخص قصدًا یا بغیر قصد ایسا کوئی کام نہ کرے جو برائی کا زینہ بن جائے۔ نگاہ جس کو سلف صالحین نے ''بريد العشق'' (عشق کا پیامبر) سے تعبیر کیا ہے، اسلام نے اس پر قانون کی مہر لگادی ہے اور اس کے نتیجہ اور فائدہ کو بتایا ہے کہ اس سے شہوت کی جگہوں کی صیانت اور حفاظت ہوگی نیز یہ چیز تزکیۂ قلوب میں بھی معاون ہوگی۔

اوپر کی آیت میں جس چیز کا حکم فرمایا گیا ہے وہ ہر مسلمان کے لیے لازم ہے، نگاہ نیچی رکھنا فطرت اور حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق ہے۔ اس لیے کہ عورتوں کی محبت اور دل میں ان کی طرف خواہش فطرت کا تقاضا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ (آل عمران: ١٤)

''مرغوب چیزوں کی محبت پر لوگ فریفتہ کیے گئے ہیں جیسے عورتوں پر۔''

غور وفکر سے معلوم ہوگا کہ آنکھوں کا فتنہ مہلک اور بہت سارے فتنوں اور آفتوں کا بنیادی سبب ہے۔اسی وجہ سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

((ثُمَّ عَلَيْكَ وَفَّقَكَ اللّٰهُ وَ اِيَّانَا بِحِفْظِ الْعَيْنِ فَاِنَّهَا سَبَبُ كُلِّ فِتْنَةٍ وَ اٰفَةٍ))[١]

''آنکھوں کے فتنہ سے یقینی طور پر اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ یہ تمام فتنوں اور آفتوں کا بنیادی سبب ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں توفیق دے۔''

پھر صاحب منہاج العابدین لکھتے ہیں کہ آیت قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ...... (النور: ٣٠) میں رب العزت نے تین چیزیں بیان کی ہیں ،تادیب اور تہدید۔آیت کے ابتدائی حصہ میں تادیب ہے کہ بندہ اپنے آقا کی اس باب میں فرماں برداری کرے یعنی کسی کی طرف اگر دیکھنا ناجائز ہو تو دیکھنے کی جرأت نہ کرے اور دوسرے حصہ اَزْكٰى لَهُمْ میں تنبیہ ہے کہ آنکھوں کو نیچا رکھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ قلب میں پاکیزگی آئے گی اور عبادت میں رغبت اور دلچسپی پیدا ہوگی اور اگر اس ہدایت پر عمل نہ ہوگا تو آنکھوں کے ذریعہ کسی نہ کسی فتنہ میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہے۔جس کا نقصان یہ ہوگا کہ سکون قلب جاتا رہے گا اور دل وسوسوں کی آماجگاہ بن جائے گا اور آیت کے آخری حصہ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ میں تہدید ہے کہ اگر بندوں نے اس ہدایت کی پروا نہ کی تو یہ سمجھ رکھیں کہ رب العزت غافل نہیں، وہ ساری کارروائیوں سے واقف ہے۔[٢]

---

① منہاج العابدین: ٢٨۔

② منہاج العابدین:٢٨،٢٩۔ نوٹ:یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ'' منہاج العابدین ''کتاب کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ امام غزالی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے، دراصل ان کی کتاب نہیں ہے۔دیکھیے معارف مارچ١٩٥٣ء۔

رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا تَرَكْتُ بَعْدِى فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ))①

''میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ مردوں کے لیے ضرر رساں نہیں چھوڑا۔''

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَآءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِى اِسْرَائِيْلَ كَانَتْ فِى النِّسَآءِ))②

''دنیا اور عورتوں سے ڈرو کیونکہ بنی اسرائیل میں پہلا جو فتنہ پیدا ہوا تھا وہ عورتوں میں تھا۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کا لحاظ فرمایا اور شہوت کی رعایت سے نکاح کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ حکم فرمایا اور پھر اس کے بعد انسانی طبیعت پر کنٹرول کرنے اور اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کے طریقے بیان کیے۔ حد سے بڑھتی ہوئی حرص جو حریص انسان کی طبعی خواہش ہے اس پر پہرا بٹھایا اور کائنات انسانی کو فتنہ وفساد سے محفوظ کر دیا۔

عورتوں کو ہدایت:

اگر اسلام نے صراحتاً مردوں کو عفت کی تعلیم دی تو عورتوں کو بھی فراموش نہیں کیا کیونکہ مرد اور عورت دونوں کا خمیر ایک ہی ہے۔ کم وبیش کا فرق ہے، عورت کی فطرت بھی شہوت اور اس کے دواعی سے خالی نہیں۔ اس لیے رب العالمین نے فرمایا:

﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا

---

① بخاری، کتاب النکاح، باب ما یتقی من شؤم المرأة : ٥٠٩٦ ـ مسلم : ٢٧٤٠ ـ ابن ماجه : ٣٩٩٨ ـ

② مسلم، کتاب الرقاق، باب اکثر اهل الجنة الفقراء واکثر اهل النار النساء : ٢٧٤٢ ـ

يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴿۳۱﴾ (النور: ۳۱)

’’ایمان والیوں سے کہہ دے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شہوت کی جگہوں کو تھامے رکھیں اور اپنی زیبائش نہ دکھلائیں مگر جو ان میں سے کھلی چیز ہے۔‘‘

ان آیتوں کا لب و لہجہ بتا رہا ہے کہ آنکھوں کی بے باکی اور ان کی آزادی شہوت میں انتشار اور شرمگاہ میں ابھار پیدا کرتی ہے۔ عقلی طور پر سنجیدگی سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ آنکھوں میں ایک ایسا زہر پوشیدہ ہے جو موقع پا کر انسانی دل اور دماغ میں تیزی سے سرایت کرنے کی سعی پیہم کرتا ہے اور جب سرایت کر جاتا ہے تو دل اور دماغ کو ماؤف کر ڈالتا ہے، چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا، سنا ہوگا کہ اجنبی مرد نے جب کسی اجنبی عورت کو زیب و زینت میں دیکھا اور بار بار دیکھا تو اس کی دبی دبائی چنگاری انگارا میں تبدیلی ہوگئی۔

شہوت کے معاملہ میں جو حال مردوں کا ہے، کم و بیش یہی حال عورتوں کا بھی ہے بلکہ ان کی نگاہ تو اور بھی فتنے جگاتی ہے۔ جذبات میں عموماً عورتیں آگے ہوتی ہیں اور جلد متاثر ہونا ان کے لیے ایک مستقل مرض ہے۔ واقعات شاہد ہیں کہ قدم قدم پر عورت بدلتی رہتی ہے اس لیے ان کو اپنی آنکھوں کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، ایسا نہ ہو کہ کسی خوبرو تنومند نوجوان کی ادا بھا جائے اور ظاہر نہ سہی باطن ہی گندا کر ڈالے اور اگر ایسا نہیں تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نوجوان عشق و محبت کی آگ میں تڑپنے لگتا ہے اور اس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

چنانچہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود عورت کے دل میں تو کوئی خطرہ نہیں گزرتا، مگر ان کی بے احتیاطی سے کسی مرد کا سکون دل جاتا رہتا ہے اور وہ مرد اپنی غرض کے سلسلہ میں اندھا بن جاتا ہے اور پھر سینکڑوں تدبیریں عمل میں لاتا ہے، بیسیوں جال بچھاتا ہے اور کبھی کبھی زبردستی کسی معصومہ کی عصمت دری کے درپے ہو جاتا ہے۔ ’’صدق جدید‘‘ لکھنو میں ایک لڑکی کا خط شائع ہوا ہے، وہ لکھتی ہے: ’’سکول جاتے وقت پانچ چھ نوجوان میرا پیچھا کرتے ہیں۔‘‘ ①

---

① ۲ مارچ ۱۹۵۱ء

=

نگاہ کی حفاظت کا حکم:

اس آیت اور قرآن پاک کی دوسری آیات کو سامنے رکھ کر علماء کی ایک بڑی جماعت کہتی ہے کہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی اجنبی مرد کو دیکھے۔ اس کا یہ دیکھنا شہوت سے ہو یا بغیر شہوت کے دونوں ہی صورتیں ناجائز ہیں۔ ①

حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اور

= سکول، کالج اور یونیورسٹی کے کچھ نوجوان کہتے ھیں کہ چونکہ ھمارے یہاں بے پردگی عام نہیں ھے اس لیے کبھی کبھی ایسی بات ھوتی ھے اگر پردہ بالکل یورپ کی طرح اٹھا دیا جائے تو پھر بدکاری ختم ھو جائے گی اور مخلوط سوسائٹی مردوں اور عورتوں کے احساس کو ماؤف کر ڈالے گی۔ مگر ھماری رائے اس کے بالکل برعکس ھے، دلیل میں صرف امریکہ کے صدر مسٹر ٹرومین کی میڈم کی وہ تقریر پیش کروں گا جو انھوں نے "اخلاقی پستی" کے عنوان پر کی تھی۔ کہتی ھیں:

"یہ لڑکیاں نہ بازاری ھیں نہ حسن فروش۔ پندرہ بیس سال کی کمسن اور بھولی بھالی لڑکیاں ھیں، اکثر یونیورسٹی، کالج اور ھائی سکول کی طالبات ھیں۔ اس وقت حکومت امریکہ اور امریکن قوم کے سامنے نامعلوم باپ کے بچوں کی بڑھتی ھوئی تعداد کا اھم مسئلہ ھے۔ کنواری ماؤں کے ان بچوں کی تعداد گزشتہ سال سوا لاکھ سے زیادہ تھی، ان میں سے ایك لاکھ بچوں کی مائیں یونیورسٹی کی طالبات ھیں نیز تعلیم و تربیت کے تحقیقاتی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں بیان کیا ھے کہ ان بچوں کے باپ کالج ھی کے ھونہار طلبہ ھیں۔ اصل یہ ھے کہ امریکہ میں تمام خاندانوں نے اپنی لڑکیوں کو کامل آزادی دے رکھی ھے، جس کا نتیجہ یہ ھے کہ ایك نوجوان لڑکی جو اپنی گھریلو زندگی میں محبت و شفقت سے محروم رھتی ھے کالج میں قدم رکھتے ھی کسی طالب علم سے مل کر عشق و محبت کے تجربہ کا شکار ھو جاتی ھے۔"

ندائے حرم کراچی جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ۔

① یہ بات درست نہیں کیونکہ اس کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی جس روایت سے استدلال کیا ھے وہ بھی =

میمونہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھیں۔ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی کسی ضرورت سے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: ''تم دونوں پردہ میں چلی جاؤ۔'' ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ (ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ) تو نابینا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَفَعَمْیَاوَانِ اَنْتُمَا ، اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ))

''کیا تم دونوں بھی اندھی ہو، ان کو نہیں دیکھتیں۔''[①]

یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی کسی مرد کو نہ دیکھیں۔ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ کے متعلق سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس میں فواحش

= ضعیف ہونے کی وجہ سے ناقابل حجت ہے۔علاوہ ازیں صحیح بخاری کی ایک حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت شہوت کی نظر کے بغیر غیر محرم (اجنبی) مردوں کو دیکھ سکتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے :

''عید کے دن حبشہ کے کچھ لوگ ڈھالوں اور برچھوں سے کھیل رہے تھے۔ اب یا خود میں نے کہا یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ کھیل دیکھو گی؟ میں نے کہا جی ہاں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا۔ میرا رخسار آپ کے کندھے پر تھا اور آپ فرما رہے تھے " تَعِیُلُوا تَعِیُلُوا " اے بنی (ارفدہ!) یہ حبشہ کے لوگوں کا لقب تھا۔ پھر جب میں تھک گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس !میں نے کہا جی ہاں!آپ نے فرمایا کہ، ''جاؤ۔''

بخاری، کتاب العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید: ۹۵۰۔ایک اور حدیث سے بھی ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا۔ابو داؤد، کتاب اللباس: ۴۱۱۱۔ [حافظ عمران ایوب]

① ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی قوله تعالیٰ "وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن: ۴۱۱۲۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ضعیف ابوداؤد۔ ارواء الغلیل : ۱۸۰۶۔

سے بچنے کا حکم ہے۔قتادہ اور سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں ان تمام چیزوں سے عورتوں کی حفاظت کا حکم ہے جو ان کے لیے حلال نہیں ہے۔ ①

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”عورت کے لیے شہوت کے ساتھ سوائے اپنے شوہر کے کسی کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔شہوت کے بغیر دیکھنے میں تفصیل ہے کہ عورت کا دوسری عورت کے بدن کو بجز ناف سے زانو تک دیکھنا درست ہے اور مرد کے بدن کو ناف اور زانو کے درمیان تو بالاتفاق حرام ہے اور اس کے ماسوا کو دیکھنے میں اختلاف ہے۔شافعیہ کے نزدیک حرام ہے اور حنفیہ کے نزدیک بلاشہوت گو حرام نہیں مگر یہ اولیٰ یعنی افضل کام کے خلاف ہے۔ ② چنانچہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور بیہقی میں حدیث ہے کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”پردہ میں ہو جاؤ۔“ انہوں نے عرض کی کہ وہ تو نابینا ہیں، ہم کو نہ دیکھیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تم بھی اندھی ہو، کیا تم ان کو نہ دیکھو گی؟“ اور شرعی ضرورت سے اجازت ہے۔اسی طرح قصداً نظر پڑنے سے جبکہ فوراً ہٹالی جائے، گناہ نہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، یہ تفصیل ہے یَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ کی اور اس میں ”من“ تبعیضیہ کی وہی توجیہ ہے کہ بعض جگہ اجازت ہے اور بعض جگہ نہیں۔“ ③

نگاہ کے فتنے:

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

① ابن کثیر: ۳/۲۸۳۔

② صاحب کشاف لکھتے ھیں: وَغَضُّهَا بَصَرَهَا مِنَ الۡاَجَانِبِ اَصۡلاً اَوۡلٰی بِهَا وَاَحۡسَنُ“ (کشاف ۳/۷۱)۔

③ بیان القرآن : ۸/۱۶۔

''نگاہ شہوت کی قاصد اور پیامبر ہوتی ہے اور نگاہ کی حفاظت دراصل شرمگاہ اور شہوت کی جگہ کی حفاظت ہے۔جس نے نظر کو آزاد کر دیا اس نے اس کو ہلاکت میں ڈال دیا۔اور نظر ہی ان تمام آفتوں کی بنیاد ہے جن میں انسان مبتلا ہوتا ہے کیونکہ نظر کھٹک پیدا کرتی ہے، پھر کھٹک فکر کو وجود بخشتی ہے اور فکر شہوت کو ابھارتی ہے، شہوت ارادہ کو جنم دیتی ہے، ارادہ قوی ہوکر عزیمت میں تبدیل ہوجاتا ہے اور عزیمت میں مزید پختگی ہوکر فعل واقع ہوتا ہے جس سے اس منزل پر پہنچ کر اس وقت کوئی چارۂ کار نہیں رہتا جب کوئی مانع حائل نہ ہو۔''①

اسی وجہ سے کہا گیا ہے:

((اَلصَّبْرُ عَلٰی غَضِّ الْبَصَرِ اَیْسَرُ مِنَ الصَّبْرِ عَلٰی اَلَمٍ بَعْدَہٗ))②

''آنکھ بند کرنا آسان ہے مگر بعد کی تکلیف پر صبر مشکل ہے۔''

کیونکہ نظر کا تیر اگر پیوست ہوگیا تو پھر اس سے حسرت، سوزش قلب، جگر کی ٹیس اور آہ وفغاں پیدا ہوتی ہے۔آدمی اس وقت بے قابو ہوجاتا ہے اور اس کے لیے یارائے ضبط باقی نہیں رہتا اور یہ ایک مستقل عذاب بن جاتا ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے بھی اس فتنہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

((اِنَّ النَّظْرَۃَ سَھْمٌ مِّنْ سِھَامِ اِبْلِیْسَ مَسْمُوْمٌ مَنْ تَرَکَھَا مَخَافَتِیْ اَبْدَلْتُہٗ اِیْمَانًا یَجِدُ حَلَاوَتَہٗ فِیْ قَلْبِہٖ))③

''نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے۔جس نے میرے خوف کی

---

① الجواب الکافی: ۲۰٤۔

② الجواب الکافی: ۱٦۔

③ الجواب الکافی۔طبرانی کبیر: ۱۳۲٦۔ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں عبد الرحمٰن بن اسحاق الواسطی راوی ضعیف ہے۔ تقریب التہذیب: ۳۷۹۹۔

وجہ سے (اجنبی عورت کی طرف نگاہ اٹھانے سے) گریز کیا میں اسے بدلے میں ایمان عطا فرماؤں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔"

ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَالْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظْرُ وَ الْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا وَ الْقَلْبُ يَهْوَى وَ يَتَمَنّٰى وَ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ وَ يُكَذِّبُهُ))[1]

"آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا بات کرنا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پیر کا زنا چلنا ہے اور دل کا زنا آرزو اور تمنا کرنا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔"

بعض سلف صالحین نے کہا ہے:

((اَلنَّظْرُ سَهْمٌ سَمٍّ اِلَى الْقَلْبِ))[2]

"نگاہ ایک تیر ہے جو قلب میں زہر ڈال دیتی ہے۔"

نظر کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس کی حفاظت بہت ضروری ہے، ورنہ اس سے بڑے بڑے فتنے پیدا ہوتے ہیں، قوم اور ملک کا امن وامان خطرہ میں گھر جاتا ہے، اخلاق اور اعمال کی مٹی پلید ہو جاتی ہے اور عفت عصمت دم توڑ دیتی ہے۔

پست نگاہ کی تاکید:

یہی وجہ ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے نظر کو نیچا رکھنے کی تاکید فرمائی ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس مسئلہ کی اہمیت کو اجاگر فرمایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

---

① مسلم، کتاب القدر، باب قدر علی ابن آدم حظه من الزنا وغیره: ۲۶۵۷۔

② ابن کثیر: ۳/ ۲۸۲۔

((یَا عَلِیُّ لَا تَتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْاُولٰی وَ لَيْسَتْ لَكَ الْاٰخِرَةُ))[1]

''اے علی! ایک بار نظر پڑ جانے کے بعد دوبارہ نہ دیکھو کیونکہ تمہارے لیے صرف پہلی نظر معاف ہے دوسری نہیں۔''

پہلی نظر جو بغیر ارادہ پڑتی ہے، اس میں انسان بڑی حد تک بے بس ہوتا ہے اس لیے یہ معاف ہے مگر پھر دوبارہ نگاہ نہیں ڈالی جاسکتی، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ پہلی نظر ڈالنے کی اجازت ہے۔حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جو نظر اچانک پڑ جاتی ہے اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟:

((فَاَمَرَنِی اَنْ اَصْرِفَ بَصَرِی))[2]

''تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنی نگاہ پھیر لوں۔''

اور بعض روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَطْرِقْ بَصَرَكَ))[3]

''تو اپنی نگاہ جھکا لے۔''

نگاہ پھیرنا مختلف طور پر ہوتا ہے۔مقصد یہ ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو اس فتنہ سے جو سامنے ہے بچا لیا جائے، نظر پھیر لی جائے یا نیچی کر لی جائے یا کسی دوسری چیز پر نگاہ جما دے تا کہ نظر کے فتنہ سے محفوظ ہو جائے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

① ابوداؤد ، کتاب النکاح ، باب فی مایؤمر به من غض البصر : ۲۱۴۹۔ ترمذی : ۲۷۷۷۔ اس روایت کی سند حسن لغیرہ درجه کی ھے۔ جلباب المرأة المسلمة : ۷۷۔

② مسلم، کتاب الأداب، باب نظر الفجأة : ۲۱۵۹۔

③ ابن کثیر۔

((وَاحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَکُمۡ وَغَضُّوۡا اَبۡصَارَکُمۡ))[1]

''اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو اور اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی مجلس میں فرمایا:

((اَیُّ شَیۡءٍ خَیۡرٌ لِلۡمَرۡأَۃِ))

''عورت کے لیے کونسی چیز بہتر ہے؟''

کسی نے جواب نہ دیا، سب کے سب خاموش رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں خود بھی اس مجلس میں شریک تھا، مجھ سے بھی کوئی جواب نہ بن پڑا۔ جب گھر آیا تو میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

((اَیُّ شَیۡءٍ خَیۡرٌ لِلۡمَرۡأَۃِ))

''عورتوں کے لیے کونسی چیز بہتر ہے؟''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے برجستہ جواب دیا:

((لَا یَرَاھُنَّ الرِّجَالُ))

''سب سے بہتر یہ ہے کہ مردوں کی نگاہ سے عورتیں محفوظ رہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس جواب سے اس قدر خوش ہوئے کہ جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جواب کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوش ہوئے اور فرمایا: ''فاطمہ میرا ایک حصہ ہے۔''[2]

راستہ میں مجلس جما کر بیٹھنے سے اسی وجہ سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عام گزر گاہ ہے، ہر طرح کے آدمی گزرتے ہیں۔ نظر بے باک ہوتی ہے، ایسا نہ ہو کہ کسی پر نظر پڑ جائے اور وہ برائی کا باعث بن جائے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ایک دفعہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''راستوں پر

---

(1) مسند احمد: ۵/۳۲۳۔ یہ روایت حسن لغیرہ ہے، شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔ مسند احمد: ۲۲۷۵۷۔

(2) جمع الفوائد۔

بیٹھنے سے پرہیز کرو۔'' صحابہ نے اپنی مجبوری بیان کی اور کہا کہ اس کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم کو جب ایسی ہی مجبوری ہو تو راستہ کا حق ادا کرو۔'' صحابہ نے پوچھا راستہ کا کیا حق ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((غَضُّ الْبَصَرِ وَ کَفُّ الْاَذٰی وَ رَدُّ السَّلٰمِ وَ أَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهْیٌ عَنِ الْمُنْكَرِ))[1]

''نگاہ نیچی رکھنا، اذیت کا رد کرنا، سلام کا جواب دینا اور بھلی بات کا حکم دینا اور بری بات سے منع کرنا۔''

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اُكْفِلُوْا لِیْ سِتًّا اُكْفِلُ لَكُمُ الْجَنَّةَ اِذَا حَدَّثَ اَحَدُكُمْ فَلَا یَكْذِبُ وَاِذَا اؤْتُمِنَ فَلَا یَخُنْ وَ اِذَا وَعَدَنَا فَلَا تُخْلِفُ وَ غَضُّوْا اَبْصَارَكُمْ وَ كُفُّوْا اَیْدِیَكُمْ وَ احْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ))[2]

''تم میرے لیے چھ چیزوں کی کفالت کرو میں تمہارے لیے جنت کا کفیل بنتا ہوں۔ جب کسی سے بات کرو تو جھوٹ نہ بولو، جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کرو اور وعدہ خلافی نہ کرو اور اپنی نگاہوں کو پست رکھو، اپنے ہاتھوں کو روکو اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔''

اس حدیث میں جن چھ چیزوں کی ذمہ داری پر نبی کریم ﷺ جنت کی کفالت فرما رہے ہیں ان میں غض بصر (نگاہ پست رکھنا) اور حفظ فروج (شہوت کی جگہ کی حفاظت) بھی ہے۔

---

① بخاری، کتاب المظالم، باب افنیة الدور والجلوس فیها والجلوس علی الصعدات: ٢٤٦٥۔

② مسند احمد: ٣٢٣/٥۔ مسند ابی یعلیٰ کما فی اتحاف الخیرة: ٤١٥٤۔ ابن حبان: ٢٧١۔ حاکم: ٣٥٨/٤۔ بیهقی: ٢٨٨/٦۔ یہ روایت حسن لغیرہ ہے۔

اس سے نظر کی اہمیت با آسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔مسند احمد میں ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَنْظُرُ اِلٰی مَحَاسِنِ اِمْرَأَۃٍ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ثُمَّ یَغُضُّ بَصَرَہُ اِلَّا اَحْدَثَ اللّٰہُ لَہُ عِبَادَۃً یَجِدُ حَلَاوَتَھَا)) ①

''جو مسلمان کسی عورت کے محاسن کی طرف (اچانک) پہلی مرتبہ دیکھے پھر اپنی نگاہ جھکالے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایسی عبادت پیدا کر دیں گے جس کی مٹھاس وہ محسوس کرے گا۔''

طبرانی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لِتَغُضُّنَّ اَبْصَارَکُمْ وَ لِتَحْفَظُنَّ فُرُوْجَکُمْ)) ②

''تم ضرور اپنی نگاہیں پست رکھو اور شرمگاہوں کی یقینی حفاظت کرو۔''

نگاہ پست رکھنے کے فائدے:

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ابلیس کے زہر میں بجھائے ہوئے تیروں میں

---

① مسند احمد: ٥/٢٦٤۔ اس روایت کی سند ضعیف ھے کیونکہ اس کی سند میں علی بن یزید بن ابی ھلال الألھانی راوی ضعیف ھے۔حافظ ابن حجر رحمه الله نے اسے ضعیف کھا ھے۔ تقریب التھذیب: ٤٨١٧۔ امام بخاری نے اسے منکرالحدیث کھا ھے۔ امام نسائی نے اسے غیر ثقه قراردیا ھے اور امام دارقطنی نے اسے متروك کھا ھے۔ (میزان الاعتدال :٣/١٦١)اس کی علاوہ ایك دوسرا راوی عبیداللہ بن زحر الضمری الافریقی بھی اکثر اھل علم کے نزدیك ضعیف ھے جیسا که شیخ شعیب ارناؤوط نے نقل کیا ھے که اسے امام ابن معین ،امام ابن مدینی ،امام ابو حاتم،امام رازی،امام عجلی، امام یعقوب بن سفیان ،امام عقیلی ،امام ابومسھر،امام ابن حبان،امام دارطنی اور امام خطیب بغدادی رحمه الله علیھم نے ضعیف قرار دیا ھے۔(تحریر تقریب التھذیب : ٢/٤٠٥۔٤٢٩٠)شیخ البانی رحمه الله علیه نے بھی اس روایت کو ضعیف کھا ھے۔ السلسلة الضعیفة: ١٠٦٤۔ [حافظ عمران ایوب]

② تفسیر ابن کثیر:٣/٢٨٢۔

سے ایک تیر نظر بھی ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس کی حفاظت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی شیرینی میں بدل دے گا، جس کی لذت وہ اپنے قلب میں پائے گا۔[۱]

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شہوت کی جگہوں سے بچنے کا عہد کرے اس کے لیے جنت کی بشارت ہے:

((مَنْ یَضْمَنْ لِیْ مَا بَیْنَ لِحْیَیْهِ وَمَا بَیْنَ رِجْلَیْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ))[۲]

''جو شخص اس چیز کی ضمانت دے جو اس کی ڈاڑھوں (زبان) اور پاؤں کے درمیان (شرمگاہ) ہے تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن تمام آنکھیں رو رہی ہوں گی مگر ان میں کچھ آنکھیں خوش ہوں گی، ایک وہ آنکھ جس کو محارم اللہ سے محفوظ رکھا گیا ہے اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں جاگنے کی صعوبت برداشت کی ہے اور تیسری وہ آنکھ جس نے خشیت الٰہی سے آنسو بہایا ہے۔''[۳]

اس ساری تفصیل کے بعد آسانی سے یہ بات سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ رب العالمین نے حفظ ماتقدم کے طور پر جن بہت سی باتوں کا حکم دیا ہے ان میں نگاہ بھی ہے اور شہوت کی جگہ

---

۱. طبرانی کبیر: ۱۰۳۶۲۔اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں عبد الرحمٰن بن اسحاق الواسطی راوی ضعیف ہے۔ تقریب التہذیب: ۳۷۹۹۔

۲. بخاری ، کتاب الرقاق ، باب حفظ اللسان : ٦٤٧٤۔ ترمذی: ۲۴۰۸۔ حاکم: ٤/۳۵۸۔ مسند ابی یعلیٰ: ۷۵۵۵۔

۳. ابونعیم : ۳/١٦٣۔یہ روایت ضعیف ہے۔اس کی سند میں عمر بن محمد صہبان راوی ہے۔ اسے امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے ،امام حاتم اور امام دارقطنی نے متروك الحدیث کہاہے ۔امام احمد نے کہا ہے کہ وہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا اور امام یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ وہ ایك پیسے کے برابر بھی نہیں ہے۔ میزان الاعتدال : ٦١٤٩۔۳/۷۰۷۔

سے اجتناب بھی اور مقصد یہ ہے کہ عفت وعصمت جو انسان کے لیے نیز پوری قوم اور ملک کے لیے ایک بیش قیمت موتی ہے اس کی حفاظت کے تمام جائز طریقے برتنا ضروری اور انسانی فریضہ ہے تا کہ انسانی سوسائٹی فتنہ و فساد کی آماجگاہ نہ بن سکے اور ملک و شہر کا امن وامان خطرے میں نہ گھرے۔

اس سلسلہ میں عورتوں کو خصوصی خطاب بھی کیا گیا ہے۔ صیغۂ مذکر میں اصولی طور پر عورتیں بھی شامل تھیں مگر پھر صیغۂ مؤنث لاکر ان کو مزید تاکید کی گئی ہے۔ خصوصی خطاب کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کے متعلق خود قرآن نے کہا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ (آل عمران:١٤)

''مرغوب چیزوں کی محبت نے لوگوں کو فریفتہ کیا ہے جیسے عورتیں۔''

جاہلی بے پردگی کی ممانعت:

اور یہی وجہ ہے کہ عورتیں حدود وقیود میں گھری نظر آتی ہیں، شریعت مطہرہ نے ان پر ہر جگہ پہرہ لگا دیا ہے اور ان تمام خطرات کی حفاظت کی ہے جو ان کی ذات سے وابستہ ہیں، رات دن کے تجربات شاہد ہیں کہ عورتوں کی بے باکانہ چہل پہل مردوں کی جماعت میں ایک شورش پیدا کر دیتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (الأحزاب:٣٣)

''اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور جاہلیت کے وقت میں دکھانے کا جو دستور تھا اس طرح دکھلاتی نہ پھرو۔''

اس آیت کا شان نزول گو خاص ہے مگر حکم عام ہے۔ اس آیت میں رب العزت نے عورتوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ شرعی حدود کے اندر رہیں، جاہلیت کی رسم ترک کر ڈالیں۔

جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ عورتیں بن سنور کر مردوں میں بیباک گھومتی تھیں، زینت کی عجیب وغریب تدبیریں عمل میں لائی جاتی تھیں، دوپٹہ اس طرح ڈالتی تھیں کہ سینہ کا ابھار، گلے کے زیورات، کانوں کی بالیاں اوران کی ہیئت فتنہ سامان ہوتیں، مرداس ادا کو دیکھ کر مسحور ہوجاتے۔ پھر جاہلیت میں عورتیں مٹک مٹک کر چلتی تھیں اوران کا بانکپن اوران کی ادائیں غضب ڈھاتی تھیں۔اس لیے اسلام جب آیا تو اس نے اصلاح کی،عورتوں کو پہلے رسم و رواج سے روکا اور پاک زندگی کا سلیقہ بتایا، پہلی بات یہ ہے کہ عورتیں گھر ہی میں رہیں اوراگر ضرورت کے تحت نکلیں تو جاہلیت کے طریقہ پر بن سنور کر نہ نکلیں۔

نزول حکم حجاب:

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اول اسلام میں پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا بلکہ ہجرت کے بعد پانچویں سال میں حکم نازل ہوا۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کواس کی بڑی فکر تھی اوران کی دلی خواہش تھی کہ پردہ کا حکم نازل ہو۔انہوں نے مختلف طور پر اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی جن قلبی خواہشوں کو رب العزت نے شرف قبولیت بخشا ان میں سے ایک حجاب کا مسئلہ بھی ہے۔ صحیحین میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی:

((يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ عَلَيْكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَلَوْ اَمَرْتَ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْحِجَابِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى آيَةَ الْحِجَابِ))①

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نیک اور بد ہر طرح کے لوگ آتے ہیں،کاش آپ امہات المومنین کو پردہ کرنے کا حکم دیتے تو اس پر پردہ کی آیت اتری۔"

اوران کی اسی درخواست کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

---

① بخاری، کتاب التفسیر ، باب قوله لا تدخلوا بيوت النبى الاان يؤذن لكم : ٤٧٩٠۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ (الأحزاب: ٥٣)

''اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں بغیر اجازت نہ جاؤ۔''

عورتوں سے استفادہ پردہ کی اوٹ سے:

یہ واقعہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے جب شادی ہوئی تو لوگوں کو کھانے کی دعوت دی گئی۔ کھانے کے بعد تمام لوگوں کو چل دینا چاہیے تھا، مگر تین آدمی بات چیت کرتے رہے اور اس موقع پر ان بیٹھنے والوں کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچی۔ خود تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرم اور حیا کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکے مگر اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حجاب کے متعلق پوری ہدایت نازل فرما دی۔ ①

عورتوں سے ضروری استفادہ کی راہ بھی بند نہیں کی گئی بلکہ اس کا ایک معقول اور پاکیزہ تر راستہ باقی رکھا۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ (الأحزاب: ٥٣)

''اور جب تم بیبیوں سے کوئی کام کی چیز مانگنے جاؤ تو پردہ کے باہر سے مانگ لو، اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے خوب ستھرائی ہے۔''

یہ آیتیں گو شان نزول میں خاص ہیں مگر حکم میں عام ہیں۔ تمام مسلمانوں کے لیے یہ حکم ہے کہ عورتوں سے جو کچھ لینا ہو پردہ کے پیچھے سے لیں، بے پردگی نہ ہونے پائے تا کہ طرفین خود بھی محفوظ رہ سکیں اور دوسروں کو بھی غلط فہمی میں نہ پڑنے دیں۔

① بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ لاتدخلوا بیوت النبی الاان یؤذن لکم: ٤٧٩١۔

مخلوط سوسائٹی مضر ہے:

کوئی شبہ نہیں کہ عورت اور مرد کے میل جول کی حالت میں نفس انسانی کو بہکنے کا موقع ملتا ہے اور شیطان کے لیے دوسروں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمیں عورتوں پر اعتماد نہیں ہے اور مردوں کو ہم شیطان سمجھتے ہیں، بلکہ ہم عورت اور مرد دونوں کو ہی قابل اعتماد اور لائق وثوق یقین کرتے ہیں مگر ساتھ ہی ہم اس کے بھی قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی سرشت میں شہوت ودیعت کی ہے۔ مرد اور عورت کی اس میں کوئی تفریق نہیں اور تاریخ کی روشنی میں ہم جانتے ہیں کہ دشمنوں اور بد باطنوں نے پاکدامن عورت اور مرد پر تہمت لگائی ہے اور اس سے پیدا شدہ شر وفتن بھی ہمیں معلوم ہیں۔ اس لیے عقل کی روشنی میں بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جن سے وہ راستے بند ہوجائیں جن سے فتنہ وفساد کے چشمے ابلتے رہتے ہیں۔

تاریخ اخلاق یورپ نے مرد اور عورت کے باہمی میل جول کے نتائج جو سامنے پیش کردیے ہیں اور خود ہمارے ملک میں کالج و یونیورسٹی کی ملی جلی زندگی نے جو تجربات فراہم کردیے ہیں ان کو سامنے رکھ کر عقلاً بھی پردہ کا شرعی حکم بغیر افراط وتفریط سراپا رحمت ہے۔

مخلوط تعلیم کا اثر عفت وعصمت پر:

ایک خاتون ان الفاظ میں اپنی دلسوزی کا اظہار کرتی ہیں:

''جو لڑکیاں مخلوط تعلیم کی پیداوار ہیں، ان کی اخلاقی سیرت کے متعلق یہ کہنا چاہتی ہوں کہ مخلوط تعلیم سے ان کی خلقی عصمت اور غیرت تباہ ہوجاتی ہے اور ان میں زیادہ سے زیادہ مردانہ اوصاف پیدا ہوکر انہیں زیادہ سے زیادہ خراب کردیتے ہیں، جس کے وہ بعد گھریلو زندگی کا نظام سنبھالنے کے قابل نہیں رہتیں۔ موجودہ یونیورسٹیوں کی مخلوط تعلیم جو مغربی خطوط پر قائم ہے، ہماری لڑکیوں کے لیے بے سود

اور غیر ضروری ہے۔"①

جن ملکوں میں مخلوط تعلیم عام ہے ان کے واقعات ملاحظہ فرمایے۔امریکہ کے متعلق وہاں کے جج لنڈسے لکھتے ہیں:

"ہائی سکول کی کم عمر چار سو پچانوے لڑکیوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے جنسی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے۔"②

اسی جج لنڈسے کا بیان ہے:

"اندازہ ہے کہ ہائی اسکول کی کم از کم ۴۵ فیصد لڑکیاں مدرسہ چھوڑنے سے پہلے خراب ہو چکی ہوتی ہیں۔"③

ایک مغربی خاتون" مسز ڈون تھی ہال" اپنے مضمون "عورتوں کی تعلیمی دقت" میں رقمطراز ہیں:

"آخر میں یہ امر قابل توجہ ہے کہ مخلوط طریقۂ تعلیم میں اگرچہ دعویٰ کتنا بھی کیا جائے، ان جذباتی دقتوں کا ازالہ نہیں ہوتا جو نوجوانوں میں صنفی شعور کے آغاز سے پیدا ہو جاتی ہیں اور جو بعض طبائع کے لیے مطالعہ میں کامل انہماک کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں، جو چودہ اور اٹھارہ برس کی درمیانی مدت میں ناگزیر ہیں۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے مابین روزمرہ کے اختلاط کے نتیجہ کے طور پر نہ صرف جذباتی تعلقات پیدا ہو سکتے ہیں بلکہ مطالعہ اور ضبط زندگی کے لیے اور بھی زیادہ تباہ کن یہ بات ہے کہ بعض اوقات شاگرد استادوں سے جذباتی وابستگی پیدا کر لیتے ہیں۔"④

---

① زمزم لاہور ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء۔

② پردہ از مولانا مودودی :۱۷۔

③ پردہ از مولانا مودودی :۱۷۔

④ ندائے حرم جمادی الاولی ۱۳۶۹ھ۔

جو کچھ پیش کیا گیا یہ ملاؤں کے بیان نہیں، سب جدید تعلیم یافتہ خواتین وحضرات کے بیانات ہیں جو تجربات کے بعد دیے گئے ہیں اور لکھے گئے ہیں۔ جب تعلیمی اداروں اور تعلیم یافتہ طبقہ کا یہ حال ہو پھر عوام کے متعلق آپ کیا رائے قائم کریں گے۔

آپ یقین فرمائیں کہ اسلام کی تعلیمات بڑی دوراندیشانہ اور انسانی نفسیات کے بالکل مطابق ہیں۔ عفت وعصمت کے بچاؤ کی شکل یہی ہے کہ اسلام کی تعلیم کو رواج دیا جائے اور اسے جزو زندگی بنایا جائے۔

پاکیزہ نفس وپاکدامن عورتوں کے امتیاز کی ضرورت

کوئی ذی عقل اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ مختلف طبیعتوں کے لوگ ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں نیک لوگ بستے ہیں وہیں کچھ بدطینت لوگوں کا بھی بسیرا ہوتا ہے جو ہر وقت برائی کی تلاش میں رہتے ہیں اور جن کی نگاہیں بے باک ہوتی ہیں اور اس جماعت میں مرد اور عورت دونوں شریک ہیں۔ مگر جو لوگ اس طرح کے ہوتے ہیں وہ اپنے رہن سہن اور طور طریقہ کے اعتبار سے بڑی حد تک جانے پہچانے جاتے ہیں، بدکار مردان عورتوں کو خواہ مخواہ چھیڑنے کی جرأت کرتے ہیں جن کے متعلق ان کو کسی رنگ ڈھنگ سے معلوم ہوجائے کہ یہ دوسری قبیل سے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں اور مردوں کی عفت وعصمت کے پیش نظر حکم دیا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥٩﴾ (الأحزاب: ٥٩)

”اے نبی! اپنی عورتوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں لٹکالیں، اس میں زیادہ امید ہے کہ وہ پہچان لی جائیں

گی تو ان کو کوئی نہ ستائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ پاکدامن اور مومن عورتیں اپنا دوپٹہ باضابطہ رکھ لیا کریں جس سے نمایاں طور پر معلوم ہو کہ یہ شریف طبقہ کی عورتیں ہیں، زناکار اور بدچلن نہیں ہیں تاکہ فاسق اور بدکار مردوں کو معلوم رہے اور وہ اپنی شرارت کی وجہ سے ان کو چھیڑنے کی ہمت نہ کریں۔

دستور بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ عورتیں جو خاص طرز کا لباس پہنتی ہیں یا خاص طور پر بن سنور کر نکلتی ہیں اور اپنی خوبصورتی اور زینت کا اعلان کرتی ہیں ان کے متعلق کوئی مرد اچھی رائے نہیں رکھتا، ان سے بدقماش قسم کے لوگ موقع پا کر آنکھ لڑانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ عورتیں جن کو اپنی عزت و آبرو کا پاس رہتا ہے، عصمت مآب اور دیندار ہوتی ہیں، ان کے رہن سہن ہی سے پاکدامنی تو نمایاں ہوتی ہے تو کوئی بھول کر بھی ان سے الجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس آیت کے ضمن میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

’’یعنی بدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکا لیں۔ روایات میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لیے کھلی رہتی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپا لینا چاہیے۔‘‘

عہد نبوی میں امتیازی لباس کا حکم:

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ بدمعاش یہودی اور منافق اس طرح کے تھے جو عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اور دوسری قسم کی عورتوں کے ساتھ ساتھ بعض پاکدامن شریف عورتیں بھی ان کی چھیڑ چھاڑ سے نہیں بچتی تھیں تو دوپٹہ اور چادر بڑھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس میں امتیاز پیدا کر دیا۔ اس امتیاز پیدا کر دینے کے بعد خود رب العالمین نے فرمایا:

﴿لَئِن لَّمۡ يَنتَهِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡمُرۡجِفُوۡنَ فِى الۡمَدِيۡنَةِ لَنُغۡرِيَنَّكَ بِهِمۡ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوۡنَكَ فِيۡهَاۤ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝﴾

(الأحزاب: ٦٠)

''اگر منافق لوگ اور جن کے دلوں میں روگ ہے باز نہیں آتے اور جھوٹی خبریں مدینہ میں اڑانے والے باز آئے تو پھر بلا شبہ ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہ تیرے ساتھ تھوڑے دنوں کے علاوہ شہر میں رہنے نہ پائیں گے۔''

اس امتیازی شان کے بعد بھی اگر کسی بد طینت نے کسی پاک دامن عورت کو چھیڑا تو اس کو معاف نہیں کیا جائے گا اور عہد نبوی ﷺ میں ایسا ہی ہوا، یہودی جلا وطن ہوئے۔

کہنا یہ ہے کہ اولاً تو قرآن کا مطالبہ ہے کہ عورتیں بغیر ضرورت گھر سے باہر نہ پھریں، جیسا کہ قرآن کی اس سلسلہ کی پہلی آیت ﴿وَ قَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ﴾ میں ارشاد گزرا، بلکہ قرآن کا صراحتاً حکم گزرا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّ الۡمَرۡأَةَ عَوۡرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتۡ اِسۡتَشۡرَفَهَا الشَّيۡطَانُ وَ اَقۡرَبُ مَا تَكُوۡنُ مِنۡ وَجۡهِ رَبِّهَا وَ هِيَ فِيۡ قَعۡرِ بَيۡتِهَا))[1]

''عورت ستر ہے، جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکتا ہے اور اس کے لیے اپنے گھر کے گوشہ میں رہنا باعث رحمت الٰہی ہے۔''

گھر سے باہر آنے کے آداب:

ثانیاً قرآن پاک کا مطالبہ ہے کہ اگر ضرورت کی وجہ سے ان کو نکلنا ہی پڑے تو نگاہیں پست رکھیں اور شہوت کے مقام سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں مثلاً کوئی کلب، مخلوط سوسائٹی، سینما، تھیٹر اور اس طرح کی دوسری جگہوں سے مکمل اجتناب رکھیں۔ جس کا حکم ﴿قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنَاتِ یَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ ......﴾ (النور: ٣١) میں گزرا۔

---

[1] صحيح ابن خزيمة : ١٦٨٥۔ ارواء الغليل: ٢٧٣۔

پھر یہ کہ نکلیں تو ستر چھپا کر اور آزاد عورت کا سارا بدن ستر ہے، سوائے ہتھیلی اور چہرہ کے [1] جس کا ذکر ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (النور:۳۱) میں ہے۔

ثالثاً باہر نکلیں یا کسی کے سامنے آئیں تو چادر (دوپٹہ) اوپر ڈال لیں اور بدن کی تراش خراش ظاہر نہ ہونے دیں جیسا کہ ابھی آیت گزری ﴿يُدْنِيْنَ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ اور دوسری جگہ قرآن پاک نے اعلان کیا:

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (النور:۳۱)

''اور عورتیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر ڈال لیں۔''

دوپٹہ اوڑھنے کا طریقہ:

خمار لغت میں اس دوپٹہ کو کہتے ہیں جس کو عورت اپنے سر پر ڈالتی ہے۔ سلف صالحین نے بیان کیا کہ سر سے لاکر سینہ پر اس طرح ڈالا جائے کہ جسم کے ابھار اور مواضع زینت میں سے کوئی حصہ نظر نہ پڑے۔ اس طرح ہرگز نہ ہو کہ دوپٹہ کا آنچل پیچھے کی طرف ڈال لیا جائے جس سے سینہ کا ابھار نہ چھپ سکے بلکہ اس طرح اور ابھار پیدا ہوجائے گا۔ جیسا کہ جاہلیت کے دور میں رواج تھا اور جس کو اسلام مٹانے آیا تھا۔ یہاں یہ حکم ہے کہ قمیص کے اوپر دوپٹہ اس طرح ڈالا جائے کہ پوری ستر پوشی ہو سکے۔

ہمارے شعرائے کرام کے یہاں جوبن کے ابھار کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں اور طبعاً نیز شعراء وغیرہ کا تازہ کردہ احساس بسا اوقات آدمی کو اس ابھار کی طرف متوجہ کر دیتا ہے، اس لیے موجودہ دور میں اور بھی ضرورت ہے کہ اس کی پوری ستر پوشی عمل میں لائی جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

---

[1] جب عورت باہر نکلے تو اس وقت چہرہ اور ہتھیلی بھی ستر میں شامل ہے جسے ڈھانپنا ضروری ہے۔ جیسا کہ صحابیات کا عمل تھا کہ دیکھنے کے لیے ان کی صرف آنکھیں ظاہر ہوتی تھیں۔ (محمود الحسن اسد)

« يَرۡحَمُ اللّٰهُ النِّسَآءَ الۡمُهَاجِرَاتِ الۡاُوَلَ لَمَّا اَنۡزَلَ اللّٰهُ ﴿وَ لۡيَضۡرِبۡنَ ......﴾ شَقَقۡنَ مُرُوۡطَهُنَّ فَاخۡتَمَرۡنَ بِهِ »[1]

''اللہ پہلے پہل ہجرت کرنے والی عورتوں پر رحم فرمائے، جب دوپٹہ کا حکم نازل ہوا تو انھوں نے اپنی چادریں پھاڑ پھاڑ کر دوپٹہ بنالیا۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ نے اور بھی بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اس آیت پر پورا پورا عمل کیا گیا۔

اظہار زینت وغیرہ کی ممانعت:

رابعاً نکلیں تو کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے جس سے زینت کا اظہار ہو یا دوسروں کی توجہ اس کی طرف ہو، نہ ظاہری طور پر ایسی بات ہو اور نہ باطنی طریقہ پر، بلکہ ہر طرح ظاہر و باطن پاک ہو۔ باطن کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِي الصُّدُوۡرُ ﴿١٩﴾ (غافر: ١٩)

''وہ آنکھوں کی چوری اور دلوں کے بھید کو جانتا ہے۔''

اور ظاہر کے متعلق ہدایت فرمائی:

وَلَا يَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِهِنَّ لِيُعۡلَمَ مَا يُخۡفِيۡنَ مِنۡ زِيۡنَتِهِنَّ ؕ وَتُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيۡعًا اَيُّهَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿٣١﴾ (النور: ٣١)

''اور عورتیں اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں کہ ان کی مخفی زینت جانی جائے اور اے ایمان والو! سب مل کر اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم بھلائی پاؤ۔''

عورتیں عموماً پاؤں میں مختلف اور متعدد زیورات پہنا کرتی ہیں۔ بعض زیور بنایا ہی اس طرح جاتا ہے کہ جب عورتیں اس کو پہن کر چلیں گی تو اس میں آواز پیدا ہوگی جیسے گھونگرو

---

[1] بخاری، کتاب التفسیر، ﴿باب وليضربن بخمرهن على جيوبهن﴾ : ٤٧٥٨۔

وغیرہ۔ اس طرح کے زیورات بالکل ممنوع ہیں، شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے اور بعض زیورات خود ایسے نہیں ہوتے مگر ان کے آپس میں ٹکرانے سے آواز پیدا ہوتی ہے جیسے چوڑیاں اور کڑا وغیرہ۔ اس طرح کے زیورات گو پہننا جائز ہیں مگر احتیاط کا حکم ہے کہ چلنے میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر آواز نہ پیدا کریں پھر ان کو پہننے اور پہن کر چلنے میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان کی چمک دمک دوسروں کی آنکھوں کو خیرہ نہ کررہی ہو کیونکہ آواز ہو یا چمک دمک، بسا اوقات یہ بھی فتنہ وفساد بن جاتی ہے۔

اس سے یہ بات بھی باآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب زیورات کو پوشیدہ رکھنے کا حکم ہے اور ان کی آواز کے متعلق احتیاط اور ممانعت کا حکم ہے تو جن اعضاء میں، یہ زیورات پہنے جاتے ہیں ان کو چھپانے کا تو بدرجہ اولیٰ حکم ہوگا اور شریعت میں ان اعضا کے ستر کا تاکیدی حکم ہے بھی۔ پس معلوم ہوا کہ زیورات اور ان کے اعضا سب کی ستر پوشی کا حکم ہے۔

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ﴾ کے ضمن میں علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ یہ اس لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ آواز مردوں میں عورتوں کی خواہش پیدا کرتی ہے۔ نیز لکھتے ہیں کہ یہ تعبیر اس سے زیادہ بلیغ ہے کہ اظہار زینت سے منع کیا جاتا، بلند آواز سے روکا جاتا کیونکہ اس تعبیر میں یہ سب خود بخود داخل ہوگئے۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ انسانی فطرت ہے کہ جب مرد عورت کی پازیب کی آواز سنتا ہے تو اس کے جنسی میلان میں تلاطم پیدا ہونے لگتا ہے اور عورتوں کو دیکھنے کی خواہش بڑھ جاتی ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ ایک آزاد کردہ لونڈی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئیں۔ لڑکی کے پاؤں میں بجنے والا زیور تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹ ڈالا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

«اِنَّ مَعَ كُلِّ جَرَسٍ شَيْطَانًا»[1]

---

① ابوداؤد، کتاب الخاتم، باب ما جاء فی الجلاجل: ۴۲۳۰۔

''بے شک ہر گھنٹی کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔''

اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت بجنے والا زیور پہن کر جانے لگیں تو انہوں نے روک دیا اور فرمایا کہ اسے اتار کر آؤ، اس لیے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

((لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِکَةُ بَیْتًا فِیْهِ جَرَسٌ))[1]

''اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتا جس میں گھنٹی ہوتی ہے۔''

خوشبو لگا کر نکلنے کی ممانعت:

اس آیت میں جو علت بیان کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ایسی چیز استعمال نہ کی جائے کہ وہ دوسروں سے عورت کی مخفی باتوں کی چغلی کرتی ہو یا ان کو عورت کی طرف متوجہ کرتی ہو لہٰذا معلوم ہوا کہ خوشبو اور عطر اور سینٹ لگا کر گھر سے باہر نہ نکلیں۔ حدیث میں عورتوں کے لیے مسجد میں جانے کی اجازت مذکور ہے مگر وہاں بھی گو وہ عبادت کے لیے اللہ کے گھر میں حاضر ہو رہی ہیں، خوشبو لگا کر نکلنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ ہدایت ہے کہ کپڑوں میں چمک دمک نہ ہو، معمولی اور عام استعمال کے کپڑے پہن کر مسجد میں آئیں۔[2]

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عورتوں کو اگر ضرورت کی وجہ سے نکلنے کی حاجت ہو تو اس طرح نکلیں کہ وہ دوسروں کے لیے جاذب نظر نہ ہوں۔ ایک حدیث ہے:

((کُلُّ عَیْنٍ زَانِیَةٌ وَ الْمَرْأَةُ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِیَ کَذَا وَ کَذَا یَعْنِیْ زَانِیَةً))[3]

---

① ابوداؤد، کتاب الخاتم، باب ما جاء فی الجلاجل: ۴۲۳۱۔

② اس سلسلہ میں میری کتاب ''اسلام کا نظام مساجد'' کا یہ باب دیکھیں۔

③ جامع ترمذی، کتاب الادب، باب ما جاء فی کراھیة خروج المرأة متعطرة: ۲۷۸۶۔ ابوداؤد، کتاب الترجل، باب فی طیب المرأة للخروج: ۴۱۷۳۔ ابن حبان: ۴۴۲۴۔ اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ ھدایة الرواة: ۱۰۲۳۔

''ہر آنکھ زانیہ ہے اور جو عورت خوشبو لگا کر مجلس کے پاس سے گزرتی ہے، وہ بھی زانیہ ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو دیکھا جس سے خوشبو آرہی تھی تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا مسجد سے آرہی ہو؟ بی بی نے کہا، ہاں! فرمایا، خوشبو لگائے ہوئے ہی؟ اس نے کہا، جی ہاں! فرمایا:

''میں نے اپنے محبوب سرکار دو عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر مسجد میں آتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرماتا ہے۔''

چنانچہ وہ گئیں اور اپنے کپڑوں کو خوب اچھی طرح دھویا۔ [1]

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَثَلُ الرَّافِلَةِ فِي الزِّينَةِ فِي غَيْرِ اَهْلِهَا كَمَثَلِ ظُلْمَةِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا نُوْرَ لَهَا)) [2]

''اپنے اہل وعیال کے سوا دوسرے لوگوں میں بن سنور کر جانے والی ایسے ہے جیسے قیامت کے دن کی تاریکی، اس کے لیے کوئی روشنی نہ ہوگی۔''

عام گزرگاہ سے اجتناب کا حکم:

اوپر جو آیت ذکر کی گئی اس سے یہ بھی کنایتاً معلوم ہوا کہ فتنہ سے بچنے کی خاطر صدر

---

[1] ابوداؤد، کتاب الترجل، باب فی طیب المرأة للخروج: ٤١٧٤۔

[2] ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراهیة خروج النساء فی الزینة: ١١٦٧۔یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔تقریب التهذیب: ٦٩٨٩۔ امام نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ امام ابن معین رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ میزان الاعتدال: ٨٨٩٥۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ضعیف ترمذی، السلسلة الضعیفة: ١٨٠٠۔

راستہ سے نہ گزریں جہاں مردوں کی ریل پیل ہو بلکہ وہ کنارے سے ہو کر گزر جائیں۔ جہاں مسجد میں ان کو آنے کی اجازت ہے وہیں ان کو حکم ہے کہ پچھلی صف میں نماز ادا کریں۔ حدیث میں صراحت ہے:

((خَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَآءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا))[1]

''عورتوں کے لیے بہترین صف اس کی پچھلی صف ہے اور بدترین صف ان کی پہلی صف ہے۔''

اور مردوں کے لیے اسی حدیث میں مذکور ہے کہ ان کے لیے بہترین صف پہلی صف ہے اور بدترین آخری۔ اسی طرح مسجد سے واپسی میں ہدایت تھی کہ عورتیں پہلے چلی جائیں پھر مرد مسجد سے باہر نکلیں اور یہ کہ اگر راستہ میں مرد آرہے ہوں تو راستہ کے ایک طرف ہو جائیں۔ ایک دفعہ ایسا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِسْتَاْخِرْنَ فَاِنَّهٗ لَيْسَ لَكُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيْقَ عَلَيْكُنَّ بِحَافَّاتِ الطَّرِيْقِ))[2]

''عورتیں پیچھے ہو جائیں، عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ راستہ کے ایک طرف ہو کر چلیں۔''

اس حکم کے بعد عورتوں کا اسی پر عمل رہا وہ اس طرح چلتی تھیں کہ ان کا کپڑا دیوار سے لگا ہوتا تھا۔

اسلام میں احترام عفت:

آج کون ایسا عقلمند ہے جس کو دنیا کا تھوڑا بہت بھی تجربہ ہو اور وہ ان ہدایات کی حکمتوں

---

[1] مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف واقامتھا و فضل الاول فالاول منھا: ٤٤٠۔

[2] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی مشی النساء مع الرجال فی الطریق: ٥٢٧٢۔

کا انکار کر دے۔ جو قوم اور جماعت ان ہدایات پر عمل نہیں کرتی وہاں عفت وعصمت خطرہ میں پڑ جاتی ہے، جس کی خبریں رات دن ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں۔ صدق لکھنو کی فائل دیکھیں، اس میں اس طرح کی سینکڑوں خبریں مل جائیں گی۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بغیر قصد وارادہ کے بھی نوجوان نظر کے تیر کا شکار ہو جاتے ہیں اور ادائے جاناں پر فریفتہ ہو کر جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اسلام نے فروع سے صرف نظر کیا ہے مگر اصل حقیقت کو خوب سمجھا ہے اور ان تمام راہوں پر آہنی دیوار کھینچ دی ہے جن سے فتنوں کے داخلہ کا خطرہ ہو سکتا ہے اور اس طرح عفت وعصمت کے دامن کو داغدار ہونے سے بچا لیا ہے۔

بات کرنے میں لوچ نہ ہو:

اسی حد تک بس نہیں ہے، اسلام نے اس کا حکم بھی دیا ہے کہ وہ اگر کسی اجنبی مرد سے اپنے شوہر کے علاوہ مجبوراً باتیں کرے، گو وہ پردہ کی اوٹ سے ہو تو بھی گفتگو میں لوچ اور شیرینی پیدا نہ ہونے پائے تا کہ کسی بدطینت کو شرارت کا موقع نہ ملے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا

(الأحزاب: ٣٢)

''اور نرم لہجہ میں بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہے وہ لالچ کرے اور تم معقول بات کہو۔''

اپنے شوہر کے ساتھ بات کرنے کا جو طریقہ ہے، وہ بس اسی کے لیے خاص ہے، دوسروں کے لیے وہ طرز گفتگو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ غیر سے جو بات کی جائے وہ صاف اور بھلی ہو، عشوہ و ادا کے ساتھ ہرگز گفتگو نہ کی جائے اور گفتگو میں لب ولہجہ خشک ہی رکھا جائے۔ لگی لپٹی باتیں جس سے مرد کے شیطانی نفس کو حیلہ کی راہ سوجھتی ہے، اس سے بالکلیہ اجتناب ضروری ہے۔

فقہاء نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عورت کی آواز ستر نہیں ہے، ضرورت کے وقت وہ اجنبی سے بول سکتی ہے۔ ہاں کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ عورت کی آواز بھی ستر ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسی گفتگو میں جس میں نرم لہجہ ہو، عورت کے لیے جائز نہیں ہے یا بغیر ضرورت مردوں سے بات چیت کی آزادی نہیں ہے۔

صاحب ردالمختار نے علامہ مقدسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

''کوئی ناسمجھ ''صَوْتُ الْمَرْأَةِ عَوْرَةٌ'' (عورت کی آواز ستر ہے) کا مطلب یہ نہ سمجھے کہ بات چیت کو ہم ناجائز کہتے ہیں بلکہ ہم تو بوقت ضرورت اجنبیوں کے لیے عورتوں سے کلام کو جائز کہتے ہیں، ہاں ہم یہ جائز نہیں سمجھتے کہ عورتیں تیز آواز میں بولیں، لوچ دار گفتگو کریں، آواز میں شیرینی اور جاذبیت پیدا کریں، جس سے مردوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں اوران کے جنسی میلان میں تحریک پیدا ہو اور یہی وجہ ہے کہ ہم عورتوں کو اذان دینے کی اجازت نہیں دیتے کہ عموماً اس میں خوش آوازی سے کام لیا جاتا ہے۔''①

محرم کے لیے رعایت:

اسلام نے اظہار زینت، بے پردگی، لوچ دار گفتگو کرنے اور اس طرح کی دوسری چیزوں سے سختی کے ساتھ روکا ہے، البتہ اپنے ان خصوصی رشتہ داروں کے سامنے آنے کی اجازت دی ہے جن کو اپنے خصوصی رشتہ کی وجہ سے طبعاً عورت کے لیے خیر کی خواہش ہوتی ہے۔ جیسے باپ، حقیقی بھائی، حقیقی بیٹا اور حقیقی بھتیجا وغیرہ۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ
بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ

---

① ردالمختار: ۱/ ۲۸۴۔

أَوْ بَنِيٓ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِيٓ أَخَوَٰتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُنَّ أَوِ ٱلتَّٰبِعِينَ غَيْرِ أُوْلِي ٱلْإِرْبَةِ مِنَ ٱلرِّجَالِ أَوِ ٱلطِّفْلِ ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُواْ عَلَىٰ عَوْرَٰتِ ٱلنِّسَآءِ ۖ (النور: ٣١)

''اور عورتیں اپنی زینت نہ کھولیں مگر اپنے خاوند کے لیے یا اپنے باپ کے سامنے یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں کے یا اپنی لونڈیوں کے یا خدمت میں مشغول رہنے والوں کے جو مرد کہ کچھ غرض نہیں رکھتے، یا لڑکوں کے جنہوں نے ابھی عورتوں کے بھید کو نہیں پہچانا۔''

اس آیت میں جہاں بھائی کا ذکر ہے اس سے صرف اپنا حقیقی، علاتی اور اخیافی بھائی مراد ہے، چچازاد بھائی، ماموں زاد بھائی، پھوپھا زاد بھائی اور اس طرح کے دوسرے وہ بھائی مراد نہیں ہیں جن سے شادی کبھی جائز ہوسکتی ہے۔ ان سے بھی پردہ اسی طرح ضروری ہے جس طرح غیروں سے۔

محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی شادی درست نہ ہو اور زینت کو ظاہر کرنا صرف انہی کے سامنے جائز ہے جو محرم ہیں۔ ہندوستان اور غیر مما لک میں چچا زاد اور ماموں زاد بھائی وغیرہ سے جو بے پردگی کا رواج ہے یہ شریعت کے سراسر خلاف ہے۔ بھائی کے لڑکے سے مراد آیت میں اپنا حقیقی، علاتی اور اخیافی بھائی کا لڑکا ہی مراد ہے، دوسرے بھائیوں کے لڑکے مراد نہیں ہیں۔ اسی طرح بہن کے بیٹوں میں صرف حقیقی، علاتی اور اخیافی بہن کے لڑکے شریک ہوں گے، غیر نہیں۔ اپنی عورتوں سے آیت میں دینی بہنیں مراد ہیں، کافر عورتوں سے بھی پردہ ضروری ہے کہ وہ اجنبی مرد کے حکم میں داخل ہیں، ہاں کافر لونڈیوں سے پردہ نہیں ہے۔ غلام بھی اجنبی مرد کے حکم میں ہے ان سے بھی پردہ ہوگا اگر یہ بالغ ہوں۔[1]

---

[1] صحیح بات یہ ھے کہ عورت اپنے غلام سے پردہ نہیں کرے گی خواہ وہ نابالغ =

مردوں میں جو نا بالغ ہوں یا کم عقلی کی وجہ سے مرد عورت کی اسے تمیز نہ ہو اور نہ عورت سے اس کو کوئی رغبت ہو، ان سے پردہ ضروری نہیں ہے باقی تمام بالغ مردوں سے عورت کے لیے پردہ ضروری ہے، گو وہ بوڑھا ہو یا عنین ہو یا مجبوب ہو۔

= ہو یا بالغ۔ اس کے کئی ایک دلائل ھیں۔ سورۂ نور میں ہے:
﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ ...... أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾ (النور : ۳۱)
"عورتیں اپنی زینت (ھاتھ، لباس اور زیور وغیرہ) ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے ......یا غلاموں کے۔"
اس آیت کے متعلق امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ھیں کہ آیت کے ظاہر مفھوم میں غلام اور لونڈیاں خواہ وہ مسلمان ھوں یا اھل کتاب سب شامل ھیں۔ یھی اھل علم کی ایک جماعت کا قول ھے اور یھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنھا کا مذھب ھے۔" (تفسیر قرطبی : ۲۱۲/۱۲)
علامہ ابوالفضل آلوسی فرماتے ھیں کہ "آیت کا ظاھر جس بات کا تقاضا کرتا ھے وہ یہ ھے کہ مذکر اور مونث کے درمیان کوئی فرق نہ کیا جائے کیونکہ لفظ "ما" عام ھے؟ تفسیر روح المعانی : ۴۶۱/۱۸)
مراد یہ ھے کہ عورت اپنی لونڈیوں سے ھی نہیں بلکہ غلاموں سے بھی پردہ نہیں کرے گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کے پاس ایک غلام لائے جس سے آپ نے انھیں ھبہ کیا تھا اس وقت حضرت فاطمہ کے پاس چھوٹی چادر تھی جس سے اگر سر ڈھانپتیں تو پاؤں ننگے ھوجاتے اور اگر پاؤں ڈھانپتیں تو سر ننگا ھو جاتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو فرمایا:
((إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْكَ بَأْسٌ إِنَّمَا هُوَ أَبُوكِ وَغُلَامُكِ))
"تمھیں پریشان ھونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یھاں صرف تمھارا باپ اور تمھارا غلام ھے۔" (ابوداؤد کتاب للباس باب فی العبد ینظر الیٰ شعر مولاته: ۴۱۰۶)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما فرماتے ھیں:
((لَا بَأْسَ أَنْ يَنْظُرَ الْمَمْلُوكُ إِلَىٰ شَعْرِ مَوْلَاتِهِ))
"اس میں کوئی حرج نہیں کہ غلام اپنی مالکہ کے بال دیکھ لے۔"
(تفسیر احکام القرآن لابن عربی : ۲۸۹/۳ ۔ حافظ عمران ایوب)

جن کے سامنے زینت ظاہر کرنے کی اجازت ہے:

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خواہ مخواہ زینت ظاہر کی جائے۔ ہاں ان کے سامنے کسی وجہ سے ظاہر ہو جائے تو شرعاً مضائقہ بھی نہیں ہے۔ مگر جن حصوں کا کھولنا جائز ہے وہ ہتھیلیاں اور چہرہ ہے جیسا کہ اوپر قرآن کی آیت گزر چکی ہے اور زیادہ سے زیادہ محرم کے سامنے وہ اعضاء بھی ضرورتاً کھولے جا سکتے ہیں جن میں زیور پہنے جاتے ہیں، میری مراد کان، بازو اور گردن وغیرہ سے ہے۔ ہاں شوہر سے کسی بھی حصہ کا چھپانا ضروری نہیں ہے۔ البتہ ادب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی شرمگاہ نہ دیکھیں۔

مخنث عورتوں کے پاس نہ آئے:

مخنث کو بھی عورتوں میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔ ابتدا میں اجازت تھی، ایک مخنث آنحضرت ﷺ کے گھر میں آتا تھا، لوگوں کا خیال تھا کہ اس کو عورتوں کی ذات میں کوئی توجہ نہیں مگر تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس کو بھی عورتوں کے حسن و جمال سے لگاؤ ہے۔ چنانچہ ایک دن وہ بیٹھا کسی عورت کی آمد کا نقشہ کھینچ رہا تھا، اس کی خبر جب آنحضرت ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلَنَّ عَلَيْكُنَّ))

''اب یہ تمہارے پاس کبھی نہ آئے۔''

قریب البلوغ کے لیے ہدایات:

شریعت مطہرہ نے قریب البلوغ لڑکے کو بھی عورتوں میں آنے کی اجازت نہیں دی اور نہ عورتوں کو ان کے سامنے زینت ظاہر کرنے کی۔ ان کے متعلق آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

① بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف فی شوال سنة ثمان: ٤٣٢٤۔

((اِیَّاکُمۡ وَ الدُّخُوۡلَ عَلَی النِّسَآءِ))[1]

''عورتوں کے پاس آنے جانے سے پرہیز کرو۔''

شوہر کے عزیز واقارب سے اجتناب:

شوہر کے رشتہ داروں سے بے پردگی اور مذاق کرنے کا جو رواج ہندوستان میں ہے وہ بھی شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے، وہ شوہر کا بھائی ہو یا کوئی اور عزیز۔ محرم میں صرف شوہر کا باپ داخل ہے دوسرا کوئی نہیں۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے شوہر کے عزیز واقارب (جیسے بھائی وغیرہ) کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلۡحَمۡوُ الۡمَوۡتُ))[2]

''شوہر کے (رشتہ دار عزیز) بھائی موت ہیں۔''

یعنی ان سے تو اور بھی پرہیز کرنا چاہیے جو غیر محرم ہیں اور قرابت دار ہیں ان کے نزدیک جانا بھی نہیں چاہیے، اس لیے کہ اقارب سے فتنہ کا خوف بہت زیادہ ہے اور فتنہ میں پڑنے کا زیادہ امکان ہے کیونکہ یہ تو بے دھڑک آئیں جائیں گے۔

کسی مرد سے تنہائی میں نہ ملے:

اسلام ان تمام خطروں سے عفت وعصمت کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے جن سے عفت پر حرف آسکتا ہے۔ کسی مرد کا عورت سے تنہائی میں ملنا جس قدر خطرہ کا باعث ہوسکتا ہے وہ ظاہر ہے پھر مزید اس سے تہمت جو خواہ مخواہ لگے گی وہ پوشیدہ نہیں۔ اس لیے رحمت عالم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأة الا ذو محرم: ٥٢٣٢۔ مسلم: ٢١٧٢۔ ترمذی: ١١٧١۔

[2] بخاری، کتاب النکاح، باب لایخلون رجل بامرأة: ٥٢٣٢۔

((لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا کَانَ ثَالِثُهَا الشَّیْطَانُ))[1]

''کوئی مرد کسی عورت سے تنہائی میں نہیں ملتا ہے مگر تیسرا شیطان موجود رہتا ہے۔''

ایسی حالت میں شیطان جانبین کی شہوت کو ابھارنے کی کوشش کرتا ہے اور مرد وعورت دونوں کے دل میں برائی کا وسوسہ ڈالتا ہے۔ یہاں کامیابی نہیں ہوتی تو کسی تیسرے کو بہکاتا ہے کہ ان کے حق میں سوئے ظن کا اظہار کرے اور اس طرح ناکردہ گناہ میں کلنک کا ٹیکا لگوانا چاہتا ہے۔

اس مہذب زمانہ میں برائی کا سبب اکثر یہی ہے کہ عورتیں بے باکانہ تنہائی میں اجنبی مردوں سے ملتی ہیں اور باتوں باتوں میں مرد عورت پر اپنی محبت کا غلط سکہ بٹھانا چاہتا ہے۔

جن کے شوہر گھر میں نہیں ان سے بچو:

ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں کے پاس ملنے کے لیے نہ جایا کرو، جن کے شوہر گھر میں نہیں ہیں اور اس ممانعت کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ شیطان خون کی طرح دوڑتا رہتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شہوت میں تحریک پیدا کردے:

((فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنْ اَحَدِکُمْ مَجْرَی الدَّمِ))[2]

''اس لیے کہ شیطان تم میں خون کی گردش کی طرح دوڑتا رہتا ہے۔''

اسی حدیث میں ہے کہ راوی نے خود ذات بابرکت ﷺ کے متعلق استفسار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا بھی یہی حال تھا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شیطان پر مجھے غلبہ حاصل ہوگیا اور اب اس سے ہر طرح محفوظ ہوں:

---

① ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراھیة الدخول علی المغیبات : ۱۱۷۱۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ھدایة الرواة : ۳۰۵۴۔

② بخاری، کتاب الاعتکاف، باب زیارة المرأة زوجھا فی اعتکافه : ۲۰۳۸۔ مسلم : ۲۱۷۵۔

((نَعَمْ وَلٰكِنْ رَبِّیْ اَعَانَنِیْ عَلَيْهِ حَتّٰی اَسْلَمَ))①

''ہاں! (میرا بھی یہی حال تھا) مگر اللہ تعالیٰ نے اعانت فرمائی، اب وہ تابع ہے۔''

ان احادیث کی روشنی میں مرد و عورت کی باہمی کشش کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، موجودہ دور میں جو کچھ فتنے پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان سے بھی اس کی پوری تائید ہوتی ہے اور ہر ذی عقل حدیث کے اس نقطۂ نظر کے ماننے پر مجبور ہے۔

ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معتکف تھے، میں ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے گئی، چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی، پھر اٹھی کہ واپس جاؤں۔ میرے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تاکہ مجھے گھر تک پہنچا دیں۔ ہم دونوں جا رہے تھے کہ دو انصاری بزرگ گزرے اور جب ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اور جلدی سے چل دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا: ''اطمینان سے جاؤ، یہ میرے ساتھ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا ہیں۔'' ان دونوں نے کہا: ''سبحان اللہ! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!'' یعنی کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی بدگمانی ہو سکتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ وَ اِنِّیْ خَشِيْتُ اَنْ يَّقْذِفَ فِیْ قُلُوْبِكُمَا شَرًّا اَوْ قَالَ شَيْئًا))②

''آدمی میں شیطان خون کی طرح دوڑتا پھرتا ہے، میں ڈر گیا کہ کہیں وہ تم دونوں کے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے۔''

جدید تحقیقات ہماری تائید میں:

اب تک اس باب میں قرآن پاک، احادیث اور عقل انسانی کی روشنی میں بحث کی گئی،

---

① مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان و بعثه سرایاه لفتنة الناس: ٢٨١٥۔

② مسلم، کتاب السلام، باب بیان انه یستحب ......الخ : ٢١٧٤۔

مگر کچھ لوگوں کو اس وقت تک تسکین نہیں ہوتی جب تک وہ اہل یورپ کی رائے نہیں ملاحظہ کر لیتے۔ چنانچہ ایسے روشن خیال طبقہ کے لیے انسائیکلوپیڈیا وغیرہ کے حوالہ سے کچھ اقوال نقل کیے جاتے ہیں جن سے ہمارے مطمح نظر کی تائید ہوتی ہے۔

رومن ایمپائر جو تمام یورپ کی ماں ہے اور جو حکومت تہذیب وتمدن کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھی، یہاں رومن ایمپائر میں بھی عروج وترقی کے زمانہ میں عورتیں پردہ ہی میں رہتی تھیں، ان کو باہر کے کاموں سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ انیسویں صدی کے انسائیکلوپیڈیا میں مذکور ہے:

> ''رومانیوں کی عورتیں بھی اسی طرح کام کاج پسند کرتی تھیں جس طرح مرد پسند کرتے ہیں اور وہ اپنے گھروں میں کام کرتی رہتی تھیں، ان کے شوہر اور باپ بھائی صرف میدان جنگ میں سرفروشی کا کام سرانجام دیتے رہتے تھے۔ خانہ داری کے کاموں سے فراغت پانے کے بعد، عورتوں کے اہم کام یہ تھے کہ وہ سوت کاتیں اور اون کو صاف کر کے اس کے کپڑے بنائیں، رامانی عورتیں سخت پردہ کیا کرتی تھیں یہاں تک کہ ان میں جو عورت دایہ گری کا کام کرتی تھی وہ بھی اپنے گھر سے نکلتے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپا لیتی اور اس کے اوپر ایک موٹی چادر اوڑھتی جو ایڑی تک لٹکتی رہتی، پھر اس چادر پر بھی ایک اور عبا اوڑھی جاتی جس کے سبب سے اس کی شکل کا نظر آنا تو کیا جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا تھا۔''①

عورتوں کی بے پردگی کا نتیجہ:

اس دور میں اس ملک اور قوم کی ترقی وعروج کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ تمام شعبہ ہائے زندگی میں سب سے فائق تھے۔ مگر ٹھیک یہی زمانہ تھا کہ ان کو عیش پرستی اور لہو ولعب کا شوق پیدا ہوا اور پھر اس سلسلہ میں مردوں نے اپنی ہر مجلس نشاط میں عورتوں کو شریک کرنا

① مسلمان عورت: ۱۵۶۔

چاہا کہ ان کے بغیر مجلس سونی اور بے رونق معلوم ہو رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کو پردہ کی قید سے باہر نکالا اور ان کے دامن عصمت کو داغدار کرنے کی کوشش کی اور کچھ ہی دنوں میں ان کی عورتیں ناچ و رنگ کی محفلوں میں کھل کر آ گئیں۔ پھر رومانی حکومت کا کیا حشر ہوا؟ بربادی شروع ہوگئی اور ساری شان وشوکت کی عمارت زمین بوس ہوگئی اور بلاشبہ اس بربادی کا بڑا سبب عورتوں کی آزادی ہی تھا۔ تاریخ کی روشنی میں علامہ فرید وجدی تحریر فرماتے ہیں:

''مگر بات یہ ہوئی کہ جب انہیں بے پردہ بنایا گیا تو بہ اقتضائے فطرت مرد ان پر مائل ہونے لگے اور اس کے لیے آپس میں کٹنا مرنا شروع کر دیا۔ یہ ایک ایسی سیاسی حقیقت ہے جس کے ماننے میں کوئی شخص بحث ہی نہیں کر سکتا ہے۔''①

علامہ لوئس پیرول نے ریویو آف ریویوز جلد نمبر ۱۱ میں ''پولٹیکل فساد'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔ اس میں لکھتا ہے:

''اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی بنیادیں منہدم کرنے میں سب سے زبردست کردار کی حامل عورت ہی رہی ہے۔''②

پھر آگے چل کر رقمطراز ہے:

''رومانی جمہوری حکومت کے پچھلے دور میں مدبران سلطنت اور اعیان مملکت نازک مزاج اور عیش پسند عورتوں کی صحبت بہت پسند کرنے لگے تھے اور ایسی عورتیں ان دنوں بکثرت پائی جاتی تھیں۔''③

مرد وعورت کے آزادانہ میل جول کا انجام:

پھر عورتوں کے بے پردہ ہونے اور آزادی پانے کے بعد ملک کی کیا حالت ہوئی؟ تاریخ

---

① مسلمان عورت: ۱۵۸۔

② مسلمان عورت: ۱۵۸۔

③ مسلمان عورت: ۱۵۹۔

میں پڑھیے۔ عورتوں کی آزادی کی وجہ سے ملک کے اخراجات بہت زیادہ بڑھ گئے، فتنہ وفساد کے چشمے ابلنے لگے، ان کے اخلاق واعمال نے تعفن پیدا کر دیا اور پھر ہوا یہ کہ:

''مرد اور عورت کے اس آزادانہ میل جول کی وجہ سے روما والوں میں جیسی کمینہ عادتیں اور گندی خصلتیں پیدا ہوگئیں تھیں میرا قلم ان کے لکھنے سے شرماتا ہے، جن سے ان کی ہمتیں مردہ ہوگئیں، ارادے پست ہوگئے اور طبیعتوں میں کمینہ پن آگیا۔ پھر تو ان میں باہمی چشمک اور خوں ریزی وخانہ جنگی کا زور ہوا اور یہ فساد اس قدر بڑھا کہ انسانیت کا ان میں نام تک نہیں رہا۔''①

یہ ایک تاریخی واقعہ تھا جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا مگر عرض یہ کرنا ہے کہ عورتوں کے متعلق حجاب کا جو الٰہی قانون ہے، تجربات کی روشنی میں اہل یورپ کے بڑے بڑے علماء نے بھی اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ چنانچہ فلسفہ حسی کا موسس اگسٹ کونٹ اپنی مشہور تصنیف ''النظام السیاسة علی حسب الفلسفة الحسیة'' میں لکھتا ہے:

''جس طرح ہمارے زمانہ میں عورتوں کی سوشل حالت کے متعلق خیالی گمراہیاں پیدا ہورہی ہیں اسی طرح تغیر نظام تمدن اور آداب معاشرت کے ہر ایک دور میں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ مگر وہ لاء آف نیچر جو جنس محبّ (عورت) کو منزلی (گھریلو) زندگی کے لیے مخصوص رکھتا ہے، اس میں کبھی کوئی اہم تغیر واقع نہیں ہوا، یہ قانون الٰہی اس درجہ صحیح اور محقق ہے کہ گو اس کی مخالفت میں سینکڑوں باطل خیالات قائم ہوتے رہے مگر یہ بغیر کسی نقصان یا تغیر کے سب پر غالب آتا رہا...... مردوں کے مشاغل میں عورتوں کی کثرت سے جو خوفناک نتائج اور فساد پیدا ہورہے ہیں، ان کا علاج یہی ہے کہ دنیا میں جنس عامل (مرد) پر جنس محبّ (عورت) کے جو مادی فرائض ہیں، ان کی حد بندی اور تعیین کر دی جائے، مرد پر واجب ہے کہ عورت کے

---

① مسلمان عورت: ۷۹۔

طعام و رہائش کا انتظام کرے۔ یہی وہ قانون طبعی اور ناموس الٰہی ہے جو جنس محبّ (عورت) کی اصلی زندگی کو گھر کی چار دیواری میں محدود کرتا ہے، یہی وہ قاعدہ ہے جو ہیئت اجتماعی کے خوفناک اور مہیب اشکال کو احسن و اکمل کر دیتا ہے۔ یہی وہ قانون ہے جو عورت کو اپنے طبعی جذبات سے ترقی نوع انسانی جیسے شریف فرض کی بجا آوری پر آمادہ کرتا ہے۔''[1]

علوم مادیہ کا ایک ماہر ژول سیمان اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے:

''عورت کو چاہیے عورت رہے، ہاں بے شک عورت کو چاہیے عورت رہے، اسی میں اس کے لیے فلاح ہے اور یہی وہ صفت ہے جو اس کو سعادت کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ قدرت کا یہ قانون ہے اور قدرت کی یہ ہدایت ہے، اس لیے جس قدر عورت اس سے قریب ہوگی اس کی حقیقی قدر و منزلت بڑھے گی اور جس قدر دور ہوگی اس کے مصائب ترقی کریں گے۔ بعض فلاسفہ انسان کی زندگی کو پاکیزگی سے خالی سمجھتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ انسان کی زندگی دلفریب، پاک اور بے حد پاکیزہ ہے بشرطیکہ ہر مرد اور ہر عورت اپنے ان مدارج سے واقف ہو جائے جو قدرت نے اس کے لیے قرار دیے ہیں اور اپنے ان فرائض کو ادا کرے جو قدرت نے اس کے متعلق کر دیے ہیں۔''[2]

عورت اپنے جنسی فرائض سے آگے:

اسی حد تک نہیں بلکہ تجربات نے ثابت کر دیا ہے اور یورپ کے سکالروں کو اس بات کے ماننے پر مجبور کر دیا ہے کہ جو عورت اپنے جنسی فرائض انجام نہیں دیتی وہ عورت نہیں ہے۔ چنانچہ یہی ژول سیمان ایک اور موقع پر لکھتا ہے:

---

① مسلمان عورت: ۵۸، ۵۹۔

② مسلمان عورت: ۵۸، ۵۹۔

''جو عورت اپنے گھر سے باہر کی دنیا کے مشاغل میں شریک ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ وہ ایک عامل بسیط کے فرائض انجام دیتی ہے مگر افسوس کہ عورت نہیں رہتی۔''③

سماج کا فریضہ:

آج بہت سے مسلمانوں کو اسلامی پردے کی شکایت ہے۔ وہ مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر اپنے دین کی ان ہدایات پر چراغ پا ہوتے ہیں مگر غور کیجیے کہ خود یورپ کے سکالر اس سلسلہ میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ اگسٹ کونٹ ''النظام السیاسی'' میں لکھتا ہے:

''شوہر یا کسی قریبی رشتہ دار کی عدم موجودگی میں سوسائٹی کا فرض ہے کہ عورت کی ضروریات کا اپنی دولت سے انتظام کرے تاکہ معاش کی ضرورت سے مجبور ہو کر اسے گھر سے باہر کی زندگی میں اپنے آپ کو مبتلا نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ حتی الامکان عورت کی زندگی کو گھر کی چاردیواری میں محدود رہنا چاہیے اور ہماری کوشش ہونا چاہیے کہ عورت خارجی زندگی کے مصائب اور تکلیفوں سے محفوظ رہے اور قدرت نے اسے جس دائرہ میں محدود کر دیا ہے اس سے باہر نکلنے پر مجبور نہ ہو۔''①

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کے لیے جو قانون اول مرتب کیا تھا آج دنیا پھر پھرا کر اسی پر آرہی ہے۔ اسلام نے بے کس و مجبور عورت کا بوجھ مسلمانوں کے بیت المال پر ڈالا تھا، کچھ لوگ سمجھ رہے تھے کہ ملک پر بوجھ ہے جو نہیں ہونا چاہیے مگر اسے کیا کہیے کہ خود یورپ کے سکالر اس حد تک آگئے ہیں کہ مجبور عورتوں کا بوجھ معاشرے پر ڈالتے ہیں۔

عورتوں کی آزادی......خود ان کے حق میں:

کون نہیں جانتا کہ عورتوں کی آزادی ملک کو تباہ کر ڈالتی ہے، قوم کی ریڑھ کی ہڈی توڑ

---

① مسلمان عورت: ۵۸، ۵۹۔

② مسلمان عورت: ۷۹۔

ڈالتی ہے اورخود عورتوں کو جنت سے جہنم میں پہنچا دیتی ہے۔عورت اس بیسویں صدی میں خوش ہے کہ اسے حقوق مل رہے ہیں، وہ ہر محکمہ میں ملازمت حاصل کر رہی ہے مگر اسے پتہ نہیں کہ مردوں نے اسے گائے بیل کی طرح استعمال کرنا شروع کر دیا ہے، اسے ذرہ برابر چین نہیں۔اپنے قدرتی فرائض سے دن بدن دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔مردوں کی تفریح کے لیےعورتوں کوسینما کے پردے پر آنا پڑا۔مردوں کی دل بستگی کا سامان مہیا کرنے کے لیےان کوکلب اور ناچ گھروں میں ناچنا پڑا اور حد یہ ہے کہ محض مردوں کی شہوت پرستی کے سلسلہ میں عورتوں کوعریاں کلب بنانا پڑا۔مگر اب تک عورت یہی سمجھ رہی ہے کہ مردوں کی غلامی سے ہمیں نجات مل گئی۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

عورتوں کی آزادی ......مردوں کے حق میں:

مرد نہیں سوچتا کہ عورت کی آزادی سے اس کو کیا نقصان ہو رہا ہے،کتنی شریف زادیاں سینما اورتھیٹر وغیرہ کی نمائش بن گئیں۔کتنے شریف خاندانوں کی بہو بیٹیاں گھر سے نکالی گئیں اورکتنی پاک دامن عورتوں کی عصمت دری ہو رہی ہے۔کالج، یونیورسٹی اورکلبوں میں کیا کچھ ہوتا ہے،اس کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، ہر پڑھا لکھا جانتا ہے۔

اسلام نے عورتوں کی قدم قدم پر اسی وجہ سے عصمت کے معاملہ میں رہنمائی کی ہے کہ نظام تمدن برقرار رہے اور مرد وعورت دونوں اپنے فرائض منصبی بحسن وخوبی انجام دے سکیں، جہاں شریعت کی بتائی ہوئی راہ کے خلاف مرد وعورت کا اجتماع ہوتا ہے وہاں یقینی طور پر جلد یا بدیر فتنے اٹھتے ہیں اور دونوں ہی اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہ اور کاہل ثابت ہوتے ہیں۔

عورت کہاں سے کہاں پہنچتی ہے؟

ہمیں جناب ماہر القادری صاحب کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے:

''ذوق تبرج اور شوق بے حجابی صرف چہرہ کی بے نقابی ہی پر قناعت نہیں کرتا، پہلے نقاب اٹھتا ہے، پھر جھکی ہوئی نگاہیں آہستہ آہستہ بلند ہوتی ہیں، پھر لباس میں تخفیف ہونا شروع ہوتی ہے، پھر آرائش اور بناؤ سنوار میں یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ لوگ دیکھیں اور شوق و قدردانی کی نگاہ سے دیکھیں، ہوسنا کیوں، بے اعتدالیوں اور برائیوں کا یہ سلسلہ شاخ در شاخ ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ جو عورت پہلی بار چہرہ کو بے نقاب کرتے ہوئے فرط شرم اور غیرت سے پسینا پسینا ہوگئی تھی وہ آگے چل کر کلب گھروں میں غیر مردوں سے بغل گیر ہو کر ناچتی اور تھرکتی ہے۔''①

پردہ میں ضعف اعصاب کا شکوہ غلط ہے:

جو لوگ پردہ کے نقصانات میں اعصاب کی کمزوری، شہوت کا ابھار اور تعلیم وغیرہ سے محرومی بتاتے ہیں وہ سراسر غلط ہے۔ خودکشی کے اعداد و شمار نے ثابت کر دیا ہے کہ اعصاب کس کے کمزور ہوتے ہیں۔ شہوت پرستی کا مسئلہ بھی مغرب و مشرق کی بدکاری و زناکاری کے واقعات نے عیاں کر دیا ہے۔ تعلیم کے سلسلہ میں عرض ہے کہ اسلام میں اہل علم عورتوں کی تاریخ پڑھیں جو لوگ کہتے ہیں کہ پردہ میں رہ کر جو شادی ہوتی ہے اس میں طلاق کی نوبت بکثرت آتی ہے تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ یورپ و ایشیا یا پردہ دار اور غیر پردہ والے ملک کے طلاق کے اعداد و شمار جمع کر لیے جائیں۔②

ہمیں تو صرف یہ بتانا ہے کہ عفت و عصمت کی حفاظت پردہ ہی میں ہے جس کی اسلام نے ہدایت کی ہے، جس کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ یورپ کے بیشتر ممالک میں پردہ سے متعلق عام چرچا شروع ہوگیا۔ جرمنی میں ''عورتیں گھروں کی طرف واپس ہوں'' کی تحریک شروع

---

① فاران دسمبر ۱۹۵۱ء: ۷۔

② اس سلسلہ میں ''المرأة المسلمة از فرید وجدی'' کا مطالعہ کریں، اس کا اردو ترجمہ ''مسلمان عورت'' کے عنوان سے ہو چکا ہے۔

ہوئی، امریکہ میں ہر سال ایک لاکھ خودکشی کے واقعات ہوتے ہیں جن میں کامیابی سترہ ہزار کو ہوتی ہے اوراس میں پیش پیش عورتیں ہی ہیں جو عشق ومحبت کی ناکامی کا نتیجہ ہے۔

غیر عورت کی حالت مرد سے بیان نہ کی جائے:

اسلام نے ان راستوں پر بھی پہرا بٹھا دیا ہے جو غیر محسوس طور پر عفت وعصمت کے لیے خطرناک ہیں۔ مثلاً رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ عورت جب عورت سے ملے اور اسے دیکھے تو وہ جاکر دوسری عورت کی زیب وزینت اپنے شوہر سے بیان نہ کرے کہ ممکن ہے اس کے شوہر کے دل میں دوسری عورت کی خوبی اور اس کا حسن وجمال گھر کر جائے اور وہ اس کے پیچھے پڑ جائے۔ ارشادی نبوی ﷺ ہے:

((لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ اِلَيْهَا))[1]

''عورت عورت کے ساتھ اس طرح نہ رہے سہے کہ وہ اپنے شوہر سے اس کی حالت اس طرح کھل کر بیان کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

اس طرح شہوت میں ابھار پیدا ہونے کا امکان اور بلاشبہ پھر اس سے فتنہ کے برپا ہونے کا امکان ہے۔

مرد اپنی بیوی کا راز ظاہر نہ کرے:

اسی طرح رحمت عالم ﷺ نے مرد کو بھی منع کیا ہے کہ وہ اپنے زن وشو کی باہمی راز کی بات کسی غیر مرد سے بیان کرے، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً الرَّجُلُ يُفْضِىْ اِلَى امْرَأَتِهِ وَ تُفْضِىْ اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا))[2]

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب لا تباشر المرأة المرأة فتنعتها لزوجها: ٥٢٤٠۔

[2] مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم افشاء سرالمرأة: ١٤٣٧۔

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدتر وہ شخص ہے کہ وہ اور اس کی بیوی یکجا ہوں اور پھر مرد اس بھید کو کھول دے۔''

عورت کو جس طرح دوسری عورت کی ہیئت جسمانی وغیرہ کے بیان سے روکا گیا ہے اسی طرح یہاں مرد کو روکا گیا ہے کہ اپنی بیوی کی راز کی باتوں کو کسی کے سامنے بیان کرے۔ یہاں بھی اور باتوں کے ساتھ ایک بات یہ ہے کہ دوسرے کے جذبات کو برانگیختہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ انسانی شہوت کا حال یہ ہے کہ جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہوتی ہے فطرتاً اس میں تلاطم کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اور تھوڑی ہی دیر کے لیے سہی انسانی دماغ کہاں کہاں کے چکر لگانے لگتا ہے، اس لیے عقل وشعور کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کی بے ہودہ باتوں سے پرہیز کیا جائے اور شہوت انگیز باتوں سے مکمل اجتناب برتا جائے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بلا فائدہ مجملاً جماع کا تذکرہ بھی مکروہ ہے، ہاں ضرورت کی بات اور ہے، جیسے کوئی یہ سمجھے کہ جماع پر اس کو قدرت نہیں ہے تو البتہ ایسے موقع پر جماع کا تذکرہ مکروہ نہ ہوگا اور تفصیل ہر حال میں حرام اور بری چیز ہے۔[1]

ہیجانی کیفیت پیدا کرنے والی باتوں سے اجتناب:

شریعت نے اسی وجہ سے ہر اس طریقہ سے منع کیا ہے جو انسانی طاقت میں ہیجان پیدا کر سکتا ہے اور جس سے کسی فتنہ و فساد یا گناہ اور معصیت کا اندیشہ سامنے آسکتا ہے۔ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے دواعی پر کڑی نگرانی فرمائی ہے، کوئی بھی داعیہ جو عقل وشعور میں معصیت کا موجب ہوسکتا ہے اس کو عمل میں لانے سے منع فرما دیا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا:

((لَا یَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰی عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَ لَا الْمَرْأَةُ اِلٰی عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ))[2]

---

① شرح مسلم للنووی: ١/ ٤٦٤۔

② مسلم، کتاب الحیض، باب تحریم النظر الی العورات: ٣٣٨۔ ابوداؤد: ٤٠١٨۔ ترمذی: ٢٧٩٣۔

’’کوئی مرد دوسرے مرد کا ستر نہ دیکھے اور نہ عورت ہی دوسری عورت کا ستر دیکھے۔‘‘

انسانی فطرت ہے کہ ستر کے دیکھنے سے شہوت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ مرد مرد کا ستر دیکھے یا عورت عورت کا، یا یہ شکل ہو کہ مرد عورت کا ستر دیکھے اور عورت مرد کا ستر دیکھے۔ شہوت میں جب ہیجان پیدا ہوتا ہے تو خطرہ منڈلانے لگتا ہے، انسانی طبیعت بے قرار ہو جاتی ہے اور پھر ایک غلط جذبہ اس کے دل میں گھر کر لیتا ہے، کبھی مرد کو مرد سے عشق ہو جاتا ہے اور طبیعت میں گندگی ہے تو موقع پا کر گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، کبھی اس کی شہوت کا زور اسے کسی اجنبی عورت کی طرف مائل کر دیتا ہے اور کم و بیش یہی حال عورت کا ہوتا ہے کہ کبھی وہ آپس میں عشق و محبت کی داستان چھیڑ دیتی ہے اور کبھی کسی غیر مرد سے نظر لطف و کرم کی متمنی ہوتی ہے اور یہ دونوں ہی طریقے غلطی میں بلکہ معصیت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ ستر پوشی اسلام میں ضروری ہے اور دیکھنا اس کے خلاف ہوتا ہے یوں بھی رسم و رواج میں ستر پوشی ایک ضروی چیز سمجھی جاتی ہے اور اس کے خلاف کرنا ذلت کی بات۔

ایک ساتھ دو مرد یا دو عورتیں نہ لیٹیں:

اور انسانی طبیعت اور اس کی قوت شہوت ہی کے پیش نظر اسلام نے اس بات سے بھی روکا ہے کہ دو مرد ایک ساتھ ایک کپڑے میں سوئیں یا لیٹیں، اسی طرح دو عورتیں ایک کپڑے میں لیٹیں یا سوئیں۔ اسی حدیث کا آخری حصہ ہے:

((وَ لَا يُفْضِى الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ فِىْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَ لَا تُفْضِىُ الْمَرْأَةُ فِى الثَّوْبِ الوَاحِدِ))①

’’کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ کوئی عورت ہی دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں سوئے یا لیٹے۔‘‘

ایک ساتھ دو مرد یا دو عورتوں کا لیٹنا نفسیات نے بھی غلط ثابت کر دیا ہے کیونکہ اس کا

---

① مسلم، کتاب الحیض، باب تحریم النظر الی العورات: ۳۳۸۔

نتیجہ خوشگوار نہیں ہوتا ۔حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا بھی درست ہے کہ یہ چیز شہوت میں بہت ہیجان کا باعث ہو جایا کرتی ہے جس سے کبھی کبھی مشت زنی کی رغبت ہوتی ہے اور کبھی اغلام کی، جو نہایت مبغوض فعل ہیں۔

ستر اور اس کی پردہ پوشی:

مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے، جس کا چھپائے رکھنا مرد کے لیے ضروری ہے۔ سوائے بیوی کے اور کسی پر ظاہر نہیں کر سکتا اور آزاد عورت کا ستر چہرہ اور ہتھیلی چھوڑ کر سارا جسم ہی ہے مگر عورت کا ستر عورت کے لیے بھی ناف سے لے گھٹنے تک ہی ہے۔ اتنا حصہ عورت کا عورت بھی نہیں دیکھ سکتی سوائے بچہ کی پیدائش کے موقع کے، جس میں معذوری ہے یا پھر شوہر کے لیے۔

انسانی فطرت میں بڑی حد تک یہ بھی داخل ہے کہ اپنی شرمگاہ دیکھنے سے بھی شہوت بھڑکتی ہے، اس لیے اسلام نے اس سے بھی روکا ہے کہ آدمی تنہائی میں بھی ننگا نہ ہو، پھر یہ مروت کے خلاف بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِیَّاکُمْ وَ التَّعَرِّیَ فَاِنَّ مَعَکُمْ مَنْ لَا یُفَارِقُکُمْ اِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَ حِیْنَ یُفْضِی الرَّجُلُ اِلٰی اَھْلِهٖ فَاسْتَحْیُوْھُمْ وَ اَکْرِمُوْھُمْ))[1]

”ننگے ہونے سے بچو، اس لیے کہ تمہارے ساتھ وہ بھی ہیں جو جدا نہیں ہوتے مگر پائے خانہ کے وقت یا جماع کے وقت، لہٰذا ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کرو۔“

دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا:

---

① ترمذی، کتاب الأدب، باب ما جاء فی الاستتار عندالجماع : ۲۸۰۰۔ اس روایت کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ضعیف ترمذی ۔ ارواء الغلیل : ٦٤۔ المشکوٰۃ بتحقیق الثانی : ۳۱۱۵۔

((اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ...... قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا قَالَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰ مِنْهُ مِنَ النَّاسِ))[1]

''اپنے ستر کی دیکھ بھال کر، ہاں اپنی بیوی یا لونڈی کے پاس ہو تو اور بات ہے...... تو میں نے پوچھا اگر کوئی تنہا ہو تو؟ فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ لوگوں سے زیادہ حقدار ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔''

ادب کا تقاضا تو بلاشبہ یہی ہے کہ تنہائی میں کراماً کاتبین فرشتے اور خود رب العزت کی موجودگی کا تصور و خیال غالب ہو اور حیا اور شرم و حیا کا پاس باقی رہے مگر ساتھ ہی بالکل ننگا ہونے میں جذبات نفس میں بھی کبھی ہیجان کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ بہرحال ادب اور حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ جب بالکل مجبور نہ ہو ننگا ہونے کی جرأت نہ کی جائے اور اس طرح بے حیائی کو راہ نہ دی جائے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا لَا يَبِيْتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ ثَيِّبٍ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ نَاكِحًا اَوْ ذَامَحْرَمٍ))[2]

''خبردار! کسی بیاہی عورت کے پاس کوئی غیر مرد رات نہ گزارے مگر یہ کہ وہ نکاح کرنے والا ہو یا محرم ہو۔''

یہ سب حفظ ماتقدم کے طریقے ہیں اور کوئی شبہ نہیں سب ہی خطرات کے مقام ہیں۔ اس لیے اجتناب بہت ضروری ہے اور عفت پر حرف آنا اور معصیت میں مبتلا ہونا بڑی حد تک ممکن ہے۔

عورت تنہا سفر نہ کرے:

اسلام نے عفت و عصمت کو کہیں بھی بے سہارا نہیں چھوڑا، ہر جگہ گنجائش پر اس کے

---

① ابوداؤد، کتاب الحمام، باب فی التعری : ٤٠١٧۔

② مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الخلوة بالاجنبية والدخول عليها : ٢١٧١۔

تحفظ کی کوشش کی ہے۔ زندگی میں اگر کبھی عورت کو سفر کی ضرورت پیش آتی ہے تو اسلام سفر میں بھی اس کی عصمت کا سامان کرتا ہے۔ چنانچہ قانون الٰہی ہے کہ عورت سفر میں اس وقت تک نہیں جاسکتی جب تک کوئی محرم اس کے ساتھ نہ ہو، حج جو عبادات میں داخل اور اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے، اس کی ادائیگی بھی وہ بغیر محرم کے نہیں کرسکتی۔ ظاہری احتیاط کو بھی اسلام نے اس باب میں فراموش نہیں کیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((لَا یَحِلُّ لِامْرَأَۃٍ تُؤمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِیْرَۃَ یَوْمٍ وَ لَیْلَۃٍ لَیْسَ مَعَ حُرْمَۃٍ))[1]

''مومنہ عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر محرم کو ساتھ لیے ایک دن اور ایک رات کی مسافت کا سفر تنہا کرے۔''

محرم وہ شخص ہے جس سے کبھی بھی اس کی شادی جائز نہ ہو، جیسے اپنا بھائی باپ وغیرہ یا شوہر ساتھ ہو۔ بغیر محرم کے تنہا عورت کا سفر حرام ہے۔ محرم کے علاوہ کوئی غیر محرم ساتھ ہو اس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے، عقل میں بھی بات آتی ہے کہ گھر چھوڑ کر عورت جب باہر جاتی ہے تو اسے خطرات سے ہو کر راستہ طے کرنا پڑتا ہے۔ راستہ میں نیک و بد ہر طرح کے آدمیوں سے ہو کر راستہ طے کیا جاتا ہے۔ خلقتاً عورتیں کمزور ہوتی ہیں، جذبات کی نازک ہوتی ہیں، ان کے عقل و شعور میں نسبتاً وہ پختگی نہیں ہوتی جو ہونی چاہیے۔ اس لیے ایسے موقع پر کسی خاص آدمی (جیسے شوہر، باپ، بھائی وغیرہ) کا ہی ساتھ ہونا ضروری ہے جو اس کی ہر موقع پر مناسب امداد کر سکے اور کبھی رفیق سفر سے امداد و اعانت سے متاثر ہو تو کوئی غلط جذبہ ابھارنے والا نہ ہو۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَۃٍ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ! اِنَّ امْرَأَتِیْ خَرَجَتْ حَاجَّۃً وَ

---

[1] بخاری، کتاب التفسیر، باب فی کم یقصر الصلوٰۃ: ۱۰۸۸۔

اکْتُتِبْتُ فِیْ غَزْوَةِ كَذَا وَ كَذَا قَالَ ارْجِعْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ)) [1]

''کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے الا یہ کہ ساتھ محرم ہو تو ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ ﷺ! میری بیوی حج کے لیے گئی ہے اور میرا نام فلاں غزوہ میں لکھ لیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تو لوٹ جا اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔''

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے عورتوں کے متعلق قانون الٰہی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ان کی عفت وعصمت اور دوسری ضروریات کا کتنا لحاظ اور پاس ہے۔ جہاد کے مقابلہ میں اس بات کو ترجیح دی گئی ہے کہ مرد اپنی بیوی کے ساتھ سفر حج میں جائے، عورت بغیر محرم سفر نہ کرے۔ جہاد میں شرکت سے بھی ضروری اس وقت عورت کے ساتھ جانا ہے۔

سفر میں جاتے ہوئے گھر کی حفاظت:

مرد سفر میں جاتا ہے تو وہاں بھی عورتوں کو فراموش نہیں کرسکتا، اپنی اور بیوی دونوں کی عفت وعصمت اور دوسری ضرورتوں کا لحاظ و پاس کرنا ضروری ہے، سفر کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو اس کے لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ایسی دعائیں پڑھے جس میں اپنے اور اپنے بال بچوں کے تحفظ اور آرام کی درخواست ہو۔ خود رحمت عالم ﷺ جب سفر کے لیے نکلتے تو دعا پڑھتے ،جس کا ایک حصہ یہ ہے:

((اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَ الْخَلِیْفَةُ فِی الْاَھْلِ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَآءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَ الْاَھْلِ)) [2]

---

① بخاری ، کتاب النکاح، باب لایخلون رجل بامرأۃ الا ذو محرم : ۵۲۳۳۔

② مسلم ، کتاب الحج، باب استحباب الذکر اذا رکب دابته : ۱۳۴۲۔

''اے اللہ! تو سفر میں مالک ہے اور اہل وعیال میں خلیفہ، اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں کہ سفر کی مشقت اور برا منظر پیش آئے اور اس سے کہ مال اور عیال میں برائی دیکھوں۔''

اور امت کو بھی یہ ہدایت ہے کہ نکلتے ہوئے یہ پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے اللہ! دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ تو میرے بیوی بچوں کی حفاظت کرنا، الٰہ العالمین اس بات سے پناہ مانگتے ہیں کہ سفر سے واپسی پر مال اور بیوی بچوں میں کوئی ناگوار بات دیکھنے میں آئے۔ گویا اس طرح وہ اپنے بال بچوں کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی محافظت میں دیتا ہے، یوں تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی محافظ ہے پھر آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جہاں سفر کی ضرورت پوری ہوجائے فوراً اپنے بیوی بچوں میں واپس آؤ۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ اَحَدُكُمْ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ وَ نَوْمَهٗ فَاِذَا قَضٰی نَهْمَتَهٗ فَلْيُعَجِّلْ اِلٰی اَهْلِهٖ))[1]

''سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے، تم کو کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے لہٰذا جونہی سفر کی ضرورت ختم ہو جلدی سے بیوی بچوں میں پلٹ آؤ۔''

مجاہدین کے گھروں کی عفت کا خیال:

مجاہدین اسلام کی بیویاں جو شوہروں کے جہاد میں چلے جانے کے بعد تنہا رہ جاتی ہیں، ان کے درجہ اور ان کی حرمت کو عام مسلمانوں کی عورتوں سے بہت بڑھا کر رکھا گیا ہے۔ ان کو ماں کا درجہ دیا گیا ہے اور ان کی عفت وعصمت کا لحاظ ہر مسلمان پر ضروری قرار دیا گیا ہے۔ رحمت عالم ﷺ فرماتے ہیں:

((حُرْمَةُ نِسَآءِ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَی الْقَاعِدِيْنَ كَحُرْمَةِ اُمَّهَاتِهِمْ مَا مِنْ

---

[1] بخاری، کتاب العمرۃ، باب السفر قطعة من العذاب: ۱۸۰۴۔

رَجُلٍ مِّنَ الْقَاعِدِیْنَ یَخْلُفُ رَجُلاً مِنَ الْمُجَاهِدِیْنَ فِیْ اَهْلِهٖ فَیَخُوْنُهٗ فِیْهِمْ اِلَّا وُقِفَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیَأْخُذُ مِنْ عَمَلِهٖ مَا شَآءَ فَمَا ظَنُّکُمْ))[1]

''مجاہدین کی بیویوں کی عزت گھر پر رہنے والوں کے لیے ان کی ماں کے برابر ہے، کوئی گھر میں رہنے والا مجاہدین میں سے کسی کے اہل میں خیانت کا ارتکاب کرے گا تو قیامت کے دن اس مجاہد کو لایا جائے گا تو اس کو حکم ہوگا کہ اس کے اعمال (نیکیوں) میں سے جو چاہو لے لو تو تمہارا کیا خیال ہے؟ (کہ وہ کچھ چھوڑے گا)۔''

---

[1] ابوداؤد، کتاب الجهاد، باب فی حرمة نساء المجاهدين على القاعدين : ٢٤٩٦۔

قوانین استئذان

اسلام نے جہاں تمام جزئی وکلی امور کے لیے قوانین وضع کیے اور ضابطے مقرر کیے وہاں یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ گھروں کے داخلہ کے لیے کوئی باضابطہ دستور نہ بناتا چنانچہ اس نے عفت عصمت کے تحفظ اور دوسری حکمتوں کے پیش نظر یہ ضابطہ قرار دیا کہ کوئی غیر کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو اور پھر حصول اجازت کا طریقہ یہ بتایا کہ اسے عمل میں لا کر اجازت طلب کرے۔

گھروں میں داخلہ:

سوائے اس گھر کے جو رہن سہن کے لیے نہیں ہے یا ہے مگر وہ عام ہے آنے کی کسی کو رکاوٹ نہیں۔ جیسے خانقاہ کا وہ حصہ جو عوام وخواص ہر ایک کے لیے برابر ہے مدرسہ جہاں کسی کو ممانعت نہیں۔ سرائے جو ہر شخص کے لیے برابر ہے ۔ دروازہ اور دالان جو بنایا ہی عام لوگوں کے لیے گیا ہے یا وہ گھر جس میں کوئی نہیں رہتا ہے بلکہ اس میں سامان وغیرہ ہے۔ اس طرح کے گھر میں تو بلاشبہ بغیر اجازت بھی آ سکتا ہے کہ یہ تو بنائے ہی عوام الناس کے لیے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٢٩﴾ (النور:٢٩)

''اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جس میں سامان ہے، کوئی نہیں رہتا اور جو کچھ تم ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو، اللہ کو معلوم ہے۔''

ہاں جن لوگوں کو ایسے عام گھروں سے روک دیا گیا ہے وہ البتہ نہیں جا سکتے ہیں۔

گھروں میں بغیر اجازت داخلہ ممنوع:

ان کے علاوہ گھروں کا حکم یہ ہے کہ بغیر اجازت داخل نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾

(النور: ٢٧)

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا کسی گھر میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور اس گھر والے کو سلام نہ کر لو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تا کہ تم یاد رکھو۔''

غیر کے گھر میں داخل ہونا چاہے تو پہلے شرعی طریقہ سے اجازت حاصل کر لی جائے، یہ گھر خواہ اس کی ملکیت ہو یا وہ کرایہ پر رہتا ہو اور یا وہ عاریتاً اس میں گزر بسر کرتا ہو۔ پھر اس گھر میں محارم ہوں یا غیر محارم، مرد رہتے ہوں یا عورتیں، تمام شکلوں میں جو مختار خانہ ہے اس سے اجازت لینی چاہیے، اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ خود گھر والا اجازت دے یا اس نے جس کو اجازت دینے کا اختیار دیا ہے، وہ اجازت دے۔

طلب اجازت کا شرعی طریقہ:

حصول اجازت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہاں پہنچ کر سلام کرے اور پوچھے کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ اندر جانے کی اجازت مل جائے تو اندر جائے، اجازت نہ ملے یعنی گھر کے مختار نے کہا کہ ابھی نہیں آ سکتے تو ایسی حالت میں فوراً پلٹ آئے، اصرار نہ کرے اور نہ زبردستی

کرے اور اگر آواز دی، جواب نہیں ملا تو تین مرتبہ اجازت کے لیے شرعی طریقہ اختیار کرے۔ تیسری مرتبہ بھی کوئی جواب نہ ملے تو پلٹ آئے اور ایسا گھر جس کے متعلق صراحت کے ساتھ معلوم نہیں ہے کہ اس میں کوئی ہے یا نہیں تو اس طرح کی مشکوک حالت میں بھی بغیر اجازت اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ ارشاد رب العالمین ہے:

فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨﴾

[النور: ٢٨]

''پھر اگر اس میں کسی کو نہ پاؤ تو اس میں داخل نہ ہو جب تک تم کو اجازت نہ مل جائے اور اگر جواب دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو پھر پلٹ جاؤ۔ اس میں تمہارے لیے پاکیزگی ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔''

فرض کرلیا جائے کہ گھر میں کوئی نہیں ہے تو سوال ہے کہ تم دوسرے کے گھر جانے کا کیا حق رکھتے ہو جب کہ وہ گھر ایسا ہے جہاں جانے کی عام اجازت نہیں اور گھر والے نے جب کھل کر کہہ دیا کہ واپس جایے تو پھر کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس کے بعد زبردستی جانا کسی کو ایذا دینا ہے اور ایذا دینا سخت جرم ہے۔ دوسرے اپنی رسوائی بھی ہے کہ خواہ مخواہ دوسرے کے یہاں گھس گئے ۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ جب کہہ دیا گیا کہ واپس جاؤ تو اجازت کے حصول کے لیے اصرار نہ کیا جائے، پردہ میں سہولت کا طالب نہ ہو اور نہ دروازہ پر کھڑے ہو کر انتظار کیا جائے۔ کیونکہ یہ ساری شکلیں کراہت سے خالی نہیں ہیں، نیز آداب حسنہ کے خلاف ہیں بلکہ واپس لوٹ جائے، دروازہ پیٹنے کی اجازت نہیں ہے۔ صاحب کشاف نے اس آیت کے ضمن میں اس کی صراحت کی ہے۔[1]

---

(1) کشاف: ٣/ ٧٠۔

اجازت طلب کرنے کی حکمت:

اجازت طلب کرنے میں بڑی حکمت اور بہت سے فائدے ہیں۔پہلی بات تو یہ ہے کہ طلب اذن جس کو حدیث کی اصطلاح میں ''استیذان'' کہتے ہیں، واجب ہے اور واجب پر عمل ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ کیا معلوم دفعتاً (یکبارگی) جانے سے نظر ایسی جگہ پر پڑے جہاں دیکھنا ناگوار خاطر ہو، خود جانے والے کے لیے بھی اور گھر والوں کے لیے بھی۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دفعتاً کسی ناپسندیدہ یا ناجائز چیز پر نظر پڑ جانے سے زندگی کو روگ لگ جاتا ہے، اس لیے عقل وخرد کا تقاضا یہی ہے کہ کسی کے گھر میں اجازت حاصل کیے بغیر گھسنے کی جرأت نہ کی جائے۔

ایسی حویلی میں جہاں ایک باپ کی متعدد اولاد ہو اور وہ سب یا کچھ ان میں سے شادی شدہ ہوں تو ایسی حالت میں بھی اپنا خیال ہے کہ اصول کے مطابق اجازت کے حصول کی ضرورت ہے، اس لیے کہ غیر محرم عورتیں ہیں، یا کم از کم ایسی صورت اختیار کی جائے کہ گھر کی عورتیں داخل ہونے سے پہلے خبردار ہوجائیں اور وہ اپنے آپ کو سنبھال لیں اور یہ طریقہ ہر زنانہ گھر میں جاتے وقت اختیار کرنا چاہیے۔

طلب اذن کی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم:

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت طلب کرنے کی تعلیم عملی طور پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دی، اس لیے اس سے متعلق واقعات حدیث کی کتابوں میں بکثرت آئے ہیں۔طلب اذن کے باب میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلْاِسْتِیْذَانُ ثَلَاثٌ فَاِنْ اُذِنَ لَكَ وَ اِلَّا فَارْجِعْ))[1]

''طلب اذن تین مرتبہ ہے، اگر اجازت مل جائے تو خیر ورنہ واپس ہوجانا

---

[1] مسلم، کتاب الادب، باب الاستئذان: ۲۱۵۳۔

چاہیے۔‘‘

بنی عامر کے ایک شخص کا بیان ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ گھر کے اندر تھے، دروازہ پر پہنچ کر درخواست کی کہ داخل ہونے کی اجازت ہے؟رسول اکرم ﷺ کو یہ آواز پہنچی تو خادم سے فرمایا: ’’باہر جو شخص آیا ہے اس کے پاس جاؤ اور اس کو اجازت طلب کرنے کا شرعی طریقہ سکھاؤ، اسے بتانا کہ تم اس طرح کہو’’السلام علیکم‘‘ کیا میں اندر آسکتا ہوں؟‘‘ دروازہ پر جو شخص آیا تھا اس نے آنحضرت ﷺ کی اس ہدایت کو جو آپ ﷺ اپنے خادم کو دے رہے تھے، سن لیا اور اب دوبارہ کہا: ’’السلام علیکم! اندر حاضر ہو سکتا ہوں؟ نبی ﷺ نے جب شرعی طریقہ سے اجازت طلب کرنا سنا تو آپ ﷺ نے اس کو اجازت دے دی اور وہ شخص اندر آیا۔ ①

حضرت کلدہ بن حنبلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور بغیر سلام کیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا، یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ واپس جاؤ اور یہ کہو: ’’السلام علیکم! کیا میں اندر آسکتا ہوں۔‘‘②

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل:

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اجازت جب لینی ہو تو پہلے سلام کیا جائے پھر اندر حاضر ہونے کی اجازت طلب کرے، بغیر سلام اجازت طلب کرنا ناپسندیدہ طریقہ ہے۔ اوپر والی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اجازت کے لیے تین مرتبہ آواز دی جائے گی۔ تیسری مرتبہ بھی جب جواب نہ ملے تو واپس ہو جائے۔

حدیث میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ تین مرتبہ شرعی طریقہ کے مطابق اجازت طلب کی، کوئی جواب نہیں ملا، پلٹ آئے۔ حضرت

---

① ابوداؤد، کتاب الادب، باب کیف الاستئذان: ۵۱۷۷۔

② ابوداؤد، کتاب الادب، باب کیف الاستئذان: ۵۱۷۶۔

عمر رضی اللہ عنہ کسی کام میں مصروف تھے۔ اطمینان ہوا تو فرمایا کہ ان (ابوموسیٰ) کو بلا لو۔ آدمی ان کو بلانے باہر آیا تو دیکھا حضرت ابوموسیٰ جا چکے ہیں۔ جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی، پھر دوبارہ جب کسی کام سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ اس وقت کیوں واپس ہو چلے تھے۔ جواب دیا کہ تین مرتبہ میں نے اجازت چاہی، اجازت ملنے کی آواز نہیں آئی، چلا گیا کیونکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اِذَا اسْتَأْذَنَ اَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ)) ①

''تم میں سے کوئی تین بار اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ دی جائے تو اس کو پلٹ آنا چاہیے۔''

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لائے اور اجازت چاہی، تین مرتبہ سلام کے ساتھ اجازت طلب کی، کوئی جواب نہیں ملا تو تیسری مرتبہ کے بعد واپس ہو گئے۔ اتنے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر لے گئے۔ ②

دروازے پر تاک جھانک کی ممانعت:

اجازت کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ اچانک گھر والوں کو دیکھ نہ لے، خود سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ اپنے حجرہ میں بیٹھے ایک چھری لیے سر کھجلا رہے تھے کہ کوئی آیا اور جھانکنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ اگر مجھے علم ہوتا تو اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالتا، کیا اس کو معلوم نہیں کہ:

---

① بخاری، کتاب الاستئذان، باب التسلیم والاستئذان ثلاثا: ٦٢٤٥۔

② مسند احمد: ١٣٨/٣۔ بزار: ٢٠٠٧۔ اس کی سند جید ہے۔ امام ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان دونوں کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ مجمع الزوائد: ٣٤/٨۔

((اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِئْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ))[1]

’’دیکھ لینے ہی کی وجہ سے اجازت طلب کرنے کا قانون بنایا گیا ہے۔‘‘

اسی وجہ سے حکم ہے کہ اصولی طور پر اس کو دروازہ سے علیحدہ ہو کر کھڑا ہونا چاہیے۔ دائیں بائیں جدھر مناسب ہو کھڑا ہو جائے، دروازہ کے بالکل مقابل نہ کھڑا ہو۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی دروازہ پر آتے تو دروازہ کے مقابل نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ دائیں جانب کھڑے ہوتے یا بائیں جانب اور فرماتے :’’السلام علیکم، السلام علیکم۔‘‘ راوی کا بیان ہے کہ عہد نبوی میں دروازوں پر پردہ لٹکانے کا رواج نہیں تھا۔ اس کا منشا یہ ہے کہ اگر پردہ ہو تو دروازہ کے سامنے کھڑا ہونا بھی ناجائز نہیں ہے مگر اصول کے پیش نظر اب بھی مناسب یہی ہے کہ دروازہ کے بالکل مقابل کھڑے ہو کر اجازت طلب نہ کی جائے کیونکہ بسا اوقات پردہ اٹھا کر کوئی اندر سے نکلتا ہے تو سامنے سے گھر کے آدمی پر نظر پڑ جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر حاضر ہوا اور اجازت طلب کی، وہ شخص دروازہ کے مقابل تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ ایسے (یعنی دائیں) یا ایسے (بائیں) کھڑے ہو اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ طلب اذن نگاہ ہی کی وجہ سے ہے۔[2]

پھر دروازہ پر پہنچ کر تاک جھانک نہیں کرنی چاہیے، یہ تاک جھانک دروازے کی دراز سے ہو یا کھڑکی وغیرہ سے کیونکہ اس سے مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ پھر اس لیے کہ آپ ابھی پڑھ چکے کہ نگاہ ہی سے بچنے کے لیے یہ قاعدے وضع کیے گئے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے منع کیا ہے۔ صحیحین میں یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَوْ اَنَّ امْرَأً اِطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ اِذْنٍ فَقَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ مَا كَانَ

---

1. بخاری، کتاب الاستئذان، باب الاستئذان من اجل البصر : ٦٢٤١
2. بخاری، کتاب الاستئذان، باب الاستئذان من اجل البصر : ٦٢٤١۔

عَلَيْكَ جُنَاحٌ))[1]

''اگر کوئی بغیر اجازت تم کو جھانکے اور تم اس کو کنکری اٹھا کر مارو، جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔''

جس جرم کی سزا رحمت عالم ﷺ کی نگاہ میں اتنی سخت ہو، اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فی نفسہ یہ جرم کتنا برا ہوگا۔

طلب اذن کے وقت اپنا مشہور نام بتائے:

سلام کے بعد طلب اذن کے لیے جب آواز دے اور گھر سے کوئی پوچھے کہ تو کون ہے؟ تو اجازت چاہنے والے کو اپنا مشہور نام بتانا چاہیے، جواب میں یہ نہیں کہنا چاہیے ''میں ہوں۔'' اس لیے کہ اس سے پتہ نہیں چلتا کہ کون آیا ہے۔ نام بتانے کی صورت میں گھر والے کو اجازت دینے میں سہولت ہو جاتی ہے اور پھر آنحضرت ﷺ نے مبہم جواب کو ناپسند بھی فرمایا ہے۔

ایک دفعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے اندر سے فرمایا: ''کون ہیں؟'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں ہوں۔'' رحمت عالم ﷺ نے یہ جواب سن کر ناپسند فرمایا اور کہا: ''یہ انا، انا (میں میں) کیا ہے؟''[2]

اجازت طلب کرنے کے اس طریقہ کی بعد میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تعلیم فرماتے رہے اور خود بھی برابر عمل کرتے رہے اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی تاکید کی۔

محرم بھی اجازت حاصل کرے:

یہ استئذان (اجازت چاہنا) اپنے لوگوں سے بھی چاہیے یعنی اپنی ماں بہن وغیرہ ہوں تو

---

① ابن کثیر: ۳/۲۷۹۔

② بخاری، کتاب الاستئذان، باب اذا قال من ذا؟ فقال أنا: ۶۲۵۰۔ مسلم: ۲۱۵۵۔ ترمذی: ۲۷۱۱۔ ابوداؤد: ۵۱۸۷۔ ابن ماجہ: ۳۷۰۹۔

ان سے بھی اجازت لے کر اندر داخل ہونا چاہیے، بلکہ بڑی حد تک ضروری ہے۔ استئذ ان والی آیت کے شانِ نزول میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک انصاری عورت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئی اور شکوہ کرنے لگی کہ کبھی میں اس حال میں ہوتی ہوں کہ میں پسند نہیں کرتی کہ کوئی مجھے دیکھے خواہ باپ ہو، خواہ بیٹا اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ میں اسی حال میں ہوتی ہوں اور گھر والے آتے جاتے ہیں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا ......﴾ [1]

حدیث میں متعدد واقعات اس طرح کے آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم بھی اندر آئیں تو اجازت لے کر آئیں، اس لیے کہ معلوم نہیں گھر میں عورتیں کس حال میں ہوں، عموماً جانبین میں کوئی پسند نہیں کرتا کہ عورتوں کو اس حالت میں دیکھے کہ وہ آزادانہ بیٹھی ہوں جو عورتوں میں خاص نشست ہوتی ہے۔ اپنا تو خیال ہے کہ گھر میں صرف بیوی ہو تو بھی خبر دے کر داخل ہونا چاہیے کیونکہ طبعاً آدمی اپنی بیوی کو بھی بے پردگی میں دیکھنا پسند نہیں کرتا اور نہ عورت ہی اسے گوارا کرتی ہے۔

ماں سے بھی طلب اذن:

ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ اپنی ماں سے بھی اجازت طلب کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! اجازت طلب کرنا ماں سے بھی ہے۔'' اس نے کہا کہ میں تو ان کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں۔ مقصد کہنے کا یہ تھا کہ ماں کا مجھ سے پردہ نہیں ہے پھر طلب اذن کی کیا ضرورت ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ان سے بھی اجازت لے لیا کرو۔'' اس شخص نے کہا کہ میں ان کی خدمت کرتا ہوں یعنی اس وجہ سے برابر آنا جانا ہوتا ہے پھر طلب اذن کی کیا ضرورت ہے، دشواری بڑھ جائے گی؟ آنحضرت ﷺ نے سمجھاتے ہوئے فرمایا: ''اپنی ماں کی خدمت میں بھی حاضر ہونا ہے تب بھی اجازت حاصل کر لیا کرو، کیا تم ماں کو ننگی دیکھنا پسند کرو گے؟'' اس نے کہا نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اسی وجہ سے کہتا

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۷۴۔

ہوں کہ اجازت حاصل کر کے جاؤ۔''①

سلف صالحین کا طریقہ:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی ضرورت سے اندر آتے تو پہلے دروازہ پر آکر رک جاتے، کھانستے، تھوکتے اور اس کے بعد اندر آتے، اچانک بغیر اطلاع آنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ زینب رضی اللہ عنہا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں۔②

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب گھر آتے تو اجازت طلب کرتے، دروازہ پر آکر زور سے آواز دیتے۔③

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی جب اپنے گھر میں داخل ہونے لگے تو دروازہ پر آکر زور سے کھانسے یا زور سے اپنا جوتا زمین پر مارے جس سے اندر خبر ہو جائے کہ مرد آرہا ہے۔④

استئذان میں تین سلام جو رکھے گئے ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ پہلا گھر والے سن لیں، دوسرے سلام کی آواز پر سنبھل جائیں اور تیسرے کی آواز پر اجازت دیں یا روک دیں۔

ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ غیر کے گھر میں اذن حاصل کرنا ضروری ہے اور اپنا گھر ہو تو طلب اذن واجب نہیں ہے مگر گھر میں اگر ماں بہن وغیرہ بھی رہتی ہوں تو جانے کے لیے کھانسے، اس کے بعد اندر داخل ہو اور دروازہ پر پہنچ کر پاؤں مارے جس سے اندر عورتوں کو آنے کی خبر ہو جائے کیونکہ کبھی ماں بہن بھی ایسی حالت میں ہوتی ہیں کہ جس حالت میں

---

① مؤطا، کتاب الاستئذان، باب الاستئذان: ۱۸۶۲۔

② تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۷۵۔

③ تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۷۵۔

④ تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۷۵۔

دیکھنا ہم پسند نہیں کرتے۔[1]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ماں بہن کی خدمت میں حاضر ہونا ہو تو بھی اجازت لے لی جائے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھنے والوں نے بار بار پوچھا کہ اپنی ماں بہن جس گھر میں رہتی ہوں اس میں جائے تو اجازت لی جائے گی؟ آپ نے ہمیشہ فرمایا کہ ہاں لی جائے گی، تکرار کرنے پر سمجھایا کہ کوئی بھی اپنی ماں بہن کو بے پردہ دیکھنا پسند نہیں کرتا، پھر تم کو خواہ مخواہ اصرار کیوں ہے؟[2]

عفت کا اسلام میں لحاظ:

یہ جو کچھ عرض کیا گیا، اس میں غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اسلام نے اپنے قوانین میں دوسری حکمتوں اور مصلحتوں کے ساتھ ساتھ عفت وعصمت کا بھی کتنا عمدہ تحفظ کیا ہے، ان تمام بنیادی باتوں میں عفت وعصمت کا کس اہمیت کے ساتھ لحاظ کیا ہے۔

موجودہ دور میں غفلت:

مگر افسوس یہ ہے کہ یہ سارے طریقے اور آداب جو اسلام نے گھر میں داخل ہونے کے لیے مقرر کیے ہیں، جن کو قرآن پاک نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، حدیثوں میں جس کی تاکید آئی ہے، خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن پر عمل کیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جن کی تعلیم فرمائی اور پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جن پر زندگی بھر عمل کیا۔ یہ احکام آج مسلمانوں میں متروک ہیں، مسلمانوں کے گھرانوں میں ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ضرورت ہے کہ ان آداب واحکام کو عمل سے بھی زندگی بخشی جائے۔

---

[1] ابن کثیر: ۳/ ۲۸۱۔

[2] احکام القرآن لابن العربی: ۹۸۔

حق یہ ہے کہ عفت وعصمت کے تحفظ کا جو سامان قوانین الٰہی میں ہے اور کہیں نہیں مل سکتا، اس سلسلہ میں اہتمام کا یہ حال ہے کہ بالغوں اور قریب البلوغ کا حکم بیان کرنے کے بعد قرآن نے ان کا حکم بھی بیان کیا ہے جو ابھی بچے ہیں اور وہ سوچ سمجھ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ غیر محارم کے متعلق معلوم ہو چکا کہ ان سے مکمل پردہ کیا جائے گا، صرف ضرورت کے وقت چہرہ اور ہتھیلیوں کے کھولنے کا حکم ہے مگر یہ بھی اس وقت جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ محارم کا حکم بھی بیان ہو چکا کہ ان سے بھی تمام اعضاء وجوبی طور پر چھپائے جائیں گے۔ صرف ان حصوں کے سوا جو عام طور پر کھولے جاتے ہیں یا کھلے رہتے ہیں جیسے چہرہ ہتھیلیاں، بازو، سر اور پنڈلی وغیرہ۔ مگر مطلب یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ان اعضاء کو کھولے۔ غلام، عورت کے لیے غیر محرم کے حکم میں ہے، اس سے مکمل پردہ ضروری ہے۔[1] کافرہ لونڈی کا حکم بھی محرم کا سا ہے۔

خاص اوقات میں سب کے لیے استئذان:

یہاں یہ بتانا ہے کہ چھوٹے نابالغ لڑکے اور لونڈیاں جو محرم کے حکم میں ہیں خاص وقتوں میں ان کو بھی پرہیز کا حکم دیا گیا ہے، اگر ان مخصوص وقتوں میں یہ نابالغ لڑکے اور لونڈیاں آنا چاہیں تو یہ سب بھی اجازت حاصل کریں کہ یہ اوقات عموماً بے پردگی کے ہیں اور آدمی کے کھل کر رہنے سہنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ

---

[1] صحیح مسلک یہی ہے کہ غلام سے پردہ نہیں ہے۔ اس کے دلائل "محرم کے لیے رعایت" کے عنوان کے تحت حاشیہ میں گزر چکے ہیں۔ (حافظ عمران ایوب)

عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٨﴾

(النور: ۵۸)

''اے ایمان والو! تم میں سے اجازت لے کر آئیں لونڈی اور غلام اور تم میں کے وہ جو بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں تین اوقات میں، فجر کی نماز سے پہلے اور جس وقت تم دوپہر میں اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تین اوقات تمہارے لیے بدن کھلنے کے ہیں، ان وقتوں کے بعد نہ تم پر تنگی ہے اور نہ ان پر۔ (کیونکہ) تمہارے بعض بعض کے پاس آتے جاتے ہی رہتے ہیں، اللہ یونہی کھولتا ہے باتوں کو تمہارے لیے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔''

اس آیت میں تین مخصوص وقتوں کا ذکر ہے، ایک نماز فجر سے پہلے، جو آدمی کے لیے خوشگوار وقت ہے اور سوکر بیدار ہونے کا وقت ہے، رات بے خبری میں عموماً اس وقت ستر کھلے رہ جاتے ہیں، گہری نیند کی وجہ سے ستر پوشی کا زیادہ اہتمام نہیں ہوتا۔ دوسرا وقت دوپہر کا بیان کیا گیا ہے، جس وقت آدمی دن کا کھانا کھا پی کر قیلولہ کرتا ہے اور تھوڑی دیر کے لیے آرام کرتا ہے، گرمی کے زمانہ میں عام طور پر لوگ اس وقت بے خبر اپنے کمروں میں سوتے ہیں اور بعض لوگ گرمی سردی دونوں زمانوں میں دوپہر کے وقت سوتے ہیں، اس لیے کھلی بات ہے کہ نیند اور غفلت میں بے خبری کا غالب قرینہ ہے، تیسرا وقت عشاء کے بعد کا ہے۔ یہ بھی آرام کا وقت ہے، آدمی دن بھر کی تکان لیے بستر پر آتا ہے اور یہ سمجھ کر کہ سب آرام کررہے ہیں بڑی بے پروائی سے لیٹتا اور سوتا ہے۔ مزید یہ کہ ان تین وقتوں میں کم وبیش شادی شدہ اپنی بیوی سے وابستگی کرتا ہے، بوس وکنار کی نوبت آتی ہے، اس لیے حق ہے بچے اور لونڈیاں بھی اطلاع دے کر اندر داخل ہوں، بغیر اجازت گھس جانے کی ہمت ہرگز نہ کریں۔ کیونکہ اگر موقع شرم وحیا کا ہوا تو آدمی شرم وحیا سے گڑ جاتا ہے اور دلی رنج وتکلیف

محسوس کرتا ہے۔ لونڈی اور خادمہ چونکہ بالغ ہوتی ہے، اس لیے وہ خود بھی بعض موقعوں پر شرمندہ ہوئے بغیر نہیں رہے گی۔ان کے علاوہ وقتوں میں چونکہ یہ کیفیتیں عموماً نہیں ہوتیں اس لیے کوئی خاص پابندی نہیں ہے۔ پھر بچوں کو روکنا بھی مشکل ہے، وہ آنے جانے کے عادی ہوتے ہیں۔یہی حال لونڈی اور خادمہ کا ہے، وہ کام کاج کے لیے آمدورفت پر مجبور ہے، ان کو کہاں تک روکا جائے گا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلی آیتوں میں جو استیذان کا حکم آیا ہے وہ اجنبی اور غیروں کے لیے ہے اور اس آیت میں استیذان کا حکم قرابت داروں کے لیے ہے،یعنی ان لوگوں کے لیے ہے جو محارم میں داخل ہیں۔بعض علماء لکھتے ہیں کہ پہلی آیت میں استیذان کا حکم عام تھا اور تمام وقتوں کے لیے تھا اور اس آیت میں خاص لوگوں کو طلب اذن کا حکم ہے اور خاص وقتوں میں ہے اور صحیح ہے۔

اس آیت میں ''مَلَکَتْ'' سے مراد صرف لونڈی ہے کیونکہ عبد (غلام) غیرمحرم میں داخل ہے، یہ مردوں میں آئیں گے مگر عورتوں کے سامنے جانے کی ان کو اجازت نہیں ہے۔ پردہ کے خاص وقتوں میں ان پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ہے جن کے آنے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔یہ احتیاطی تدبیر اختیار کی گئی ہے اور عقلاً بہت مناسب ہے۔حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا تفسیری ترجمہ لکھتے ہیں:

> ''اے ایمان والو! تمہارے پاس آنے کے لیے تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے، ایک تو نماز صبح سے پہلے اور دوسرے جب سونے کے لیے دوپہر کو اپنے بعض کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں یعنی یہ اوقات چونکہ عادتاً اور غالباً تخلیہ واستراحت کے ہیں، ان میں اکثر آدمی بے تکلفی سے رہتے ہیں، اس لیے اپنے مملوکین اور نابالغ بچوں کو سمجھادو کہ بغیر اطلاع

اور بغیر اجازت لیے ہوئے تمہارے پاس نہ آیا کریں کہ وجوب استئذان کی علت اس میں پائی جاتی ہے اور ان اوقات کے سوا نہ تو بلا اجازت آنے دینے میں اور منع نہ کرنے میں تم پر کوئی الزام ہے نہ بلا اجازت چلے آنے میں ان پر کچھ الزام ہے، کیونکہ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں، کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس ۔اس کا مطلب موافق مذہب حنفیہ کے یہ ہے کہ غلام تو تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں نہ کہ عورتوں کے پاس، کیونکہ غلام کا حکم غیر محرم مرد کا سا ہے اور لونڈیاں عورتوں کے پاس بھی اور اسی طرح نابالغ بچے سب جگہ نظر آتے ہیں۔ پس ہر وقت اجازت لینے میں دقت ہے اور چونکہ یہ وقت پردے کے نہیں ہیں، اس لیے ان میں اعضائے مستورہ کو چھپائے رکھنا کچھ مشکل نہیں ۔ پس مرد تو غلام کے سامنے ناف زانو تک چھپائے رکھے اور عورت کافر لونڈی سے بجز مواقع زینت کے سب چھپائے رکھے اور مرد کو لونڈی سے اگر وہ اس کے لیے حلال ہے، کسی بدن کا چھپانا ضروری نہیں اور اگر حرام ہے تو ناف سے زانو تک چھپائے رکھے اور عورت مسلمان لونڈی سے صرف ناف سے زانو تک چھپائے رکھے۔ سو اس استثناء میں کوئی دشواری نہیں ، لہٰذا بغیر اجازت آنا جانا جائز ہوا اور نابالغ بچہ کے روبرو مرد صرف زانو سے ناف تک اور عورت باستثناء مواقع زینت کے سب چھپائے رکھے، یہ بھی دشوار نہیں اور ہر وقت اجازت لینے میں تنگی ہے کیونکہ اس کی آمد و رفت بھی بہت ہے اور ان تینوں وقتوں کے ماسوا بھی اگر کوئی عارض مانع ہو تو بھی استئذان واجب ہوگا۔ پس تخصیص باعتبار اس وقت کی عادت کے ہے۔ اسی طرح جیسا کہ یہ حکم صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے، پس سب مصالح اور حکمتوں پر اس کی نظر ہے اور احکام میں ان کی رعایت فرماتا ہے۔'' [1]

---

① بیان القرآن: ۸/ ۳۲، ۳۳۔

نابالغ بعد بلوغ اجازت لیں:

ان نابالغ بچوں پر بھی بعد بلوغ اسلام نے عام وقتوں میں استیئذان کی پابندی عائد کی ہے جن پر بلوغ یا قریب البلوغ ہونے سے پہلے صرف مخصوص وقتوں میں ہی تھی۔ ہندوستان میں جو یہ رواج ہو گیا ہے کہ بچپن سے جو آتا رہا ہے بلوغ کے بعد بھی ان کو اندر آنے کی اجازت رہتی ہے اور عورتیں بلوغ کے بعد بھی ان سے پردہ نہیں کرتیں، بالکل غلط اور شریعت کے خلاف ہے۔ پردہ دار گھرانوں میں یہ غلط رسم بھی رائج ہے، حالانکہ اسلام نے شدت کے ساتھ اس کی روک تھام کی ہے اور صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ بچے جب بالغ ہو جائیں تو ان کو بھی اجازت لینا ہو گی، بلوغ سے پہلے والی آزادی باقی نہیں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

(النور: ۵۹)

”اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کی حد کو پہنچیں تو ان کو ایسی ہی اجازت لینی چاہیے جیسے تمہارے اگلے لیتے رہے ہیں۔ اللہ یوں کھول کر تم کو اپنی باتیں سناتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

یعنی اب تک ان بچوں کو تین ہی مخصوص وقتوں میں طلب اذن کا حکم تھا مگر اب جب بالغ ہو چکے تو اب کسی وقت بھی بغیر اجازت اندر نہ جائیں۔ جس طرح دوسروں کو استیئذان کا حکم ہے ان کے لیے بھی استیئذان ضروری ہے، کیونکہ پہلے عدم بلوغ کی وجہ سے پردہ کی باتوں کا ان کو علم نہ تھا، نہ خود ان کے لیے کوئی ذات پر کشش تھی اور نہ غیر کے لیے ان کے اندر کوئی کشش تھی۔ مگر اب ان کی حالت بدل چکی ہے، اب احساس پیدا ہو چکا ہے، خود یہ اپنے اندر ایک انقلاب محسوس

کرتے ہیں اور دل جذبات سے معمور پاتے ہیں اور دوسروں کو بھی ان کی طرف کشش ہوسکتی ہے، اس لیے فطرتاً حکم بدلنا بھی ضروری ہے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا تفسیری ترجمہ لکھتے ہیں:

''اور جس وقت تم میں سے یعنی احرار (آزاد) میں کے وہ لڑکے جن کا اوپر حکم آیا ہے حد بلوغ کو پہنچیں یعنی بالغ یا قریب البلوغ ہوجائیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہیے جیسا کہ ان کے اگلے یعنی ان سے بڑی عمر کے لوگ اجازت لیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ اس لیے اس کو مکرر لایا گیا کہ قانون استئذان کی مصلحتیں نہایت واضح اور اس کے احکام نہایت قابل رعایت ہیں، تکریر سے اہتمام ظاہر ہوگیا۔''[1]

مَاظَھَرَ کی تفسیر:

اوپر بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں کا تمام بدن ستر ہے اور اس کا چھپانا ضروری ہے، سوائے چہرہ اور کفین (ہتھیلیوں) کے، جس کی طرف قرآن پاک نے ﴿اِلَّا مَا ظَھَرَ﴾ سے اشارہ کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کسی کو وہاں ﴿اِلَّا مَا ظَھَرَ﴾ کے مفہوم کے سمجھنے میں غلط فہمی ہو اور وہ اپنے ماحول کے مطابق یہ سمجھے کہ ان کا ہمیشہ کھلا رکھنا جائز ہے، اس لیے یہاں آکر اللہ تعالیٰ نے ﴿مَا ظَھَرَ﴾ سے غلط فہمی کا معجزانہ طور پر ازالہ کردیا ہے۔ چہرہ اور کفین جو ﴿مَا ظَھَرَ﴾ میں داخل ہے بالذات تو ستر نہیں ہے مگر یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کھلا رکھیں بلکہ وہ بھی ضرورت کے علاوہ وقتوں میں اجنبی سے واجب الستر ہیں تاکہ فتنہ وفساد کی آگ مشتعل نہ ہوسکے، ہاں بوڑھی عورتیں جو اپنی عمر کی انتہا کو پہنچ چکی ہیں وہ ان اعضاء ﴿مَا ظَھَرَ﴾ کو کھلا رکھ سکتی ہیں، گو بہتر چھپانا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

---

① بیان القرآن: ۸/۳۳۔

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (النور: ٦٠)

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو گھروں میں بیٹھ رہی ہیں۔ جن کو نکاح کی کوئی توقع نہیں، ان کو سر سے کپڑے اتارنے میں گناہ نہیں مگر اس طرح کہ اپنا سنگھار نہ دکھاتی پھریں اور اس سے بھی بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ سب باتیں سنتا جانتا ہے۔''

چہرہ چھپانے کا حکم:

یہاں بوڑھی سن یاس کو پہنچی ہوئی عورتیں ہیں، ان کو حکم ہے کہ مواقع زینت نہ کھولیں، اسی سے جانا جاسکتا ہے کہ جوان عورتوں کو ﴿مَا ظَهَرَ﴾ کے خواہ مخواہ کھلے رکھنے کی اجازت کیوں کر مل سکتی ہے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک بات جاننا چاہیے کہ چہرے اور کفین کو وجوب استثناء سے مستثنیٰ کیا ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ بالذات ستر نہیں، نہ یہ کہ عورتیں کھلی مہار اپنی صورت غیر مردوں کو دکھاتی پھریں، کیونکہ فتنہ کے احتمال سے بالغیر وہ بھی واجب الستر ہے، البتہ جہاں فتنہ کا احتمال نہ ہو مثلاً جو زیادہ بوڑھی عورتیں ہیں، جن کو کسی کے نکاح میں آنے کی کچھ امید نہ رہی ہو، یعنی اصلاً محل رغبت نہیں رہیں ان کو البتہ اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے جس سے چہرہ وغیرہ چھپا رہتا ہے، غیر محرم کے روبرو اتار رکھیں، بشرطیکہ زینت کے مواقع کا اظہار نہ کریں جن کا ظاہر کرنا نامحرم کے روبرو بالکل ہی ناجائز ہے۔ صرف چہرہ اور دونوں کف اور ایک قول کے مطابق دونوں پاؤں کا بھی اظہار جائز ہے، بخلاف جوان عورت کے کہ

بوجہ احتمال فتنہ کے اس کو چہرہ وغیرہ کا پردہ بھی ضروری ہے مگر بہ عذر شرعی اور ہر چندکہ عجائز کو کشف وجہ کی اجازت ہے، لیکن اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے۔''①

ابن العربی لکھتے ہیں:

((وَ اِنَّمَا خَصَّ الْقَوَاعِدَ بِذٰلِكَ دُوْنَ غَيْرِهِنَّ لِاِنْصِرَافِ النُّفُوْسِ مِنْهُنَّ وَ لِاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ بِالتَّسَتُّرِ الْكَامِلِ خَيْرٌ لَهُنَّ مِنْ فِعْلِ الْمُبَاحِ لَهُنَّ مِنْ وَضْعِ الثِّيَابِ))②

''اس سے بوڑھیوں کو مخصوص کیا اوروں کو چھوڑ دیا، اس وجہ سے کہ نفس ان بوڑھیوں کی طرف سے پھرا رہتا ہے اور اگر یہ مکمل پردہ کریں تو بلاشبہ یہ اس فعل مباح سے بہتر ہے کہ کپڑا اتار دیں۔''

فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ چہرہ گوستر میں داخل نہیں ہے مگر پھر بھی عورتوں کو لوگوں میں چہرہ کھولنے سے روکا جائے گا تاکہ کوئی فتنہ برپا نہ ہونے پائے، قدرت نے عورت کے چہرہ میں کچھ ایسی جاذبیت اور کشش رکھی ہے کہ مرد عورت کے اس حصہ کو دیکھ کر اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور مردوں کے دل میں فطری شہوت کروٹیں لینے لگتی ہے۔ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

((وَ الْمَعْنٰى تُمْنَعُ مِنَ الْكَشْفِ لِخَوْفِ اَنْ يَّرَى الرِّجَالُ وَجْهَهَا فَتَقَعُ الْفِتْنَةُ لِاَنَّهُ مَعَ الْكَشْفِ قَدْ يَقَعُ النَّظَرُ اِلَيْهَا بِشَهْوَةٍ))③

''عورت کو چہرہ کے کھولنے سے روکا جائے گا تاکہ مرد دیکھنے نہ پائے کیونکہ کھلنے کی

---

① بیان القرآن :۸/۳۳۔

② احکام القرآن :۲/۱۱٤۔

③ ردالمختار:۱/۲۸٤۔

صورت میں کبھی نگاہ شہوت کے ساتھ پڑتی ہے۔''

باریک کپڑے کا استعمال احادیث کی روشنی میں:

اوپر کی آیت کے ﴿غَیۡرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِیۡنَۃٍ﴾ کے جملہ سے یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ عورتیں اتنا باریک کپڑا استعمال نہ کریں جو جسم کو چھپانے والا نہ ہو بلکہ اس سے حسن چھنتا ہو۔ ابن العربی لکھتے ہیں:

((وَ مِنَ التَّبَرُّجِ اَنْ تَلْبِسَ الْمَرْاَۃُ ثَوْبًا رَقِیْقًا یَصِفُھَا))①

''تبرج میں سے یہ بھی ہے کہ عورت اتنا باریک کپڑا استعمال کرے جو چغلی کھاتا ہو۔''

اسی سلسلہ میں انہوں نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((وَ نِسَاءٌ کَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ مُمِیْلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُؤُوْسُھُنَّ کَاَسْنِمَۃِ الْبُخْتِ الْمَائِلَۃِ لَا یَدْخُلْنَ الْجَنَّۃَ وَ لَا یَجِدْنَ رِیْحَھَا))②

''بہت سی پہننے والی عورتیں ننگی ہونے کے حکم میں ہیں، جو خود بختی اونٹوں کے مائل ہونے کی طرح مائل ہوتی ہیں یا دوسروں کو مائل کرتی ہیں لیکن ایسی عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی نہ اس کی خوشبو پائیں گی۔''

اس حدیث کو نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں ''کاسیات'' کے بعد ''عاریات'' اسی لیے فرمایا کہ وہ اتنا باریک کپڑا زیب تن کرتی ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ اتنا باریک کپڑا پہننا جس سے ستر کامل نہ ہو حرام ہے۔③

---

① احکام القرآن: ۲/۱۴۴۔

② مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات: ۲۱۲۸۔ احمد: ۲/۳۵۵۔ ابن حبان: ۷۴۶۱۔ بیہقی: ۲/۲۳۴۔ بغوی: ۲۵۷۸۔

③ احکام القرآن لابن العربی: ۲/۱۱۴۔

پہلے ہم یہ آیت نقل کر چکے ہیں:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (الأحزاب: ٣٣)

''اور عورتیں اپنے گھروں میں قرار پکڑیں اور جاہلیت کی زیبائش کے ساتھ نہ پھریں۔''

ام علقمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا باریک دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھیں۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب دیکھا تو ان سے دوپٹہ لے لیا اور اسے پھاڑ ڈالا اور اس کے بدلے ایک موٹے کپڑے کا دوپٹہ ان کو مرحمت فرمایا۔[1] حضرت حفصہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بھتیجی تھیں۔

ایک دوسرا واقعہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا یعنی ان کی بہن، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں تشریف لائیں۔ یہ باریک کپڑا اوڑھے ہوئے تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((يَا اَسْمَآءُ اِنَّ الْمَرْأَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَمْ يَصْلُحْ لَهَا اَنْ يُّرٰى مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَ هٰذَا وَ اَشَارَ اِلٰى وَجْهِهِ وَ كَفَّيْهِ))[2]

''اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جاتی ہے تو اس کے چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا کا دیکھنا درست نہیں ہے۔''

ابوداؤد میں ایک حدیث آئی ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

① احکام القرآن لابن العربی: ۱۱۴/۲۔

② ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فیما تبدی المرأة من زینتها: ۴۱۰۴۔یہ روایت شواهد کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔ جلباب المرأة المسلمة: ۵۷، ۶۰۔

((خُذْ عَلَيْكَ ثَوْبَكَ وَ لَا تَمْشُوا عُرَاةً))[1]

''اپنے اوپر کپڑا لازم کرلو، ننگے مت پھرو۔''

یہ اور اسی طرح کی دوسری روایات بتاتی ہیں کہ عورت اور مرد دونوں کو ایسا کپڑا استعمال کرنا چاہیے جو بدن کو ڈھانپ سکے اور آدمی کا حسن و جمال عام طرح سے رسوا نہ ہو۔ جس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ پاکدامنی اور عفت بے داغ رہے گی اور حکماً یا حقیقتاً کوئی دھبہ دامن عصمت پر نہیں پڑ سکے گا۔

عورتوں کے پردے سے متعلق جو کچھ اختصار سے عرض کیا گیا، آپ غور کریں گے تو ان میں بڑی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں پائیں گے اور اگر آپ کی نظر میں یورپ کا اخلاق اور بے پردہ لڑکیوں کے دن رات کے واقعات آئیں گے تو سمجھنے میں اور بھی سہولت رہے گی۔

---

① ابوداؤد، کتاب الحمام، باب فی التعری: ٤٠١٦۔

دشمنان عفت وعصمت اسلام کی نظر میں

اسلام کی نظر میں عفت وعصمت اور اخلاق و اعمال دین حنیف اور دنیا کی بڑی دولت ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ دنیا سے امن وامان اور سکون واطمینان ناپید ہو جائے۔ اگر ''عفت وعصمت'' کے قوانین ناہموار ہوں، اور ''اخلاق اعمال'' کی مٹی پلید ہو جائے، اگر بدکاری اور عصمت فروشی پر پابندی عائد نہ ہو۔

دنیا کی تاریخ کا ''باب اخلاق'' پڑھیے اور غور کیجیے کہ انسانوں کے اعمال واخلاق کو سب سے زیادہ کس چیز سے نقصان پہنچا بلکہ ساتھ ہی اس کا تجزیہ بھی کیجیے کہ قوم اور ملک کی بربادی کی بنیادی وجہ کیا تھی؟ اپنا خیال ہے کہ آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ تمام خرابیاں اس لیے پیدا ہوئیں کہ عفت وعصمت کے تحفظ کا کوئی استوار قانون نہ تھا۔

تہمت لگانا:

اسلام نے اسی وجہ سے اس شعبۂ زندگی کے قوانین میں کہیں سے کوئی رعایت نہیں کی ہے۔ آپ زنا اور زنا کار کے متعلق اسلام کا نقطۂ نگاہ شروع کتاب میں پڑھ آئے ہیں، یہاں یہ بتانا ہے کہ اسلام نے ان لوگوں کے متعلق کیا احکام دیے ہیں جو عفت وعصمت کو داغدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا کسی کی عزت وآبرو اور عفت وعصمت پر حرف لاتے ہیں۔

اسلام کی نظر میں وہ شخص ملعون ہے جو کسی پاکدامن عورت یا مرد پر برائی کی تہمت لگاتا ہے۔ رب العزت کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ (النور: ٢٣-٢٤)

''جولوگ ان عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں جو ایسی باتوں سے پاکدامن ہیں، بے خبر ہیں، ایمان والیاں ہیں، ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کو بڑا عذاب ہوگا جس روز ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو یہ لوگ کرتے تھے، اس روز اللہ تعالیٰ ان کو واجبی بدلا پورا پورا دے گا اور ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا، بات کھول دینے والا ہے۔''

اس آیت میں بار بار غور کیا جائے، غیظ وغضب اور وعید اور تہدید کس قہر آمیز انداز کا ہے، دنیا میں بھی ایسا شخص ملعون قرار دیا گیا اور آخرت میں بھی۔

تہمت لگانے کی سزا:

کسی پاکدامن پر زنا کی تہمت لگائی اور چار عینی گواہ پیش نہ کرسکا تو اس کی سزا یہ ہوگی کہ اسے اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے اور آئندہ کے لیے ایسا شخص مردود الشہادۃ (جس کی گواہی قابل قبول نہیں) قرار دے دیا جائے گا، ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٤﴾ (النور: ٤)

''اور جولوگ پاکدامن عورتوں کو تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی (۸۰) درے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور یہ لوگ فاسق ہیں۔''

اسی آیت سے عفت وعصمت کی اسلام میں جو قدر و منزلت ہے اس پر روشنی پڑتی

ہے۔ایک جرم کی وجہ سے اس قاذف پر قرآن پاک نے تین دفعات قائم کیں۔
یعنی اگر وہ چار گواہ نہ لاسکا تو:

۱۔ اسی کوڑے لگواؤ۔[1]

۲۔ اس کی گواہی آئندہ کے لیے غیر معتبر قرار دو، گویا یہ سب سے بڑا جھوٹا ہے۔[2]

۳۔ یہ کہ اس پر فسق کا عیب چپک گیا۔

---

① جس پر زنا کی تہمت لگائی گئی ھے اگر اس میں پانچ شرطیں جمع ہوں اور تہمت لگانے والے میں تین شرطیں ہوں تو حد واجب ھے ۔جس پر زنا کی تہمت لگائی ھے اس کی شرطیں یہ ھیں کہ وہ بالغ ہو،مسلمان ہو،عاقل ہو آزاد ہو اور پاکدامن ہو اور جس نے تہمت لگائی ھے اس کی شرطیں یہ ھیں کہ وہ بالغ ہو، عاقل ہو اور آزاد ہو۔

② واضح رھے کہ تہمت لگانے والا شخص اگر سچے دل سے توبہ کرلے تو اس کی گواھی قابل قبول ہو گی جیسا کہ مذکورہ آیت سے اگلی آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ھے : ﴿ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ وَاَصۡلَحُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴾ (النور:۵) ھاں جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کرلیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ھے۔"

جمھور علماء اس کے قائل ھیں ۔البتہ امام ابو حنیفہ ،امام ثوری،امام ابراھیم نخعی، قاضی شریح اور حسن بصری رحمہ اللہ علیھم وغیرہ کا کھنا ھے کہ اگرچہ وہ شخص توبہ کرلے اور کسی بھی طریقے سے خود کو جھوٹا قرار دے لے، اس کی گواھی کبھی بھی قبول نھیں کی جائے گی۔لیکن یہ بات درست نھیں کیونکہ بالاتفاق توبہ سے تو کفر بھی مٹ جاتا ھے اور یہ عمل جو کفر سے کم درجہ میں ھے اسے بالاولیٰ معاف ہونا چاھیے ۔ جیسا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ھیں :

[وَاجۡمَعَتِ الۡاُمَّةُ عَلٰی اَنَّ التَّوۡبَةَ تَمۡحُوۡ الۡکُفۡرَ فَیَجِبُ اَنۡ یَّکُوۡنَ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ اَوۡلٰی۔ وَاللّٰهُ اَعۡلَم]

"امت کا اجماع ھے کہ توبہ کفر کو مٹا دیتی ھے لھذا واجب ھے کہ جو گناہ اس سے کم درجہ کا ھے بالاولیٰ اسے بھی مٹا دے۔"

امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ھے، تاھم اتنا ضرور ھے =

مسلمان کی عزت اسلام کی نظر میں:

کسی پاکباز مسلمان کی آبرو ریزی کوئی معمولی جرم نہیں ہے۔ جتنی قیمت ایک مسلمان کے خون کی ہے کم وبیش اسی درجہ میں اس کی عزت وآبرو کی بھی ہے حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے جن چیزوں کی اہمیت جتائی ہے اس میں ایک عزت وآبرو بھی ہے کہ جو درجہ مکہ مکرمہ کے اندر ماہ ذی الحجہ کے یوم عرفہ کو حاصل ہے ایسا ہی درجہ مسلمان کی عزت وآبرو کو حاصل ہے۔

ایک حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ عِرْضُهُ وَ مَالُهُ وَ دَمُهُ))①

''مسلمان کا مسلمان پر عزت وآبرو اور اس کا مال اور خون حرام ہے۔''

اور تہمت لگانے والے کا یہ فعل اس آیت کے ضمن میں بھی آجاتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ﴿١٩﴾ [النور:١٩]

''جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو، ان کے لیے دنیا وآخرت میں دردناک سزا ہے۔''

اگر فرض کر لیجیے کہ تہمت لگانے والا سچا ہے مگر جبکہ اس کو معلوم ہے کہ میں شرعی گواہ پیش نہیں کر سکتا اور یہ کہ بغیر شرعی گواہ حد قائم نہیں ہو سکتی ہے تو ایسی حالت میں بھی اس کو تہمت لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ ایسی شکل میں جس کو تہمت لگا رہا ہے اس کی بلاوجہ رسوائی ہے اور اپنی اذیت اور سزا۔ اس لیے اچھا ہے کہ چشم پوشی کر جائے، ہاں خود بدکار کو

= کہ توبہ سے کوڑوں کی سزا معاف نہیں ہو گی،وہ اسے بہرحال مل کر ہی رہے گی۔تفسیر قرطبی:١٢/ ١٦٢۔ تفسیر فتح القدیر:٨٩٩(حافظ عمران ایوب)

① ترمذی، کتاب البر و الصلة، باب ما جاء فی شفقة المسلم علی المسلم : ١٩٢٧۔

سمجھانا چاہیے اور عذاب الٰہی سے ڈرانا چاہیے۔ اس طرح ثواب بھی مل جائے گا اور ممکن ہے کہ مجرم اپنے جرم سے توبہ کرلے۔ لیکن اگر اس نے چار شرعی گواہ پیش کر دیے اور شرعی طور پر اس کا جرم ثابت ہوگیا تو پھر کوئی طاقت اسے قانون کی زد سے نہیں بچا سکتی اور شرعاً اس پر حد جاری ہوگی، اگر محصن شرعی ہے تو اس کی سزا رجم ہے ورنہ سو کوڑے۔

اسلام میں سزا کی نوعیت:

اس سزا پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اسلام نے جرائم کی سزا عموماً اس کی نوعیت کے اعتبار سے مقرر کی ہے، یعنی جرم کی جیسی نوعیت ہوتی ہے اسی طرح کی سزا بھی اس کو دی جاتی ہے۔ مثلاً چور کی سزا یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے کہ اس کام میں ہاتھ کو بڑا دخل ہے، ڈاکو کی سزا شریعت نے یہ مقرر کی ہے کہ ایک پاؤں اور ایک ہاتھ کاٹا جائے۔ کیونکہ اس کا جرم چور سے بڑا ہے۔

پھر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے سزا کی دو قسمیں مقرر کی ہیں، ایک کا نام ''حد'' ہے اور دوسری کو تعزیر کہتے ہیں۔ آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ''حدود'' میں ان جرائم کو رکھا گیا ہے جن کی طرف طبیعت کو رغبت اور ان میں سزا کے اندر رغبت اور طبعی رجحان کے انداز سے شدت بڑھ گئی ہے۔ حدود میں چوری، ڈکیتی، مے خواری اور زنا وغیرہ ہیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ زنا ایک ایسا فعل ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان جلد ہوتا ہے اور اس میں انسانی طبیعت کے لیے بڑی کشش اور ظاہری طور پر بڑی لطف اندوزی ہے، اس لیے اسلام نے اسے ''حدود'' میں شمار کیا ہے اور اس جرم کی سزا میں بڑی شدت اور سخت گیری سے کام لیا، نرمی کا کوئی نام و نشان نہیں اور طرز سزا بڑا ہی عبرت انگیز اور دردناک ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا۔

زنا کی سزا اور جرم کی نوعیت:

اوپر جس اصول کی طرف اشارہ کیا گیا، اس کے مطابق زنا کار مرد اور عورت کی سزا یہ ہونی

چاہیے تھی کہ ان کی شرم گاہیں کاٹ دی جاتیں اور زنا کار کے اس حصہ کو خصوصیت سے اذیت پہنچائی جاتی جس سے یہ فعل صادر ہوتا ہے، مگر اسلام نے ایسا نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا میں وطی ہوتی ہے اور یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ وطی اور جماع میں لذت صرف خاص اعضاء کو ہی نہیں ملتی بلکہ اس سے سارا جسم لذت محسوس کرتا ہے۔ اس لیے اسلام نے مناسب یہی سمجھا کہ سزا بھی اسی طرح کی تجویز کی جائے جس کی وجہ سے اذیت ظاہری طور پر بھی تمام جسم کو پہنچے۔

عضو خاص کے کاٹ دینے کی صورت میں سزا کا جو منشا ہے وہ پورا نہیں ہوتا کیونکہ سزا سے تکلیف کے ساتھ یہ بھی مقصد ہے کہ مجرم کی رسوائی اور زجر و توبیخ ہو۔ ہر شخص دیکھے کہ یہ سزا فلاں جرم کی ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس حصہ کا مقام پردہ میں ہے، جس پر کسی طرح نگاہ پڑ سکتی ہی نہیں، مثلاً چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے تو اس پر ہر شخص کی نگاہ پڑتی ہے مگر شرمگاہ پر کس کی نظر پڑ سکتی ہے؟

دوسری بات یہ ہوئی کہ سزا جرم سے بڑھ جاتی کیونکہ ''عضو خاص'' کے کاٹ دیے جانے سے قطع نسل لازم آتی ہے پھر یہ کہ قطع عضو کی صورت میں ہلاکت کا یقین نہیں تو ظن غالب بہر حال ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسی وجہ سے زنا کی سزا اسلام نے قطع ''عضو خاص'' مقرر نہیں کی۔

پھر تھوڑے سے تامل سے یہ بات بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جس طرح چور اور ڈاکو کی سزائیں تفاوت ہے اسی طرح اس شخص کی سزائیں بھی تفاوت ہونا چاہیے جو ''محصن شرعی'' ہے اور جو ''محصن شرعی'' نہیں۔ چنانچہ اسلام نے اس کا بھی پورا لحاظ رکھا ہے اور دونوں کی سزائیں نمایاں فرق ملحوظ رکھا ہے۔

زنا کار کی سزا:

اتنی بات جب آپ معلوم کر چکے تو آیئے بتائیں کہ اسلام نے زنا کی سزا کیا مقرر کر رکھی

ہے، ارشاد ربانی ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ (النور: ٢)

''زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سوان میں سے ہر ایک کو سو (۱۰۰) درے مارو اور تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ان دونوں پر ذرا رحم نہ آنا چاہیے، اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔''

اللہ اکبر! لب و لہجہ پر غور کر کے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے یہاں اپنی ساری نرمی اٹھا رکھی ہے اور اس کے غضب کی تلوار بے نیام ہے، وہ ظاہر ہے مگر حاکم کو بھی تنبیہ اور تہدید ہے اور اس کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ ترحم اور ترس کھانا یہاں بھول جاؤ۔

اس شخص پر کیسے ترس کھایا جائے جس کے سامنے اسلام نے عفت و عصمت کی اہمیت کھول کر رکھی، ساتھ زنا کے مفاسد اور اس کے دینی و دینوی نقصانات اس پر ظاہر کیے اور جائز طریقے سے جنسی میلان کی تکمیل کی اجازت مرحمت کی اور پھر بایں ہمہ اس نے حدود اللہ کو توڑا۔

اس موقع پر عدم رافت کی تکمیل غالباً اس وجہ سے بھی ہے کہ عموماً ایسے موقع پر آدمی کو یہ سوچ کر رحم آجاتا ہے کہ یہ انسان کی فطری خواہش ہے جس سے کبھی وہ مغلوب ہو جاتا ہے اور یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ جو کچھ ہوا، دونوں کی رضا مندی سے ہوا۔ آیت میں اس شیطانی وسوسہ کی بھی مدافعت مقصود ہے۔

زنا کار کی سزا کی تشہیر:

بے رحمی سے کوڑے مارے جانے کے علاوہ یہ بھی قرآنی ہدایت ہے کہ جب زنا کار نے اپنی عفت کو داغ لگا یا اور اس کی شرم و حیا کو زمین و آسمان نے جذب کر لیا تو پھر اس کی سزا

پردہ میں کیوں ہو، بلکہ اس سزا کے وقت ایمان والوں کا ایک ہجوم ہو کہ سزا کی خوب تشہیر ہو اور دوسرے لوگوں کے لیے بھی یہ عبرت وبصیرت بن سکے:

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢﴾ (النور: ٢)

''اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔''

شاید لوگوں کی موجودگی سے یہ بھی مقصود ہو کہ عوام کو اس کا علم ہو جائے کہ اس مجرم نے عذابی کیڑوں کو جذب کر لیا ہے جو ممکن ہے کسی موقع پر اس کو دوبارہ جرم پر آمادہ کر دیں، اس لیے اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ قرآن پاک کی یہ آیت:

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ (النور: ٣)

''زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا سوائے زانیہ کے یا مشرکہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا سوائے زانی یا مشرک کے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زنا کار ہوتا ہے اس کی اول نظر زنا پر ہی جاتی ہے اور اس فعل کی وجہ سے بطور عذاب زنا کا خیال اس کی طبیعت میں رس بس جاتا ہے، اس لیے ایسے شخص سے ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے۔

بے حیا عورت پر پابندی:

بے حیا عورت کے متعلق قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اس کی بے حیائی ظاہر ہو چکی ہو تو اس پر پابندی عائد کر دی جائے اور خیال رکھا جائے کہ وہ گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ پائے، کیونکہ اس کا نکلنا ہر اعتبار سے نقصان دہ ہے، یا عورت خود پھر بے حیائی کے کام کا موقع ڈھونڈ نکالے گی یا برے مرد اس کو خواہ مخواہ چھیڑیں گے۔ گو وہ نہ بھی چاہے کیونکہ یہ بات بڑی حد تک درست ہے کہ جس نے ایک مرتبہ زنا کا ارتکاب کیا اس سے دوبارہ اس

جرم کا ارتکاب لوگ بعید نہیں سمجھتے۔ ہاں شادی کے ذریعہ، اگر شادی نہیں ہوئی ہے، اصلاح کی امید کی جاتی ہے۔ جس آیت سے پابندی عائد کرنے کا حکم سمجھ آتا ہے، یہ ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفٰحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ (النساء:۱۵)

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں، تو تم لوگ ان پر اپنے میں سے چار آدمی گواہ کرلو، سو اگر وہ گواہی دے دیں تو تم ان کو گھروں کے اندر قید رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور راہ تجویز کر دیں۔''

گو علماء کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ زانیہ عورت کی شروع میں یہی سزا تھی اب باقی نہیں رہی اور اس طرح یہ آیت منسوخ ہے مگر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہ ہو بلکہ زنا کی سزا تو وہی ہو جو اوپر کی آیت میں سو کوڑے بیان کی گئی اور اس آیت کا منشاء یہ ہو کہ اجرائے حد کے بعد عورت پر پابندی لگا دی جائے کہ گھر سے نہ نکلنے پائے، تاکہ اس کی عصمت کو خطرہ لاحق نہ ہو۔ چنانچہ صاحب کشاف کے قول سے میرے اس خیال کی تائید ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

((وَ یَجُوْزُ اَنْ تَكُوْنَ غَیْرَ مَنْسُوْخَةٍ بِاَنْ یُّتْرَكَ ذِكْرُ الْحَدِّ لِكَوْنِهِ مَعْلُوْمًا بِالْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ وَ یُوْصِیْ بِاِمْسَاكِهِنَّ فِی الْبُیُوْتِ بَعْدَ اَنْ یَّجِدُوْنَ صِیَانَةً لَهُنَّ عَنْ مِثْلِ مَا جَرٰی عَلَیْهِنَّ بِسَبَبِ الْخُرُوْجِ مِنَ الْبُیُوْتِ وَ التَّعَرُّضِ لِلرِّجَالِ))[1]

---

[1] کشاف: ۱/۲۵۶۔

''یہ بھی جائز ہے کہ یہ آیت منسوخ نہ ہو اور ''حد'' کا ذکر یہاں اس لیے چھوڑ دیا گیا ہو کہ یہ کتاب وسنت سے معلوم ہے اور یہاں اس کی تاکید کی جا رہی ہو کہ زنا کار عورتوں پر حد کے اجراء کے بعد گھروں کے اندر رہنے کی پابندی لگا دی جائے کہ وہ اب سزا سے محفوظ رہیں، جو گھر سے نکلنے اور مردوں کی چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ ہے۔''

بہر حال اتنی بات ضرور ہونی چاہیے کہ زنا کار مرد اور عورت کے ساتھ سلوک اس طرح ہو کہ وہ محسوس کرے کہ جو کچھ میں نے کیا، اتنا برا کیا کہ سماج اور معاشرہ بھی اسے برداشت نہیں کرسکتا ہے اور اس طرح وہ اپنے کیے پر پچھتائے، کسی لفظ سے اس کے اس برے فعل پر تائید کا پہلو نہ ہونے پائے، تا کہ دوسرے پر بھی معاملہ اثر انداز ہو۔

عہد نبوی ﷺ میں حد زنا کی عملی مثال موجود ہے، کتب احادیث میں واقعات پڑھے جا سکتے ہیں، اوپر جو سزا بیان کی گئی ہے وہ اس شخص کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ اور غیر محصن ہو، یعنی غیر شادی شدہ ہو اور اس شخص نے بخوشی زنا کا ارتکاب کیا ہو تو اس کی سزا سو کوڑے ہیں، جو تمام بدن کے متفرق حصوں پر لگائے جائیں گے، صرف چہرہ اور ان اعضاء کو کہ جن پر ضرب لگنے سے انسان مرجاتا ہے، محفوظ رکھیں گے۔

اسلام کا قانون رجم:

اور یہ شخص مکلّف اگر آزاد ہونے کے ساتھ محصن بھی ہو یعنی نکاح کرکے اپنی بیوی سے جماع کرچکا ہو تو اس کی حد ''رجم'' ہے یعنی ایسے زنا کار مرد اور عورت کو سنگسار کیا جائے گا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا، اس نے بیان کیا کہ میں نے زنا کیا ہے اور اس کی چار بار اپنے اوپر شہادت دی، یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اس کو رجم (سنگسار) کرنے کا حکم فرمایا، جو محصن تھا۔[①]

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ

① بخاری، کتاب الحدود، باب رجم المحصن: ٦٨١٤۔

آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ کو پکار کر کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا۔ یہ سن کر پہلے آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا، لیکن اس نے یہ بات چار مرتبہ کہی۔ اس کی چار گواہیوں کے بعد آپ ﷺ نے اسے بلایا اور پوچھا کہ تو پاگل ہے؟ اس نے کہا، نہیں۔ آپ نے پوچھا ((هَلْ اَحْصَنْتَ)) "کیا تو شادی شدہ ہے؟" اس نے کہا "نعم" (ہاں) اب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور رجم کرو۔"①

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کا واقعہ کتب حدیث میں بہت مشہور ہے کہ انہوں نے خود آکر خدمت نبوی ﷺ میں جرم کا اعتراف کیا۔ آپ نے پہلے ٹالنے کی کوشش کی مگر چار بار انہوں نے اس کا اقرار کیا۔ اس طرح جب یقین ہوگیا تو آپ ﷺ نے ان کے "رجم" کا حکم جاری فرمایا اور وہ سنگسار کیے گئے۔②

رجم کی حقانیت:

یہ بالکل درست ہے کہ قرآن میں رجم کا حکم صراحتاً مذکور نہیں ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا انکار کر دیا جائے جبکہ صحیح حدیثوں میں بکثرت اس طرح کی مثالیں موجود ہیں اور خود ارشاد نبوی ﷺ میں بھی صراحتاً رجم کا حکم مذکور ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بہت پہلے اپنے زمانہ میں اس خدشہ کا اظہار فرما کر اس کی تردید فرمائی تھی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَقَدْ خَشِيتُ اَنْ يَّطُوْلَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ حَتّٰى يَقُوْلَ قَائِلٌ لَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَيَضِلُّوْا بِتَرْكِ فَرِيْضَةٍ اَنْزَلَهَا اللّٰهُ اَلَا وَ اِنَّ الرَّجْمَ

---

① بخاری، کتاب الحدود، باب لایرجم المجنون و المجنونة: ٦٨١٥۔
② بخاری، کتاب الحدود، باب هل یقول الامام للمقر، لعلك لمست أوغمزت: ٦٨٢٤۔

حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى وَ قَدْ اَحْصَنَ اِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ اَوْ كَانَ الْحَمْلُ اَوِ الْاِعْتِرَافُ))[1]

''مجھے خوف ہے کہ ایک عرصہ دراز کے بعد کہنے والے یہ نہ کہنے لگیں کہ ہم کتاب اللہ میں ''رجم'' کا حکم نہیں پاتے ہیں۔ اگر ایسی بات ہوئی تو وہ اس ایک فریضہ کے ترک کی وجہ سے گمراہ ہوجائیں گے، سن رکھو! شادی شدہ زانی پر رجم حق ہے، جب حمل واضح ہوجائے یا اعتراف پایا جائے۔''

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ خدشہ درست ثات ہوا اور بعد کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے وہی کہا جس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیشین گوئی کی، مگر الحمدللہ ان کی یہ بات انہی تک محدود رہی اور امت اس گناہ سے محفوظ رہ گئی، جمہور علماء کے ہاں ''رجم'' کا حکم بالکل بجا ہے اور امت میں یہی حکم رائج ہے۔

عقل سے بھی رجم کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی سزا میں ضرور فرق ہونا چاہیے اور اس کی یہی صورت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ غیر شادی شدہ کے راہ راست پر آجانے کی کافی امید ہے کہ شادی سے جنسی میلان کا راستہ کھل جائے گا اور اس میں بری عادت باقی نہ رہے گی، مگر شادی شدہ سے جب یہ جرم سرزد ہوتا ہے تو خطرہ ہے کہ اس کا وجود متعدی مرض کی حیثیت اختیار نہ کرلے، اس لیے اچھا ہے کہ اس کے وجود سے معاشرہ پاک ہوجائے۔

رجم کا طریقہ:

بہرحال اگر شادی شدہ مرد اور عورت سے زنا ہوجائے اور ثابت ہوجائے تو ان کو سنگسار کیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک کھلے میدان میں مجرم کو لے جایا جائے گا، جہاں قاضی اور گواہ ہوں گے اگر اعتراف جرم سے یہ فیصلہ ہوا ہے تو حاکم ابتدا کرے گا اور گواہی

---

[1] بخاری، کتاب الحدود، باب الاعتراف بالزنا: ٦٨٢٩۔

سے جرم ثابت ہوا ہے تو گواہ پہل کریں گے، یعنی پہلے یہ پتھر اٹھا کر اس پر ماریں گے، پھر عام لوگ اور اس طرح پتھر مارتے مارتے اس کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کر دیا جائے گا۔ عورت کو رجم کرنا ہوگا تو اس کے لیے گڑھا کھودا جائے گا اور نصف بدن اس میں گاڑ دیا جائے گا، تا کہ بے ستری کا خوف نہ رہے۔

غلام اور لونڈی کے احکام میں نے قصداً چھوڑ دیے ہیں۔ بس یوں سمجھیے کہ ان کے لیے ''رجم'' نہیں ہے اور کوڑوں میں آزاد سے آدھے ان کو لگائے جائیں گے، یعنی حد قذف میں چالیس کوڑے [1] اور حد زنا میں پچاس کوڑے مارے جائیں۔

---

[1] جس آیت سے استدلال کرتے ہوئے غلام کے لیے نصف حد کا حکم لگایا جاتا ہے اس میں زنا کا ذکر ہے۔ جیسا کے سورۃ النساء میں ہے کہ ''پھر اگر وہ بدکاری کریں تو انہیں آدھی سزا ہے اس سزا سے جو آزاد عورتوں کی ہے۔'' (النساء: ۲۵) اس آیت سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ اگر غلام بدکاری کرے تو اسے سو نہیں بلکہ پچاس کوڑے لگائے جائیں لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کے کہ اگر غلام کسی پر تہمت لگائے تو بھی اسے آدھی سزا دی جائے گی ۔ کیونکہ یہ آیت بدکاری کے متعلق ہے تہمت کے متعلق نہیں اور جس آیت میں تہمت کی حد کا ذکر ہے وہ عام ہے، اس میں غلام اور آزاد میں تفریق کا کہیں ذکر موجود نہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ہے ''اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔'' (النور: ٤) لھذا حد تہمت میں آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام قبیصہ بن ذؤیب اور امام اوزاعی رحمہ اللہ علیہم کے متعلق مروی ہے کہ وہ غلام کو بھی حد تہمت میں اسی (۸۰) کوڑے لگایا کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر بن محمد رحمہ اللہ نے غلام کو اسی (۸۰) کوڑے لگائے۔ [ابن ابی شیبہ: ۵۰۳/۹، کتاب الحدود] نواب صدیق حسن خان صاحب'' الروضۃ الندیۃ '' میں بھی یہی موقف رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ((اَلْآيَةُ الْكَرِيْمَةُ عَامَّةٌ يَدْخُلُ تَحْتَهَا الْحُرُّ وَالْعَبْدُ...... وَلَيْسَ فِيْ حَدِّ الْقَذْفِ مَا يَدُلُّ عَلٰى تَنْصِيْفِهٖ لِلْعَبْدِ لَا مِنَ الْكِتَابِ وَلَا مِنَ السُّنَّةِ)) '' آیت کریمہ (جس میں حد تہمت کا ذکر ہے) عام ہے اور اس کے تحت آزاد اور غلام دونوں داخل ہیں ...... حد تہمت کے متعلق کوئی

زبردستی زنا اور اس کا حکم:

اگر کسی عورت سے زبردستی زنا کیا گیا ہے تو اس پر حد نہیں ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں ایک باب باندھا ہے ''اس عورت پر حد نہیں ہے جس سے زبردستی زنا کیا گیا ہو'' اور اس باب کے تحت پہلے یہ آیت نقل کرتے ہیں:

وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٣﴾ (النور:٣٣)

''اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔''

پھر یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک غلام نے ایک لونڈی سے زبردستی زنا کیا، یہ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں پیش ہوا تو آپ نے ثبوت کے بعد غلام پر حد جاری کی مگر لونڈی کو بری کر دیا، کیونکہ اس سے زبردستی کی گئی تھی۔ [1]

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک خاتون نماز کے لیے نکلیں، راستہ میں ایک مرد سے ان کی ملاقات ہوگئی، مرد نے اس خاتون کو پکڑ لیا اور زبردستی اس کے ساتھ زنا کیا، یہ خاتون چیخی چلائی تو لوگ دوڑے اور زانی کو گرفتار کر لیا۔ پھر یہ زانی دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوا۔ چنانچہ اس شخص نے جرم کا اعتراف کر لیا، عورت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذْهَبِي فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكِ......)) [2]

ایسی دلیل موجود نہیں جو غلام کے لیے نصف حد کو ثابت کرتی ہو ،نہ تو قرآن میں ایسی کوئی دلیل ہے اور نہ ہی سنت میں ۔''[الروضة الندية :٢/ ٦٠٧]تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر قرطبی : ١٥٦/١٢ ۔ المغنی لابن قدامة : ٣٣٨/١٢ ۔
(حافظ عمران ایوب)

① بخاری، کتاب الاکراہ، باب اذا استکرھت المرأة علی الزنا فلا حد علیھا : ٦٩٤٩۔
② جمع الفوائد: ٢٨٧/١۔

''تو جا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بخش دیا۔''

اور زانی کے لیے رجم کا فیصلہ فرمایا۔

پاگل کا حکم:

پاگل کا حکم بھی یہی ہے یعنی اس پر بھی حد نہیں ہے:

((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ ، عَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَسْتَیْقِظَ وَ عَنِ الصَّبِیِّ حَتَّی یَشِبَّ وَ عَنِ الْمَعْتُوْهِ حَتّٰی یَعْقِلَ))①

''تین (قسم کے لوگوں) سے قلم اٹھا لیا گیا ہے سونے والے سے، جب تک بیدار نہ ہو اور بچہ سے، جب تک وہ عاقل نہ ہو، پاگل سے، جب تک جنون کے مرض سے اچھا نہ ہو جائے۔''

کسی مرد نے دباؤ کی وجہ سے زنا کیا ہو، اس کے متعلق اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر حد ہے مگر جب دباؤ ڈالنے والا خود سلطان ہو تو حد نہیں ہے اور صاحبین اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کسی کے بھی زبردستی کرنے سے اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہو، بہرحال اس پر حد نہیں ہے۔

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے عرض کرنا ہے کہ اسلام کے ان قوانین سے عفت وعصمت کی جو اہمیت سمجھ میں آتی ہے اس پر بار بار غور کیا جائے اور انصاف کیا جائے کہ اگر اسلام کا یہی قانون پوری دنیا میں نافذ کر دیا جائے تو کیا یقین نہیں ہے کہ دنیا سے بدکاری (جو وبا کی طرح پھوٹ پڑی ہے) ختم ہو جائے گی؟ دنیا چاہتی ہے کہ اخلاق و اعمال کی بلندی اور عفت وعصمت کا تحفظ عمل میں آئے تو اسے اسلام کے ان قوانین پر غور کرنا چاہیے۔

---

① ترمذی، کتاب الحدود، باب ما جاء فیمن لا یجب علیه الحد : ۱۴۲۳۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ارواء الغلیل:۲۹۷۔

② احکام القرآن للجصاص : ۳/۳۱۹۔

قوم لوط کا عمل

شروع کتاب میں گزر چکا ہے کہ اغلام حرام ہے، اپنی بیوی کے ساتھ ہو یا کسی دوسری عورت یا مرد کے ساتھ۔ یہ ایسی برائی ہے جس پر تقریباً تمام اہل علم سلیم الطبع کا اتفاق ہے۔ غالباً کچھ شیعی علماء میں ایسے ہیں، جو اپنی بیوی سے اغلام کو جائز کہتے ہیں اور وہ اپنی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴿۲۲۳﴾ (البقرۃ: ۲۲۳)

''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں پس تم اپنی کھیتی میں آؤ جس طرف سے چاہو۔''

وطی فی الدبر:

مگر تعجب ہے کہ وہ اس آیت کو اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں، یہ آیت تو ان کی تردید کرتی ہے۔ کیونکہ ''حرث'' کا لفظ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ موضع کاشت عورت کے آگے کا مقام ہے نہ کہ پیچھے کا، کیا کوئی مثال ہے کہ پیچھے کے حصہ (دبر) سے کسی عورت کے کوئی بچہ پیدا ہوا ہو یا کوئی ڈاکٹر اپنے فن کے اعتبار سے اس کی کاشت کو ثابت کرسکتا ہے۔ جب یقینی طور پر ایسی بات نہیں تو پھر کوئی ذی عقل اور سمجھدار اس آیت سے کیونکر ثابت کرسکتا ہے۔ پھر یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ وطی فی الدبر کو جائز قرار دیا جائے تو مقاصد نکاح کا کیا حشر ہوگا۔

اگر فرض محال کوئی بدطینت مرد اپنی جنسی خواہش عورت کے پچھلے حصہ (دبر) سے پوری کر بھی لے تو سوال یہ ہے کہ عورت کیا کرے گی؟ قرآن میں اس کی تفسیر خود موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ (البقرة: ۲۲۲)

''سو تم ان کے پاس آؤ جاؤ جس جگہ میں اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے۔''

کتب احادیث میں بیسیوں حدیثیں صراحتاً بتاتی ہیں کہ عورت کے ساتھ بھی وطی فی الدبر حرام ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَتَى النِّسَآءَ فِيْ اَعْجَازِهِنَّ فَقَدْ كَفَرَ))[1]

''عورتوں سے جس نے وطی فی الدبر کی اس نے کفر کیا۔''

رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی:

((مَنْ اَتٰى حَائِضًا اَوِ امْرَاَةً فِيْ دُبُرِهَا اَوْ كَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ))[2]

''جو شخص حائضہ سے یا اس کے دبر سے جنسی میلان پورا کرے یا کاہن کے پاس آئے اس نے دین محمد (ﷺ) سے انکار کیا۔''

کا مطلب بھی یہی ہے کہ عورت کے ساتھ اغلام کسی حال میں جائز نہیں۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کوئی بھی اس کی حلت کا قائل نہیں ہے، ائمہ اربعہ بھی اغلام کو (عورت کے ساتھ بھی) حرام کہتے ہیں۔

جس حدیث میں یہ ہے کہ عورت کے پیچھے سے آسکتے ہیں اس کا مطلب خود صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ بیان کیا ہے کہ پیچھے کی طرف سے استمتاع کرے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((وَاتَّفَقَ الْعُلَمَآءُ الَّذِيْنَ يُعْتَدُّ بِهِمْ عَلٰى تَحْرِيْمِ وَطْءِ الْمَرْاَةِ فِيْ دُبُرِهَا حَائِضًا كَانَتْ اَوْ طَاهِرًا لِاَحَادِيْثَ كَثِيْرَةٍ وَ مَشْهُوْرَةٍ))[3]

---

① المعجم الأوسط للطبرانی: ۹۱۷۹۔

② ترمذی، کتاب الطهارة، باب ما جاء فی كراهية اتيان الحائض: ۱۳۵۔

③ شرح مسلم: ۱/ ۴۶۳۔

''بہت سی احادیث مشہورہ کے پیش نظر قابل اعتماد علماء کا اتفاق ہے کہ عورت سے وطی فی الدبر کرنا خواہ حائضہ ہو، خواہ پاک، حرام ہے۔''

بہر حال یہ مسئلہ ثابت شدہ ہے عقلی طور پر بھی اور نقلی لحاظ سے بھی۔

استلذاذ بالمثل:

مرد کا مرد سے اپنے جنسی میلان کا پورا کرنا یہ اپنے پیچھے ایک لمبی تاریخ رکھتا ہے، قرآن پاک کی شہادت یہ ہے کہ اس فعل بد کی ابتدا قوم لوط نے کی اس قوم سے پہلے کوئی اس کا مرتکب نہ تھا۔ قوم لوط کے اس فعل بد کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِۦٓ أَتَأْتُونَ ٱلْفَٰحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ ٱلْعَٰلَمِينَ ۝ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ ٱلرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ ٱلنِّسَآءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۝ (الاعراف: ٨١)

''اور ہم نے لوط علیہ السلام کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو، جس کو تم سے پہلے دنیا جہاں میں کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو، عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم حد سے گزر گئے ہو۔''

اس معنی کی اور بھی متعدد آیتیں قرآن میں مذکور ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ''استلذاذ بالمثل'' مردوں میں قوم لوط سے شروع ہوا یہی قوم اس کی موجد ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے لب ولہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم نے اس فعل کو اس طرح شروع کیا کہ ان کی قوم کے سامنے اس طرح کی کوئی مثال نہ تھی۔

قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قوم لوط کی خباثت اس سلسلہ میں بہت بڑھی ہوئی تھی، اس برائی پر ان کو ذرہ برابر ندامت محسوس نہ ہوتی تھی بلکہ قوم علی الاعلان اس برائی کا ارتکاب کرتی تھی۔ ان کی شیطنت کا یہ حال تھا کہ جہاں کسی خوبصورت لڑکے کو دیکھا لوگ ٹوٹ

پڑے، مہمان کی بھی اس سلسلہ میں پروانہ تھی۔

قوم لوط اور اس کا انجام:

سورۂ ہود کے ساتویں رکوع میں رب العزت نے اس وقت کا نقشہ کھینچا ہے جب عذاب کے فرشتے نوجوان انسان کی صورت میں مہمان بن کر لوط علیہ السلام کے یہاں پہنچے ہیں اور قوم لوط ان مہمانوں کی بے حرمتی کے لیے آمادہ ہوگئی، یعنی چاہا گیا ہے کہ ان سے اپنی جنسی پیاس بجھائیں۔

لوط علیہ السلام کی پریشانی کا عجیب عالم ہے، قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ عورتوں سے اپنی جنسی تسکین چاہو، اس غیر فطری فعل پر تم کیوں مصر ہو، پھر درد کے ساتھ فرما رہے ہیں اور اللہ کا واسطہ دے رہے ہیں کہ یہ میرے مہمان ہیں، تم نے کوئی برا کام کیا تو میری رسوائی ہوگی مگر ملعون قوم ہے کہ ایک نہیں سنتی۔

بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور بری طرح سے قوم لوط تہ وبالا ہوئی، زمین کو الٹ کر اس قوم پر دے مارا اور پھر پتھر کی بارش بھی ہوئی، عذاب کا نقشہ قرآن میں کھینچتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ﴿٨٣﴾ (ھود: ٨٢، ٨٣)

''سو جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس زمین کا اوپر کا حصہ تو نیچے کردیا اور اس سرزمین پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کیے جو لگاتار گر رہے تھے، جن پر ان کے رب کے پاس خاص نشان بھی تھا۔''

قوم لوط کے بعد:

قوم لوط کے بعد بھی اس فعل کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ اغلام کا وجود قبل از مسیح بھی تھا۔ یونان اور رومہ کے متعلق بیان ہے کہ یہاں یہ ذوق انتہائی عروج پر تھا۔ اس

تلذذ بالمثل یا امرد پرستی کے سلسلہ میں لوگوں نے سقراط، ارسطو، سکندر اعظم اور جولیس سیزر وغیرہ کا نام بھی لیا ہے۔

فرانس کے متعلق لکھا ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی میں ''امرد پرستی'' اور ''تلذذ بالمثل'' کا بڑا زور تھا اور حکومت کو اس سلسلہ میں ۱۲۱۲ء میں یہ قانون پاس کرنا پڑا کہ اس فعل کی سزا قتل ہے۔ اسی طرح چودہویں اور اٹھارہویں صدی کے متعلق بھی بیان ہے کہ فرانس میں بڑی کثرت تھی، جرمنی کا بھی یہی حال تھا۔

آپ یہ سن کر حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ نازی دور سے پہلے ایک صاحب ڈاکٹر ماگنوس ہرشفیلڈ تھے جو دنیا کی مجلس اصلاح صنفی کے صدر رہ چکے ہیں، انہوں نے عمل قوم لوط کے حق میں چھ سال پروپیگنڈا کیا، آخر کار جمہوریت کا الٰہ اس حرام کو حلال کر دینے پر راضی ہو گیا اور جرمن پارلیمنٹ نے کثرت رائے سے طے کر دیا کہ اب یہ فعل جرم نہیں ہے بشرطیکہ فریقین کی رضامندی سے اس کا ارتکاب کیا جائے اور معمول (جس سے فعل قوم کیا جائے) کے نابالغ ہونے کی صورت میں اس کا ولی ایجاب وقبول کی رسم ادا کرے۔ ①

مشرقی ممالک میں ایران کا نام بدنام ہے، فارسی کی شاعری سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں کراچی کا نام بھی لیا گیا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں تین اڈے ایسے پائے گئے جہاں ہیجڑے لڑکے عصمت فروشی کیا کرتے تھے۔ افغانستان کے متعلق بھی بعض مصنفوں کا ایسا ہی بیان ہے۔ ②

مغربی ممالک میں جیسا کہ کنسے رپورٹ کے تذکرے سے معلوم ہو چکا ہے کہ اب تک اس کا چرچا ہے اور کافی ہے۔ ہندو پاک کو بھی اس سلسلہ میں پاک نہیں کہا جا سکتا مگر یہاں عوام میں نہیں ہے بلکہ تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ میں ہے۔ سکول، کالج، یونیورسٹی اور مدارس

---

① پردہ: ۴۵۔

② تفصیل کے لیے دیکھیے اسلام اور جنسیات ''استلذاذ بالمثل''۔

بھی اس لعنت میں گرفتار ہیں۔

استلذاذ بالمثل اسلام کی نظر میں :

اسلام نے دوسری برائیوں کے ساتھ اس برائی سے بھی سختی کے ساتھ روکا اور اس فعل بد کی سزا سخت سے سخت تجویز کی۔ ذرا سی بھی رعایت ملحوظ نہیں رکھی۔ اول تو قرآن پاک میں قوم لوط کا واقعہ تفصیل سے متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے، اس برائی کے سلسلہ میں حضرت لوط علیہ السلام نے جس جس طرح اپنی قوم کو سمجھایا اسے نقل کیا گیا، اس طرف اشارہ کیا کہ جس قوم کو تلذذ بالمثل اور امرد پرستی کی عادت ہو جاتی ہے اس کی اخلاقی حالت کس قدر پست اور ذلت آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے، پھر قوم کی عبرت انگیز سزا کا نقشہ پیش کیا، تا کہ قرآن کے پڑھنے والے اس برائی کے انجام سے اچھی طرح واقف ہو جائیں اور اس طرح اپنے آپ کو اس غیر فطری فعل سے محفوظ رکھیں۔

قرآن وحدیث میں اس امت کے لیے اس غیر فطری فعل کی سزا بھی بیان کی گئی اور اس سے روکنے اور امت کو بچانے کے لیے بڑا مواد فراہم کر دیا گیا ہے۔ شروع میں قرآن میں اس غیر فطری فعل کے کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا :

وَالَّذَانِ يَأْتِيٰنِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا (النساء: ١٦)

”تم میں سے جو دو مرد بدکاری کریں ان کو ایذا دو۔“

پھر رسول اللہ ﷺ نے دلنشیں پیرایہ میں اس غیر فطری فعل کی برائی ذہن نشیں کرانے کی کوشش فرمائی، طرح طرح سے روکا، اس کی سخت سے سخت سزائیں بیان کیں۔ ایک دفعہ آپ نے اس خطرہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

((اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِىْ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ))[1]

---

[1] ترمذی، کتاب الحدود، باب ما جاء فی حد اللوطی : ١٤٥٧۔

''مجھے اپنی امت میں سب سے زیادہ خطرہ قوم لوط کے عمل کا ہے۔''

گویا یہ پیش بندی تھی کہ قوم کا رخ ادھر نہ ہونے پائے اور امت محسوس کرے کہ یہ ایسی برائی ہے جس کا اندیشہ ظاہر کر کے پیغمبر اسلام ﷺ روک چکا ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اپنا جنسی میلان مرد سے پورا کرتا ہے یعنی اغلام کرتا ہے، رب العزت اس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا۔''[1]

مغلم نقل و عقل کی روشنی میں:

خالق کائنات کو مغلم (اغلام کرنے والا) سے اتنی شدید نفرت ہوگی اور اس پر اتنا غضب ہوگا۔ واقعہ ہے کہ قوم لوط کا عمل دنیا میں سب سے بدترین عمل ہے، بالکل غیر فطری ہے، جو حیوانوں اور جانوروں میں بھی نہیں پایا جاتا، اس عمل کا ارتکاب کر کے انسان انسانیت کی مٹی پلید کرتا ہے اور یہی نہیں بلکہ عورتوں کی تباہی و بربادی بھی اس میں مضمر ہے۔ خود اس کرنے والے مجرم کی بھی ہلاکت ہے اپنے کو طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کرتا ہے کیونکہ اس کے اعضائے رئیسہ مضمحل ہو جاتے ہیں، چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کے کسی کام کا نہیں رہتا۔ یہ محروم القسمت انسان اولاد جیسی نعمت اور عفت جیسی عظیم الشان دولت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتا ہے۔

لوگوں کا بیان ہے کہ جو اس غیر فطری برائی میں مبتلا ہوا، دنیا میں بھی عذابی کیڑے ہمیشہ کے لیے اس سے چپک گئے، یعنی پھر اس لت اور عادت کا دور ہونا قریب قریب ناممکن ہے۔ فاعل اور مفعول بہ دونوں کا یہی حال ہوتا ہے، موت ہی اس بری عادت کو چھڑا سکتی ہے، اس سے پہلے کوئی امید نہیں۔ بوڑھے ہونے کے بعد بھی اس برے فعل میں مبتلا رہتے ہیں، یعنی فاعل بڑھاپے تک کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور مفعول بہ کروانے کی۔

---

① ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراهية اتيان النساء فی ادبارهن: ۱۱۶۵۔

مغلم کی سزا:

غالباً یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی سزا قتل بیان فرمائی:

((مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوْا الْفَاعِلَ وَ الْمَفْعُوْلَ بِهِ))①

''تم قوم لوط کے عمل میں جس کو بھی مبتلا دیکھو قتل کر ڈالو، فاعل (کرنے والے، کو بھی) اور مفعول بہ (جس کے ساتھ کیا جائے) کو بھی۔''

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث شرط بخاری پر صحیح الاسناد ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے:②

اس حدیث کی بنیاد پر جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص اغلام کا مرتکب ہو اس کو قتل کر دیا جائے، خواہ محصن ہو یا غیر محصن۔ یہ ایسا جرم ہے جس میں معافی کی کوئی صورت ہی نہیں، کیونکہ اس غیر فطری فعل کو زنا سے بھی بدتر سمجھا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت خالد بن ولید، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عباس، خالد بن زید، عبداللہ بن معمر رضوان اللہ علیہم اجمعین پھر زہری، ربیعہ بن عبدالرحمٰن، امام مالک، اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم ان تمام بزرگوں کا یہی قول ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔③

ایک جماعت کہتی ہے کہ جو زانی کی سزا شریعت میں مقرر ہے وہی مغلم کی بھی ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے قائلین میں عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، سعید بن مسیّب، ابراہیم نخعی، قتادہ، اوزاعی، ابو یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم (اپنے ظاہر قول میں) ہیں، ایک روایت امام احمد سے بھی ہے۔④

---

① ترمذی، کتاب الحدود، باب ما جاء فی حد اللوطی: ۱۴۵۶۔
② الجواب الکافی: ۲۳۰۔
③ الجواب الکافی: ۲۲۹۔
④ الجواب الکافی: ۲۲۹۔

اس کے خلاف دوسری جماعت کہتی ہے کہ زنا اور اغلام میں بڑا فرق ہے، زنا پر حد مقرر ہے اور اغلام پر کوئی حد مقرر نہیں۔ اس لیے مغلم کی بعینہ وہی سزا نہ ہوگی جو زنا کار کی ہے۔ ہاں حاکم کو البتہ اختیار ہے کہ اس سے بھی زیادہ سخت اور دردناک سزا دے، مغلم کو ہاتھی کے پاؤں میں باندھ کر کچلوا دیا جائے، پہاڑ کے اوپر سے گرا کر مار ڈالا جائے یا آگ میں جلا کر مار دیا جائے۔ حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ ①

پس معلوم ہوا کہ اجماع صحابہ اسی پر ہے کہ قتل کر دیا جائے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زنا والی حد جاری کی جائے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ جس طریقہ سے بھی مغلم کو مارا جائے جائز ہے۔ بہر حال اتنی بات مشترک ہے کہ مغلم کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، قتل کی نوعیت میں البتہ اختلاف ہے۔

سزا......عقل کی روشنی میں:

مغلم کی سزا کے متعلق صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ دین کے فیصلے پڑھ کے تعجب نہیں ہونا چاہیے قوم لوط کا جو حشر ہوا اس کو سامنے رکھنے کے بعد کسی سختی کو سختی نہیں کہا جا سکتا، مغلم کی خباثت وشیطنت کو مدنظر رکھا جائے تو کہنا ہوگا کہ درست ہے، اگر آسمان اس پر ٹوٹ پڑے، پہاڑ گر جائے، زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں دھنسا دیا جائے۔

مفعول بہ (جس نے فعل بد کروایا) یہ تو اس درجہ میں ہے کہ اس کا قتل ہو جانا ہی بہتر ہے کیونکہ جب اس کی رضا سے اس سے اغلام کیا گیا تو اس پر ایسی موت طاری ہوگئی جس میں زندگی کی کوئی رمق نہیں، زمین پر متعفن زندہ لاش ہے، بے گناہ قتل ہوتا تو اچھا تھا کہ لوگوں میں محبت وشفقت سے یاد کیا جاتا اور مظلوم شہید کا درجہ حاصل کرتا، مگر اس (وطی فی الدبر) کے بعد اس کے حق میں کوئی رحم نہیں، نہ شریعت کی نظر میں اور نہ انسانی معاشرہ میں۔ سوچیے تو کہ قاتل کو اگر مقتول کا وارث چاہے بچا سکتا ہے مگر اغلام کرنے والے اور کروانے والے کے

---

① الجواب الکافی: ۲۲۹۔

لیے بچنے کی کوئی گنجائش ہے؟ یقیناً نہیں۔

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک واقعہ:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی گئی کہ ایک ایسا شخص ہے جو اغلام کراتا پھرتا ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ خلیفۃ المسلمین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا اور مشورہ طلب کیا، چونکہ یہ نئی طرح کا واقعہ تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجلس مشاورت بلائی اور یہ مسئلہ پیش کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رائے دیتے ہوئے فرمایا کہ اس عمل کا تعلق قوم لوط کے عمل سے ہے، سزا بھی اسی نوعیت کی مناسب ہے۔ میری رائے ہے اس شخص کو جلا ڈالا جائے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے یہی سزا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو جب یہ فرمان ملا تو آپ نے اسے گرفتار کیا اور آگ میں جلوا ڈالا۔ [1]

یہ وہ ملعون فعل ہے جس کے ارتکاب کرنے والے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار لعنت فرمائی۔ [2]

بچنے کی تدبیر:

اسلام چاہتا ہے کہ اس غیر فطری فعل سے انسان اپنے آپ کو محفوظ رکھے، اس کی صورت یہی ہے کہ خوبصورت لڑکوں سے اجتناب کیا جائے اور جو اس کے دواعی ہو سکتے ہیں ان سے الگ تھلگ رہنے کی کوشش کی جائے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

''مالداروں کے لڑکوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ یہ اپنی

---

① الجواب الکافی: ۲۳۹۔

② الجواب الکافی: ۲۳۹۔

شکل وصورت اورلباس و پوشاک سے سراپا فتنہ ہیں، ایسا فتنہ کہ بسا اوقات عورتوں سے بڑھ کر ثابت ہوتے ہیں۔‘‘

پھر انہوں نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ غسل خانے میں داخل ہوئے، اتفاق سے اسی وقت ایک لڑکے نے بھی غسل خانہ میں داخل ہونا چاہا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا، اسے یہاں سے نکالو اور جلدی نکالو اور وجہ یہ بیان فرمائی:

((فَاِنِّیْ اَرٰی مَعَ امْرَأَۃٍ شَیْطَانًا وَ مَعَ کُلِّ صَبِیٍّ بِضْعَۃَ عَشَرَ شَیْطَانًا))①

’’عورت کے ساتھ مجھے ایک ہی شیطان دکھائی دیتا ہے مگر امرد کے ساتھ دس سے زیادہ شیطان۔‘‘

امرد سے پرہیز:

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہے کہ امام موصوف کی خدمت میں ایک شخص کسی ضرورت سے حاضر ہوا، اس شخص کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا۔ اسے دیکھ کر آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس شخص نے بتایا بھانجا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ دیکھو اب دوبارہ اسے ہمارے یہاں نہ لانا اور تم بھی اس کو ساتھ لے کر بازار میں چکر نہ لگانا تاکہ تمہارے متعلق کسی کو برا گمان کرنے کا موقع نہ ملے۔②

یہ ان بزرگوں کی رائے ہے جو اپنے علم وعمل اور زہد وتقویٰ میں مسلّم ہیں، پھر کیا یہ رائے بلا وجہ ہے۔ ان بزرگوں نے جو ہدایت فرمائی وہ بالکل درست ہے اور قابل عمل بھی۔ ہمارے زمانہ کے ان حضرات کے لیے ان واقعات میں عبرت وبصیرت ہے جو تنہائی میں ’’امرد لڑکوں‘‘ سے پاؤں دبواتے ہیں اور بے تکلفی سے ان کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ میں یہ

---

① مفتاح الخطابۃ: ۲۱۷۔

② مفتاح الخطابۃ: ۲۱۷۔

نہیں کہتا کہ ان کی نیتوں میں فساد ہے، بلکہ آگاہ یہ کرنا ہے کہ فتنہ کے دواعی سے اپنی حفاظت ایک ضروری فریضہ ہے۔

امرد کا چہرہ دیکھنا:

فقہاء شہوت کے اندیشہ کے پیش نظر امرد کے چہرہ کو دیکھنا حرام کہتے ہیں:

((فَاِنَّهُ يَحْرُمُ النَّظْرُ اِلٰى وَجْهِهَا وَ وَجْهِ الْاَمْرَدِ اِذَا شَكَّ فِي الشَّهْوَةِ))[1]

''جنسی میلان کا خطرہ ہو تو اس وقت عورت اور امرد کے چہرہ پر نگاہ ڈالنا حرام ہوتا ہے۔''

''امرد'' اس لڑکے کو کہتے ہیں جس کی داڑھی ابھی نہ نکلی ہو، مونچھ آرہی ہو، بعض علماء تو لکھتے ہیں کہ امرد اگر حسین ہو تو عورت کے حکم میں ہے۔ یعنی سر سے پاؤں تک اس کا جسم ستر ہے، اس کی طرف دیکھنا تو جائز نہیں مگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا پھر کوئی مضائقہ نہیں ماحصل یہ ہے کہ تلذذ مقصود ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں۔

((قَالَ ابْنُ الْقَطَّانِ اَجْمَعُوْا عَلٰى اَنَّهُ يَحْرُمُ النَّظْرَ اِلٰى غَيْرِ الْمُلْتَحِيْ بِقَصْدِ التَّلَذُّذِ وَ تَمَتُّعِ الْبَصَرِ بِمَحَاسِنِهِ وَاَجْمَعُوْا عَلٰى جَوَازِهٖ بِغَيْرِ قَصْدِ اللَّذَّةِ وَالنَّاظِرُ مَعَ ذٰلِكَ اٰمِنَ الْفِتْنَةَ))[2]

''ابن القطان فرماتے ہیں، امرد جس کی داڑھی نہیں نکلی ہے، تلذذ اور اس کی خوب صورتی سے متمتع ہونے کے ارادہ سے ایسے لڑکوں کو دیکھنا بالاجماع حرام ہے اور تلذذ مقصد نہ ہو اور دیکھنے والا فتنہ سے مامون ہو تو بالاجماع جائز ہے۔''

شہوت کس کو کہتے ہیں، اس کی تفسیر میں مختلف قول ہیں، مگر زمانہ کے لحاظ سے علامہ شامی کی یہ تفسیر زیادہ صحیح ہے کہ:

---

① درمختار بر حاشیہ رد المختار۔

② ردالمختار: ۱/۲۸۵۔

((اَنَّهَا مَیْلُ الْقَلْبِ مُطْلَقًا))[1]

''شہوت نام ہے دل کے میلان کا۔''

دو مردوں کا ایک ساتھ لیٹنا اور سونا:

اس سلسلہ میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اسی فتنہ کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایک چادر میں دو مرد نہ سوئیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((لَا یُفْضِي الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ))[2]

''ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ آئے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک کپڑے میں لیٹنے اور سونے سے اس لیے روکا گیا ہے کہ اس سے جسمی میلان میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جس سے کبھی کبھی لواطت کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔اس حدیث کو دلیل بنا کر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وَ لَا یَجُوْزُ لِلرَّجُلِ مَضَاجَعَةَ الرَّجُلِ وَ اِنْ کَانَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا فِیْ جَانِبٍ مِنَ الْفِرَاشِ))

''دو مردوں کا ایک ساتھ سونا جائز نہیں ہے گو دونوں بستر کے کنارے کنارے ہی کیوں نہ ہوں۔''

یہ حکم نفسیات کے بالکل مطابق ہے۔ دو شخصوں کا یکجا سونا کسی حال میں ضرر سے خالی نہیں اور غالبًا اور وجوہ کے ساتھ یہ وجہ بھی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوةِ وَ هُمْ اَبْنَاءُ سَبْعَ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَیْهَا وَ

---

[1] رد المختار : ۱/ ۲۸۵۔

[2] مسلم، کتاب الحیض، باب تحریم النظر الی العورات : ۳۳۸۔

هُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِيْ الْمَضَاجِعِ))[1]

''تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم کرو اور دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو نماز کے لیے پیٹو بھی اور ان کو الگ الگ بستر پر سلاؤ۔''

عمر کے اس حصے میں بچوں کا بستر علیحدہ کر دینے سے نفسیاتی طور پر بھی بڑا فائدہ ہوگا اور صحت کے اعتبار سے بھی بچے فائدہ میں رہیں گے۔عمر کے اس حصہ سے انسان میں جنسی میلان کی سوجھ بوجھ شروع ہونے لگتی ہے۔

ہمارے اس دور میں خصوصیت سے اس پر عمل کرنا چاہیے کہ اس دور میں ایسی چیزوں کی کثرت ہے جو جنسی میلان کو مشتعل کرتی رہتی ہیں اور کم و بیش ہر شخص پر اس کا اثر بھی پڑتا رہتا ہے۔

پھر یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ جس طرح یہ حرام ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے ان حصوں کو دیکھے جن کو ''ستر'' سے تعبیر کرتے ہیں،اسی طرح یہ بھی حرام ہے کہ بغیر ضرورت دو مردوں کے جسم اس طرح مل جائیں کہ بیچ میں کوئی چیز حائل باقی نہ رہے،ہاں اس حکم سے مصافحہ ومعانقہ وغیرہ کی طرح کی چیزیں مستثنیٰ ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی بھی صراحت فرماتے ہیں:

((وَ يَحْرُمُ لَمْسُ عَوْرَةِ غَيْرِهِ بِاَيِّ مَوْضِعِ بَدَنِهِ كَانَ بِالْاِتِّفَاقِ))[2]

''غیر مرد کے ستر کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔اس میں کوئی فرق نہیں کہ بدن کے جس حصہ سے بھی ''ستر'' چھوئے سب حرام ہے۔''

ہمارے اس دور میں ان لوگوں کے لیے عبرت و بصیرت کا سبق ہے، جو لڑکوں کے سامنے گھٹنے کھولنا اور تیل کی مالش کرانا عیب نہیں سمجھے۔ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

---

1. ابوداؤد، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة: ٤٩٥۔ ترمذی: ٤٠٧۔
2. فتح الباری: پ /٢١/ ١٤٨۔

((لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰی عَوْرَةِ الرَّجُلِ))[1]

''ایک مرد دوسرے مرد کا ستر نہ دیکھے۔''

((وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين و الصلوٰة و السلام على سيد المرسلين وعلى اله واصحابه اجمعين))

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعِفَافَ وَالْغِنٰى))

محمد ظفیر الدین

پورہ نوڈیہاوی

---

[1] مسلم، کتاب الحيض، باب تحريم النظر الى العورات : ٣٣٨ ۔